ارشاداتِ مجددِ الفِ ثانی

انتخاب مکتوباتِ امامِ ربانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہٗ

انتخاب و عنوانات:

جناب مولانا محمود اشرف عثمانی دامت برکاتہم

ادارہ اسلامیات

لاہور — کراچی

نام کتاب ——— ارشادات مجدد الف ثانیؒ

انتخاب ——— مولانا محمود اشرف عثمانی مدظلہم

ناشر ——— ادارۂ اسلامیات ۔ ۱۹۰، انارکلی لاہور ۲

باہتمام ——— اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

طباعت ——— اگست ۱۹۹۶ء بمطابق ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

کتابت ——— مشتاق احمد جلالپوری

ملنے کے پتے

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور ۲

دارالاشاعت اُردو بازار ۔ کراچی ۱

بیت القرآن، اُردو بازار ۔ کراچی ۱

ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴

فہرست مضامین

انتخاب مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر مکتوب
۱۹۶	نماز میں خشوع حاصل کرنے کا طریقہ	مکتوب ۳۰۵
۱۹۷	اپنے تین بیٹوں کے انتقال کے بعد حضرت مجددؒ کا ایک مکتوب گرامی	۳۰۶ ‹‹
۱۹۹	‹‹گلستان خنیفستان›› کی تشریح	۳۰۸ ‹‹
۲۰۰	رات کو سونے سے پہلے اپنا محاسبہ اور تسبیح	۳۰۹ ‹‹
۲۰۲	تشہد میں اشارہ بالسبابہ سے متعلق حضرت مجددؒ کی رائے (عنوان)	۳۱۲ ‹‹
۲۰۲	کھانے پینے میں ہمیشہ حدِ اعتدال کی رعایت رکھنا بھی سخت مجاہدہ ہے	۳۱۳ ‹‹
۲۰۶	حضرت جعفر صادقؒ کا سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا حضرت علیؓ دونوں سے استفادہ کرنا	۳۱۳ ‹‹
۲۰۷	کس قسم کی قمیص پہننا مناسب ہے؟	۳۱۳ ‹‹
۲۰۹	اہل اللہ پر اعتراض کرنا زہرِ قاتل ہے خصوصاً اپنے شیخ پر	۳۱۳ ‹‹
۲۱۰	حضرت مجددؒ کے صاحبزادے کا اپنے والد کے نام مکتوب گرامی	مکتوب

انتخاب دفتر دوم

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر مکتوب
۲۱۲		
۲۱۲	مجدد الف ثانی ہونے کی تصریح	مکتوب ۴
۲۱۳	حضرت مجددؒ	۶ ‹‹
۲۱۳	حضرت مجدد کی تجدید علومِ نبوت	۶ ‹‹
۲۱۴	علماء ظاہر، صوفیہ علیہ اور علماء راسخین کے مراتب	۱۳ ‹‹
۲۱۵	خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدینؓ کے ناموں کو ترک کرنے پر حضرت مجددؒ کی نکیر	۱۵ ‹‹
۲۱۹	قبر میں عہدنامہ نہ رکھنا	۱۶ ‹‹
۲۱۹	اپنے بیٹوں کے انتقال پر ایک تعزیت نامہ کا جواب	۱۷ ‹‹
۲۲۱	سُنّت کا اتباع اور ہر قسم کی بدعت سے اجتناب	۱۹ ‹‹
۲۲۲	نماز کے سنن و آداب کا پورا اہتمام رکھنا	۲۰ ‹‹
۲۲۳	قلب کی حقیقت	۲۱ ‹‹
۲۲۴	اپنے بیٹے کے نام مکتوب؛ ہر حال میں اتباعِ سنت اور بدعات سے بچنے کی تاکید	۲۳ ‹‹
۲۲۷	انتہا بھی حیرت ہے	۲۳ ‹‹
۲۲۸	جو عمل شریعت کے مطابق ہو وہ ذکر میں داخل ہے	۲۵ ‹‹
۲۲۸	‹‹رشحات›› کی بہت سی حکایات صدق سے دور ہیں (عنوان)	۲۸ ‹‹

تقریظ

از شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

الحمد للہ وکفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی ۔ **اما بعد**

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی ذاتِ والا صفات سے کون مسلمان واقف نہیں۔ حضرت کے مکتوبات (جو اصلاً فارسی زبان میں ہیں) علوم و معارف کا بحرِ ناپیدا کنار ہیں۔ ان میں دقیق علمی اور کلامی مباحث بھی ہیں اور تصوّف و طریقت کے حقائق و معارف بھی۔ اہلِ علم کی علمی پیاس بجھانے کا سامان بھی ہے اور سالکینِ طریق کے لئے ہدایت و راہنمائی کا ذخیرہ بھی۔ ان مکاتیب کا اُردو سمیت بہت سی زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اور اُن کا فیض بحمد اللہ جاری و ساری ہے۔ لیکن یہ مکتوبات کا مجموعہ خاصا ضخیم ہے اور اس کا ایک بڑا حصّہ دقیق علمی بحثوں پر مشتمل ہے جس سے ایک اوسط درجے کا پڑھا لکھا شخص فائدہ نہیں اُٹھا سکتا ۔

احقر کے برادر زادۂ عزیز مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب (سلمہ اللہ تعالےٰ و بارک فی عمرہ وعلمہ) نے پچھلے رمضان میں ان مکاتیب کے مطالعے کے دوران ان باتوں کا انتخاب فرمایا جو اوسط درجے کے پڑھے لکھے مُسلمان کے لئے قابلِ فہم اور مفید ہو سکتی ہیں۔ یہ انتخاب "ارشادات مجدد الف ثانیؒ" کے نام سے آپ کے سامنے ہے۔ فاضل مرتب نے مکاتیب کے اس انتخاب میں اس بات کا پُورا خیال رکھا ہے کہ مکتوب کا جتنا حصّہ بھی لیا جائے۔ وہ کسی کمی بیشی کے بغیر جُوں کا توں نقل کر دیا جائے۔ تاکہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کی بات انہی کے الفاظ میں پڑھنے والے کے سامنے آسکے اور اس کے مفہوم و معنی ہی میں نہیں، بلکہ اسلوب میں بھی کوئی ادنیٰ تبدیلی پیدا نہ ہو ۔

احقر کو یہ مبارک مجموعہ پُورا پڑھنے کا تو موقع نہیں مل سکا لیکن اس کا معتد بہ حصّہ جستہ جستہ مقامات سے پڑھنے اور اس سے استفادہ کرنے کی توفیق ہوئی

الحمدللہ ! احقر کو ان چند مقامات ہی سے بڑا فائدہ ہوا مضامین کے مستند ہونے کے لئے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی ہی کافی ہے ۔ مجموعہ کے مطالعہ کے دوران حسنِ ترتیب و حسنِ انتخاب کا بھی مشاہدہ ہوا ۔ فاضل مرتب نے ایک اہتمام یہ کیا ہے کہ جس مکتوب میں خالص ایسے علمی مباحث تھے جو عام قاری کی پہنچ سے باہر ہوں اُن کو اس مجموعے میں شامل تو نہیں کیا لیکن اُن پر عنوان لگا کر اُن کا حوالہ دے دیا ہے تاکہ اہلِ علم میں سے کوئی صاحب اگر اس موضوع پر حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق معلوم کرنا چاہیں تو وہ اصل مکتوبات کی طرف آسانی سے رجوع کرسکیں ۔

الحمدللہ ! یہ مجموعہ "ارشاداتِ امام ربانی" تمام مسلمانوں کے لئے بالعموم اور سالکین طریقِ تصوف کے لئے بالخصوص نہایت مفید اور قابلِ قدر ہے ۔ اللہ تعالےٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں ۔ فاضل مرتب کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائیں اور اس کتاب کو تمام قارئین کے لئے نافع بنائیں ۔

آمین !

احقر

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

عرضِ مرتب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِؕ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا وشفیعنا محمد و علیٰ الہ واصحابہ ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین - اما بعد!

دین کا کونسا طالب علم ہوگا جو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے واقف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اتباعِ شریعت، ایضاحِ طریقت اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کا جو کام حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے ان کے دَور میں لیا۔ اس کی بدولت دین کا ہر طالب علم خصوصاً برصغیر سے تعلق رکھنے والا ہر سالک راہِ تصوف ان کا احسانمند ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیراً من عندہ -

حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب نہ صرف اس صراطِ مستقیم کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کرتے ہیں جسکی آخری منزل قربِ خداوندی اور دُنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ بلکہ یہ مکاتیب پڑھنے والے کو اس صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کرتے ہیں جس کے بعد سالک کے لئے صرف قدم اُٹھانا باقی رہ جاتا ہے -

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی فارسی، اردو دونوں زبانوں میں مطبوعہ دستیاب ہیں اور کوئی دینی لائیبریری اس سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں "ادارہ اسلامیات" سے بھی ان مکتوبات کے اردو ترجمہ طبع کرنے کی سعادت سے نوازا ہے۔ مگر یہ مکتوبات چونکہ ایک مجدد کے تحریر کردہ گنجینۂ علوم و معارف ہیں اس لئے ان میں سے بعض مکتوبات بہت طویل اور بعض مکاتیب عام قاری کی فہم سے بہت بالا ہیں جس کی بناء پر ان مکتوبات کی ضخیم جلدوں سے استفادہ کرنے میں رکاوٹ پیش آتی ہے۔ اس مصروفیت کے دَور میں ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ ان کا عام فہم انتخاب کر کے قارئین اور طالبین راہِ سلوک کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ کم وقت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فیوض سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں -

احقر نے اس ماہ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ کے آخر میں ان مکتوبات کے نور سے اپنی آنکھوں اور قلب و روح کو منور کر لیا تو مطالعہ کے دوران مناسب عنوانات کے ساتھ اہم مکتوبات

نیز طویل مکتوبات کے اہم اور عام فہم حصوں کے انتخاب کی توفیق بھی بحمد اللہ نصیب ہوئی جسکا ثمرہ "ارشاداتِ مجدد الف ثانیؒ" کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ اس انتخاب میں بعض مکاتیب مکمل شامل کئے گئے ہیں اور بعض مکاتیب کے اہم اور عام فہم حصے منتخب کر کے شامل کئے گئے ہیں۔ جبکہ بعض اہم مگر علمی اور فنی مکاتیب کا صرف عنوان بطور حوالہ درج کیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی قاری اس موضوع پر حضرت کی علمی تحقیق سے مستفید ہونا چاہے تو اسے مکتوب نمبر جلد نمبر اور صفحہ نمبر کے مطابق اصل کتاب سے مراجعت کرنا آسان ہو جائے۔ اس تمام کام میں احقر نے مکتوباتِ امام ربانی کے اس قدیم اردو ایڈیشن کو بنیاد بنایا ہے جسے ادارہ اسلامیات لاہور نے طبع جدید کے ساتھ شائع کیا ہوا ہے احقر نے اس بات کی پوری احتیاط ملحوظ رکھی ہے کہ مکتوب کا جتنا حصہ نقل ہو وہ ادنیٰ سا تصرف کئے بغیر، بغیر کسی کمی بیشی کے پورا کا پورا نقل کیا جائے تاکہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مضمون اور مفہوم میں کوئی فرق واقع نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ اس حقیری خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نواز دے اور اس انتخاب کو مرتب اور قارئین کے لئے نافع بنادے۔ ہم سب کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فیوض و برکات سے حصہ وافر عطا فرمائے اور اس صراطِ مستقیم پر چلنے اور پھر چلتے رہنے کی توفیق سے نوازے جسے سید المرسلین رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، فقہائے کرامؒ، اولیاء اللہؒ، خصوصاً مجددینِ وقت (رحمہم اللہ اجمعین) نے شرک و بدعت کی ہر گمراہی اور افراط و تفریط کی ہر ظلمت سے پاک صاف کر کے امتِ مسلمہ کے لئے منور اور واضح کیا ہوا ہے۔

واللہ الموفق و لہ الحمد اولاً و آخراً والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ۔

احقر

محمود اشرف غفر اللہ لہٗ

لاہور۔ ۱۴ شوال ۱۴۱۵ھ

☆

ارشاداتِ مُجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

دفتر اوّل

(اپنے شیخ کے نام)

مکتوب ۱۶

دُعا کمال عبدیت میں سے ہے

عجیب معاملہ ہے کہ پہلے جو بلا و مصیبت واقع ہوتی تھی، فرحت و خوشی کا باعث ہوتی تھی اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کہتا تھا۔ اور جو کچھ دنیاوی اسباب سے کم ہوتا تھا اچھا معلوم ہوتا تھا اور اسی قسم کی خواہش کرتا تھا۔ اب جبکہ عالم اسباب میں لائے ہیں اور اپنی عاجزی اور محتاجی پر نظر پڑی ہے۔ اگر تھوڑا سا بھی ضرر لاحق ہو جاتا ہے تو پہلے ہی صدمہ میں ایک قسم کا غم پیدا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ جلدی دُور ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں رہتا ہے۔ اور ایسے ہی پہلے اگر بلا و مصیبت کے دفع کرنے کے لئے دُعا کرتا تھا تو اس سے اس کا رفع کرنا مقصود نہ ہوتا تھا بلکہ امر اُدْعُوْنِیْ کی تابعداری مقصود ہوتی تھی۔ لیکن اب دُعا سے مقصود بلاؤ مصیبت کا رفع کرنا ہے اور وہ خوف و حزن جو زائل ہو گئے تھے، اب پھر رجوع کر رہے ہیں۔ اور معلوم ہوا کہ وہ حال سُکر کی وجہ سے تھا۔ صحو کی حالت میں عجز اور محتاجی اور خوف و حزن اور غم و شادی جیسے عام لوگوں کو لاحق ہے۔ ویسے ہی اس خاکسار کو بھی لاحق ہے۔ ابتدا میں بھی جب کہ دعاء سے بلاء کا رفع کرنا مقصود نہ تھا، یہ بات دل کو اچھی نہ لگتی تھی لیکن حال غالب تھا۔ دل میں گزرتا تھا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دُعا اس قسم کی نہ تھی کہ جس سے اپنی مراد کا حاصل ہونا مقصود ہو۔

اب جبکہ فقیر اس حالت سے مشرف ہوا اور حقیقت کا ظاہر ہوئی تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دُعائیں عجز اور حاجتمندی اور خوف و حزن کے سبب سے تھیں نہ مطلق امر کی تابعداری کے لئے۔ ❊

مکتوب ۸

علمِ دین اور علماء و طلباء کی فضیلت

اپنے آپ کو اور ایسے ہی تمام جہان کو بندۂ مخلوق اور غیر قادر جانتا ہے اور خالق و قادر حق تعالےٰ کو سمجھتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا۔ ایک دوسرے کا عین اور آئینہ ہونا کجا ؎

درکدام آئینہ در آید او

ترجمہ: کسی آئینہ میں آتا نہیں وہ

اور اہل سنت وجماعت کے علما تے ظاہر اگرچہ بعض اعمال میں قاصر ہیں۔ لیکن ذات وصفات الٰہی میں ان کی درستی عقائد کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ وہ کوتاہی اور کمی اس کے مقابلہ میں ہیچ و ناچیز دکھائی دیتی ہے۔ اور بعض صوفی باوجود ریاضتوں اور مجاہدوں کے چونکہ ذات وصفات میں اس قدر درست عقیدہ نہیں رکھتے۔ وہ جمال ان میں پایا نہیں جاتا۔ اور علماء و طالب علموں سے بہت محبت پیدا ہوگئی ہے اور ان کا طریقہ اچھا معلوم ہوتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ ان لوگوں کے گروہ میں ہو۔

مکتوب ۹

مقامِ عبدیت تمام مقامات سے بلند ہے

پس یہی وجہ ہے کہ مقامِ عبدیت تمام مقامات سے بلند ہے کیونکہ یہ معنی مقامِ عبدیت میں کامل اور پورے طور پر پائے جاتے ہیں۔ محبوبوں کو اس مقام سے مشرف فرماتے ہیں اور محب شہود کے ذوق سے لذت پاتے ہیں۔ بندگی میں لذت کا حاصل ہونا اور اُس کے ساتھ اُنس پکڑنا محبوبوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ محبوں کا انس محبوب کے مشاہدہ میں ہے۔ محبوبوں کا انس محبوب کی بندگی میں۔ اس اُنس میں اُن کو اس (دیدِ نقص کی) دولت سے مشرف کرتے اور اس نعمت سے سرفراز فرماتے ہیں۔

اس میدان کے تیز رفتار شہسوار دین و دُنیا کے سردار اور اولین و آخرین کے سردار حبیب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جس کسی کو محض اپنے فضل سے یہ دولت بخشنا چاہتے ہیں اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت عنایت فرماتے ہیں اور اس وسیلہ سے اُس کو بلند درجہ پر لے جاتے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

کمالِ شر اور نقص سے مراد اس کا علم ذوقی ہے نہ یہ کہ شرارت و نقص سے متصف ہو۔ اس علم والا اللہ تعالےٰ کے اخلاق سے متخلق ہے۔ اور یہ علم بھی اسی تخلق کے ثمروں میں سے ہے۔ شرارت و نقص کو اس مقام میں کیا مجال ہے سوائے اس کے کہ علم اس کے متعلق ہو۔ یہ علم شہود تام کی وجہ سے خیر محض ہے کہ جس کے پہلو میں سب کچھ شر دکھائی دیتا ہے۔ یہ معاملہ نفس مطمئنہ کے اپنے مقام پر اُتر آنے کے بعد ہے۔

پس بندہ جب تک اس طرح اپنے آپ کو زمین پر نہ ڈالے اور کام یہاں تک نہ پہنچائے اپنے مولا جل شانہٗ کے کمال سے بے نصیب ہے۔

☆

مکتوب ۱۸

سلوک کا حاصل

کسی شخص نے حضرت خواجۂ بزرگ قدس اللہ سرہ العزیز سے پوچھا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ فرمایا تاکہ اجمالی معرفت تفصیلی اور استدلالی کشفی ہو جائے۔ اور یہ نہ فرمایا کہ اس کے سوا کچھ اور علوم حاصل ہوتے ہیں۔ ہاں رستہ میں بہت سے علوم و معارف ظاہر ہوتے ہیں جن سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور جب تک سالک نہایت کے نہایت درجے تک جو صدیقیت کا مقام ہے نہ پہنچے، ان علوم سے حصہ حاصل نہیں کرتا۔

☆

مکتوب نمبر ۲۱

فناء سلوک کا پہلا قدم ہے

میرے بھائی! جان لو جب تک وہ موت جو موت معروف کے پہلے ہے اور اور اہل اللہ اس کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں، ثابت نہ ہو جائے، اللہ تعالےٰ کی جناب میں پہنچنا محال ہے۔ بلکہ آفاقی جھوٹے معبودوں اور انفسی ہوائی خداؤں کی پرستش سے نجات نہیں مل سکتی۔ اس کے سوا نہ تو اسلام کی حقیقت کا پتہ لگتا ہے اور نہ ہی کمال ایمان میسّر ہوتا ہے۔ بھلا پھر خدا کے بندوں کے گروہ میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں؟ اور اوتاد کے درجے تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ حالانکہ یہ فنا پہلا قدم ہے جو درجاتِ ولایت میں رکھا جاتا ہے اور بڑا بھاری کمال ہے جو ابتدا رہی میں حاصل ہو جاتا ہے۔ پس یہی بہتر ہے کہ اس ولایت کے اول سے آخر کا حال اور اس کی ابتدار سے اس کی انتہا کا درجہ قیاس کیا جائے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

ترجمہ: قیاس کر لو مرے باغ سے بہار مری

مکتوب نمبر ۲۳

شیخ کامل اور ناقص شیخ میں فرق

جان لے کہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ پس افسوس اُس شخص پر جس نے اس میں نہ بویا اور اپنی استعداد کی زمین کو بے کار رہنے دیا اور اپنے اعمال کے بیج کو ضائع کر دیا۔

اور جاننا چاہیئے کہ زمین کا ضائع اور بے کار کرنا دو طریق پر ہے۔ ایک یہ کہ اُس میں کچھ نہ بوئے اور دوسرا یہ کہ اس میں ناپاک اور خراب بیج ڈالے۔ اور پہلی قسم کی نسبت دوسری قسم اضاعت میں بہت ضرر اور زیادہ فساد ہے جیسے کہ پوشیدہ نہیں ہے اور بیج کا ناپاک اور خراب ہونا اس طرح پر ہے کہ ناقص سالک سے

طریقہ اخذ کریں اور اس کی راہ پر چلیں۔ کیونکہ وہ حرص و ہوا کے تابع ہوتا ہے اور حرص و ہوا والے کی کچھ تاثیر نہیں ہوتی۔ اور اگر بالفرض تاثیر ہو بھی، تو اس کی حرص کو ہی زیادہ کرے گی۔ پس اس سے سیاہی پر سیاہی حاصل ہوگی۔

اور نیز ناقص کو چونکہ خود واصل نہیں ہے، خدا کی طرف پہنچانے والے اور نہ پہنچانے والوں راستوں کے درمیان تمیز حاصل نہیں ہے اور ایسے ہی طالبوں کی مختلف استعدادوں کے درمیان فرق نہیں جانتا۔ اور جب اس نے طریق جذبہ اور سلوک کے درمیان تمیز نہ کی تو بسا اوقات طالب کی استعداد ابتدا میں طریق جذب کے مناسب ہوتی ہے اور طریق سلوک سے نامناسب ہوتی ہے۔ اور ناقص شیخ نے راستوں اور مختلف استعدادوں کے درمیان تمیز کے نہ ہونے کے باعث ابتدا میں اس کو طریق سلوک پر چلایا تو اُس نے راہِ حق سے اُس کو گمراہ کر دیا جیسے کہ وہ خود گمراہ ہے۔

پس جب شیخ کامل مکمل ایسے طالب کی تربیت کرنی چاہے اور اُس کو اس طریق پر چلانا چاہے تو اُس کو چاہیئے کہ اول اس سے اس چیز کو دُور کرے جو ناقص شیخ سے اس کو پہنچی ہے اور جو کچھ اس کے سبب سے اس کا بگاڑ ہوا ہے اس کی اصلاح و درستی کرے۔ پھر اس کی استعداد کے مناسب اچھا بیج اس کی استعداد کی زمین میں ڈالے۔ پس اس طرح اچھا سبزہ اُگے گا۔

مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۔

"ناپاک کلمہ کی مثال ناپاک درخت کی طرح ہے جس کی جڑ زمین کے اُوپر ہے اور اس کو کوئی قرار نہیں ہے اور پاک کلمہ کی مثال پاک درخت کی طرح ہے اس کی اصل یعنی جڑ ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان میں ہے۔"

پس شیخ کامل مکمل کی صحبت سُرخ گندھک یعنی کیمیا ہے۔ اس کی نظر دوا اور اس کی بات شفا ہے۔ وَدُونَهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اور اُس کے سوا بے فائدہ رنج و تکلیف ہے) اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو شریعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔ کیونکہ یہی مقصود ہے اور اسی پر سعادت اور نجات کا مدار ہے۔

مکتوب ۲۸

معیّتِ الٰہیہ

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّہٗ۔ "آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اُس کی دوستی ہے"۔

پس مبارک ہے وہ شخص جس کے دل میں اللہ تعالےٰ کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت نہ ہو اور اُس کے سوا کسی اور کا طالب نہ ہو۔ پس ایسا شخص اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہے اگرچہ ظاہر میں خلق کے ساتھ مشغول ہے۔

مکتوب ۲۹

نوافل سے پہلے فرائض کا اہتمام کرنا ضروری ہے

اعمالِ مقربہ یعنی وہ عمل جن سے درگاہِ الٰہی میں قرب حاصل ہوتا ہے فرض ہیں یا نفل اور فرضوں کے مقابلہ میں نفلوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ فرضوں میں سے ایک فرض کا ادا کرنا ہزار سالہ نفلوں کے ادا کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ نفل خالص نیت سے ادا کئے جائیں اور خواہ وہ نفل از قسم نماز، روزہ و ذکر و فکر وغیرہ وغیرہ ہوں۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فرائض کے ادا کرنے کے وقت سنتوں میں سے کسی سنت اور مستحبات میں سے کسی مستحب کی رعایت کرنا یہی حکم رکھتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آدمیوں میں نگاہ کی۔ اپنے یاروں میں سے ایک شخص کو موجود نہ دیکھا۔ فرمایا کہ فلاں شخص جماعت میں حاضر نہیں ہوا؟ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ رات کو اکثر جاگتا رہتا ہے۔ شاید اس وقت سو گیا ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمام رات سوتا رہتا اور صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا تو اس کے لئے بہتر ہوتا۔

پس مستحب کی رعایت کرنا اور مکروہ سے بچنا اگرچہ تنزیہی ہو ذکر اور

فکر اور مراقبہ اور توجہ سے کئی درجے بہتر ہے۔ پھر مکروہ تحریمی کا کیا ذکر ہے۔ ہاں اگر رعایت اور اجتناب کے ساتھ یہ امور جمع ہوں تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا بڑی کامیابی ہے۔ وَبِدُوْنِهٖ خَرْطُ الْقَتَادِ ورنہ بے فائدہ رنج ہے۔

مثلاً زکوٰۃ کے طور پر ایک دانگ کا صدقہ کرنا جس طرح کہ نفلی طور پر سونے کے پہاڑ صدقہ کرنے سے کئی درجہ بہتر ہے۔ ویسے ہی اس دانگ کے صدقہ کرنے میں کسی ادب کا رعایت کرنا مثلاً اس کو کسی قریبی محتاج کو دینا بھی اس سے کئی درجے بہتر ہے۔

پس نماز خفتن[1] کو آدھی رات کے بعد ادا کرنا اور اس تاخیر کو قیام لیل یعنی نماز تہجد کی تاکید کا وسیلہ بنانا بہت بُرا ہے۔ کیونکہ حنفیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک نماز خفتن کا ایسے وقت میں ادا کرنا مکروہ ہے۔ ظاہراً اس کراہت سے اُن کی مُراد کراہت تحریمیہ ہے۔ کیونکہ نماز خفتن کا ادا کرنا آدھی رات تک اُن کے نزدیک مُباح ہے اور نصف رات کے بعد مکروہ۔ پس وہ مکروہ جو مباح کے مقابل ہے وہ مکروہ تحریمی ہی ہے اور شافعیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک نماز خفتن کا اس وقت ادا کرنا جائز ہی نہیں۔

پس قیام لیل یعنی تہجد اور اس میں ذوق و جمعیت کے حاصل ہونے کے لئے اس امر کا مرتکب ہونا بہت بُرا ہے۔ اس غرض کے لئے وتر کے ادا کرنے میں تاخیر کرنا بھی کافی ہے۔ اور یہ تاخیر بھی مستحب ہے۔ وتر بھی اچھے وقت میں ادا ہو جاتے ہیں اور تہجد اور صبح کے وقت جاگنے کی غرض بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

مکتوب ۲۹ ایضاً

مجالسِ صوفیاء میں علم فقہ کا تذکرہ بھی ضروری ہے

اور نیز اس گروہ[2] کے علوم، احوال کے علوم ہیں اور احوال اعمال کے

---

[1] یعنی نماز عشاء [2] صوفیاء

نتیجے اور ثمرے ہیں۔ اور احوال کے علوم سے اس شخص کو ورثہ ملتی ہے جس نے اعمال کو درست کیا ہو اور اُن کے اچھی طرح ادا کرنے پر قائم ہو۔ اور اعمال کا صحیح اور درست طریق پر ادا کرنا اُس وقت میسر ہوتا ہے جبکہ اعمال کو پہچانے اور ہر عمل کی کیفیت کو جانے۔ اور وہ احکام شرعی مثلاً نماز، روزہ و باقی فرائض اور معاملات اور نکاح وطلاق و بیع وشرلے اور ہر ایک اُس چیز کا علم ہے جو حق تعالیٰ نے اُس پر واجب کیا ہے اور اس کی طرف اس کو دعوت فرمایا ہے اور یہ علوم کسبی ہیں ان کے سیکھنے سے کسی کو چارہ نہیں ہے۔

اور علم دو مجاہدوں کے درمیان ہے۔ ایک وہ مجاہدہ جو علم کے حاصل ہونے سے پہلے اس کی طلب میں ہوتا ہے۔ دوسرا وہ مجاہدہ جو علم حاصل ہونے کے بعد اُس کے استعمال میں ہوتا ہے۔

پس چاہیئے کہ جس طرح آپ کی مجلس مبارک میں کتب تصوف کا ذکر ہوتا رہتا ہے اسی طرح فقہ کی کتابوں کا بھی ذکر ہونا چاہیئے۔

مکتوب نمبر ۳۰

سب سے اُونچا مقام مقامِ عبدیت ہے

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حق تعالےٰ کی پاک درگاہ کے میدان میں سخن کی مجال نہیں ہے۔ تو پھر ہم اپنی بندگی کے مقام اور ذلت و عاجزی کی نسبت گفتگو کرتے ہیں۔ انسانی پیدائش سے مقصود وظائف بندگی کا ادا کرنا ہے اور اگر ابتدا اور وسط میں کسی کو عشق و محبت دیا جائے تو اُس سے مقصود ماسوے اللہ سے اس کا قطع تعلق کرنا ہے۔ کیونکہ عشق و محبت بھی ذاتی مقصود نہیں ہیں بلکہ مقام عبودیت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں۔ انسان اللہ تعالےٰ کا بندہ اُس وقت ہوتا ہے جبکہ ماسوے اللہ کی گرفتاری اور بندگی سے پورے طور پر خلاصی پا جائے۔ اور عشق و محبت صرف اس انقطاع کا وسیلہ ہیں۔ اسی واسطے مراتب ولایت میں سے نہایت کا درجہ مقام عبدیت ہے۔ اور ولایت کے

کے درجوں میں مقام عبدیت سے اوپر کوئی مقام نہیں۔ اس مقام میں بندہ اپنے مولا کے ساتھ اپنے لئے کوئی نسبت نہیں پاتا۔ مگر بندے کی طرف سے احتیاج اور مولا کی طرف سے آرزدے ذات وصفت کے پوری پوری استغنا۔ یہ نہیں کہ اپنے آپ کو اس کی ذات کے ساتھ اور اپنی صفات کو اس کی صفات کے ساتھ اور اپنے افعال کو اس کے افعال کے ساتھ کسی وجہ سے مناسب جانے۔ ظلیت کا اطلاق بھی منجملہ مناسبات سے ہے۔ اس سے بھی پاک و منزہ بتلاتے ہیں اور حق تعالیٰ کو خالق اور اپنے کو مخلوق مخلوق جانتے ہیں۔ اس سے زیادہ کہنے کی کچھ جرأت نہیں کرتے۔

مکتوب ۳۳

علماء کو اہم نصیحت

علماء کے لئے دنیا کی محبت اور رغبت اُن کے جمال کے چہرہ کا بدنما داغ ہے۔ مخلوقات کو اگرچہ اُن سے بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں مگر اُن کا علم اُن کے اپنے حق میں نافع نہیں ہے۔ اگرچہ شریعت کی تکذیب اور مذہب کی تقویت ان پر مترتب ہے۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ تائید و تقویت فاجر فاسق سے بھی ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فاجر آدمی کی تائید کی نسبت خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔

یہ علماء پارس پتھر کی طرح ہیں کہ تانبا اور لوہا جو اس کے ساتھ لگ جائے سونا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی ذات میں پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے۔ ایسے ہی وہ آگ جو پتھر اور بانس میں پوشیدہ ہے۔ جہان کو اس آگ سے کئی طرح کے فائدے حاصل ہیں لیکن وہ پتھر اور بانس اس اپنی اندرونی آگ سے بے نصیب ہیں۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ علم اُن کے اپنے نفس کے حق میں مضر ہے کہ حجت کو ان پر پورا کر دیا۔

"تحقیق لوگوں میں سے زیادہ عذاب کا مستحق قیامت کے دن وہ عالم ہے
جس کو اپنے علم سے کچھ نفع حاصل نہ ہُوا"

اور کیونکر مضر نہ ہو وہ علم جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک عزیز اور موجودات میں اشرف ہے اس کو دنیائے کمینی یعنی مال وجاہ و ریاست کے حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا ہے۔ حالانکہ دنیا حق تعالےٰ کے نزدیک ذلیل وخوار اور مخلوقات میں سے بدتر ہے۔

پس اللہ تعالےٰ کے عزیز کو خوار کرنا اور اُس کے ذلیل کو عزت دینا بہت بُرا ہے۔ حقیقت میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ تعلیم دینا اور فتویٰ لکھنا اس وقت فائدہ مند ہے جبکہ خالص اللہ ہی کے لئے ہو اور حُب جاہ و ریاست اور مال و بلندی کی آمیزش سے خالی ہو اور اس خالی ہونے کی علامت یہ ہے کہ دُنیا میں زاہد ہو اور دُنیا و ما فیہا سے بے رغبت ہو۔ وہ علماء جو اس بلا میں مبتلا ہیں اور اس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں وہ دُنیا کے عالموں میں سے ہیں اور بُرے عالم اور لوگوں میں سے بدتر اور دین کے چور یہی عالم ہیں حالانکہ یہ لوگ اپنے آپ کو دین کا پیشوا جانتے ہیں اور مخلوقات میں سے اپنے آپ کو بہتر خیال کرتے ہیں۔

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ط اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ پ ۲۸ ع ۳

"اور گمان کرتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ خبردار یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اِن پر شیطان نے غلبہ پا لیا ہے اور ان کو اللہ تعالےٰ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں، خبردار رہو شیطان کا گروہ گھاٹا کھانے والا ہے"

کسی عزیز نے شیطان لعین کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے خاطر جمع کیا ہُوا ہے۔ اس عزیز نے اس امر کا بھید پوچھا لعین نے جواب دیا کہ اس وقت کے بڑے عالم میرے ساتھ اس کام میں میرے مددگار ہیں اور مجھ کو اس

ضروری کام سے فارغ کر دیا ہے۔

اور واقعی اس زمانے میں جو سستی اور غفلت کہ امور شرعی میں واقع ہوئی ہوئی ہے اور جو فتور کہ مذہب و دین کے رواج دینے میں ظاہر ہوا ہوا ہے سب کچھ ان بُرے عالموں کی کمبختی اور اُن کی نیتوں کے بگڑ جانے کے باعث ہے۔ ہاں وہ علماء جو دُنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ و ریاست و مال و بلندی کی محبت سے آزاد ہیں، علمائے آخرت سے ہیں اور انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں اور مخلوقات میں سے بہتر یہی علماء ہیں کہ کل قیامت کے روز ان کی سیاہی فی سبیل اللہ شہیدوں کے خون کے ساتھ تولی جائے گی۔ اور اُن کی سیاہی کا پلّہ بھاری ہو جائے گا۔ اور نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ[1] انہی کے حق میں ثابت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نظروں میں آخرت کا جمال پسند آیا اور دُنیا کی قباحت اور برائی معلوم ہوئی۔ اُس کو بقاء کی نظر سے دیکھا اور اس کو زوال کے داغ سے داغدار معلوم کیا۔ اس واسطے اپنے آپ کو باقی کے سپرد کیا اور فانی سے اپنے آپ کو ہٹا لیا۔ آخرت کی بزرگی کا مشاہدہ اللہ تعالےٰ کی بزرگی کے مشاہدہ کا ثمرہ ہے اور دُنیا و مافیہا کو ذلیل و خوار جاننا آخرت کی بزرگی مشاہدہ کرنے کے لوازم سے ہے۔

اِنَّ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا
سَخِطَتِ الْاُخْرٰی۔

کیونکہ دُنیا اور آخرت دونوں سوکنیں ہیں۔ یعنی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں ہیں۔ ایک راضی ہو گئی تو دوسری ناراض ہو گی۔ اگر دُنیا عزیز ہے تو آخرت خوار۔ اور اگر دُنیا خوار ہے تو آخرت عزیز۔ ان دونوں کا جمع ہونا گویا دو ضدوں کا جمع ہونا ہے۔ ع

مَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا

ترجمہ: دین و دنیا گر جمع ہو جائیں تو کیسا خوب ہے۔

ہاں بعض مشائخ نے جو اپنی آرزو اور خواہش سے بالکل نکل چکے ہیں۔ بعض نیک نیتوں کے باعث اہل دُنیا کی صورت اختیار کی ہے اور بظاہر رغبت کرنے والے دکھائی دیتے ہیں لیکن حقیقت میں کچھ تعلق نہیں رکھتے اور سب سے

[1] عالم کا سونا بھی عبادت ہے۔

فارغ اور آزاد ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

"یہ وہ بہادر لوگ ہیں جن کو تجارت اور بیع اللہ تعالےٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی"

تجارت و بیع ان کو ذکرِ خدا سے مانع نہیں ہے اور ان امور کے ساتھ تعلق رکھنے کی حالت میں بے تعلق ہیں۔

مکتوب ۳۵

سلوک کا مقصد

سیر و سلوک سے مقصود نفس امارہ کا تزکیہ اور ناپاک کرنا ہے تاکہ جھوٹے خداؤں کی عبادت سے جو نفسانی خواہشوں کے وجود سے پیدا ہوتی ہیں، نجات حاصل ہو جائے اور حقیقت میں خدائے واحد برحق کے سوا کوئی توجہ کا قبلہ نہ رہے اور دینی یا دنیاوی مقصودوں اور مطلوبوں سے کوئی مقصود و مطلب اختیار نہ کریں۔

مکتوب ۳۶

احوال و مواجید مقصود نہیں، کمال اخلاص و رضا مقصود ہے

شریعت کے تین جزو ہیں علم و عمل و اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہو گئی تو گویا حق تعالےٰ کی رضامندی حاصل ہو گئی جو دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ - اور اللہ تعالےٰ کی رضامندی سب سے بڑھ کر ہے۔

پس شریعت دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی

ایسا مطلب باقی نہیں جس کے حاصل کرنے کے لئے شریعت کے سوا اور کسی اور چیز کی طرف حاجت پڑے۔ طریقت اور حقیقت جن سے صوفیاء ممتاز ہیں، تیسرے جزو یعنی اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کی خادم ہیں۔ پس ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کوئی اور امر شریعت کے سوا۔

احوال و مواجید اور علوم و معارف جو صوفیاء کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں اصلی مقصود نہیں ہیں بلکہ وہم و خیالات ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے۔ ان سب سے گزر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہیئے جو مقام جذب اور سلوک کا نہایت ہے۔ کیونکہ طریقت اور حقیقت کی منزلیں طے کرنے سے یہ مقصود ہے کہ اخلاص حاصل ہو جائے جو مقام رضا کو مستلزم ہے۔ تین قسم کی تجلیوں اور عارفانہ مشاہدوں سے گزار کر ہزاروں میں سے کسی ایک کو اخلاص اور مقام رضا کی دولت تک پہنچاتے ہیں۔

بے سمجھ لوگ احوال و مواجید کو اصلی مقصود جانتے ہیں اور مشاہدات اور تجلیات کو اصل مطلب خیال کرتے ہیں اسی واسطے وہم و خیال کی قید میں گرفتار رہتے ہیں اور شریعت کے کمالات سے محروم ہو جاتے ہیں۔

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔

"مشرکین کو وہ بات بڑی بھاری اور مشکل معلوم ہوتی ہے جس کی طرف تو اُن کو بلاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف برگزیدہ کر لیتا ہے اور اپنی طرف سے اسی کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف جھکتا ہے۔"

ہاں مقام اخلاص کا حاصل ہونا اور مرتبہ رضا تک پہنچنا ان احوال و مواجید کے طے کرنے اور ان علوم و معارف کے ثابت ہونے پر وابستہ اور منحصر ہے۔

پس یہ سب باتیں مطلوب حاصل کرنے کے لئے اسباب اور مقصود تک پہنچنے کے لئے وسیلہ ہیں۔

اس مطلب کی حقیقت حضرت حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل اس فقیر پر

اس راستہ میں پورے دس سال کے بعد واضح و ظاہر ہوئی اور شریعت کا معشوق کما حقہ، جلوہ گر ہوا۔ اگرچہ ابتدا ہی سے احوال و مواجید کی گرفتاری نہ رکھتا تھا اور شریعت کی حقیقت سے متحقق ہونے کے بغیر اور کوئی مطلب مدِ نظر نہ تھا لیکن دس سال کے بعد اصل حقیقت کما حقہٗ ظاہر ہوئی۔

الحمد للہ علیٰ ذٰلک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً الیہ۔

مکتوب نمبر ۳۷

احیائے سُنت کی آرزو

یہ فقیر اپنے نقد وقت یعنی موجودہ حال کی نسبت لکھتا ہے کہ بہت مُدت تک علوم و معارف اور احوال و مواجید بہاری بادل کی طرح گرتے رہے اور جو کام کرنا چاہیئے تھا، اللہ تعالےٰ کی عنایت سے کر دیا۔ اب سوائے اس کے اور کوئی آرزو نہیں رہی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سُنتوں میں سے کوئی سُنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید اہلِ ذوق کے لئے مسلّم رہیں۔

آپ کو چاہیئے کہ باطن کو خواجگان قدس سرہم کی نسبت سے معمور رکھیں اور ظاہر کو نبی پاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلّم کی تابعداری سے آراستہ و پیراستہ بنائیں ؎

کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ : اصل مطلب ہے یہی باقی ہے ہیچ

نمازِ پنجگانہ اوّل وقت میں ادا کیا کریں۔ مگر موسم سرما کی عشاء کہ رات کے تیسرے حصّہ تک اس میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔

فقیر اس امر میں بے اختیار ہے۔ نہیں چاہتا کہ نماز کے ادا کرنے میں سرِ مُو تاخیر واقع ہو اور بشریت کا عجز اس سے مستثنےٰ ہے۔

مکتوب نمبر ۳۵

معرفتِ خداوندی کے لئے فنا لازم ہے

امام المسلمین امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہے:

سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَلٰكِنْ عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ۔

حق عبادت کا ادا نہ ہونا خود ظاہر ہے لیکن حق معرفت کا حاصل ہونا اس بنا پر ہے کہ حق تعالےٰ کی ذات میں نہایت معرفت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس کو بیچونی اور بیچگونی کے ساتھ پہچان لیں۔

کوئی بے وقوف یہ گمان نہ کرے کہ اس معرفت میں عام و خاص اور مبتدی اور منتہی برابر ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اس نے علم و معرفت کے درمیان فرق نہیں کیا ہے۔ مبتدی کو صرف علم ہی علم ہے اور منتہی کو معرفت! اور معرفت سوائے فنا[1] کے نہیں ہوتی۔ اور یہ دولت فانی کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

هیچکس را تا نگردد او فنا | نیست ره در بارگاهِ کبریا

ترجمہ: جب تلک کوئی نہ ہو جاے فنا | تب تلک ملتا نہیں اس کو خدا

پس جب معرفت علم سے الگ ہے تو پھر جاننا چاہیئے کہ مشہور دانش کے سوا وہ ایک ایسا امر ہے جس کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی کو ادراک بسیط بھی کہتے ہیں ؎

فریاد حافظ این همه آخر بهرزه نیست | هم قصهٔ غریب و حدیث عجیب هست

ترجمہ: نہیں حافظ کی یہ بے ہودہ فریاد | عجب ہے ماجرا اس کا سراسر

---

[1] فنا کا مطلب سالک کے جسم اور قلب کے بُرے اعمال و اخلاق کا بالکلیہ ختم ہو کر قلب کا اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہو جانا ہے۔ ۱۲

مثنوی ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس　　ہست رب الناس را با جانِ ناس

لیک گفتم ناس را نسناس نہ　　ناس غیر از جان جاں آشناس نہ

ترجمہ: ہے خدا کا اپنے بندوں سے اک ایسا اتصال　　جسکی کیفیت کا پانا اور سمجھنا ہے محال

ذکر ہے یاں ناس کا نناس کا ہرگز نہیں　　ناس غیر از عارف کامل نہیں ہوتا کہیں

اور جب فنا میں بھی مرتبے مختلف ہیں تو اس واسطے منتہیوں کو بھی معرفت میں ایک دوسرے پر فضیلت ہوگی۔ یعنی جس کی فنا زیادہ کامل ہوگی اس کی معرفت بھی زیادہ کامل ہوگی۔ جس کی فنا کم ہوگی اس کی معرفت بھی کم ہوگی۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔

سبحان اللہ! بات کس طرف چلی گئی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنی بے حاصلی اور نامرادی اور بے استقامتی اور ناثباتی کی نسبت کچھ لکھتا اور دوستوں سے مدد طلب کرتا۔ مجھے اس قسم کی باتوں سے کیا نسبت؟

آگہ از خویشتن چو نیست جنین　　چہ خبر دارد از چناں و چنیں

ترجمہ: واقف اپنے سے جب نہیں ہے جنیں　　پھر وہ جانے کیا چناں و چنیں

لیکن بلند ہمت اور ذاتی خصلت اجازت نہیں دیتی کہ کمینے مرتبوں اور سفلی سرمایہ کی طرف آگر آئے یا ان کی طرف التفات کرے۔ اگر کہے تو اسی کے نسبت کہے۔ اگرچہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اور اگر ڈھونڈے تو اسی کو ڈھونڈے اگرچہ کچھ نہ پائے اور اگر کچھ حاصل ہو وہی ہو، اگرچہ کچھ حاصل نہ ہو۔ اور اگر واصل ہو تو اسی کے ساتھ واصل ہو۔ اگرچہ بے حاصل ہی رہے۔

بعض بزرگواروں قدس سرہم کی عبارتوں میں جو شہود ذاتی واقع ہے اس کے معنے کاملوں کے سوا کسی اور پر ظاہر نہیں ہیں۔ ناقصوں کے لئے ان معنوں کا سمجھنا مشکل ہے۔ ؎

حال پختہ در نیابد ہیچ خام　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

ترجمہ: حال کامل کا نہیں جانے ہے خام　　پس سخن کوتاہ چاہیئے والسلام

آپ نے خط کے عنوان کو کلمہ ھُوَ الظاہر ھو الباطن سے آراستہ کیا ہوا

تھا۔ میرے مخدوم! ھُوَ الظَّاھِرُ ھُوَ الْبَاطِنُ درست ہے۔ لیکن کچھ مدت گزری ہے کہ فقیر اس عبارت سے توحید کے معنی نہیں سمجھتا۔ اور اُن کے معنے سمجھنے میں علماء کے موافق ہے اور توحید والوں کی درستی سے اُن کی درستی بہتر و بڑھ کر معلوم ہوتی ہے۔ کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ ہر ایک کے لئے ایسی چیز کا حاصل ہونا آسان ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے ؏

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ترجمہ: ہر اک کو بنایا ہے ہر اک کام کی خاطر

جو کچھ اس انسان پر ضروری ہے اور اس کے ساتھ مکلّف ہے وہ اوامر کی تابعداری کرنا اور نواہی سے رُک جانا ہے:

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔

"جو کچھ رسول تمہارے پاس لائے اس کو پکڑ لو اور جس سے تم کو منع کرے ہٹ جاؤ اور اللہ تعالٰی سے ڈرو"

اور جب انسان اخلاص سے مامور ہے اور وہ بغیر فنا کے حاصل نہیں ہوتا اور محبت ذاتی کے بغیر میسّر نہیں، تو اس واسطے فنا کے مقدّمات یعنی دس مقامات کو حاصل کرنا چاہیئے اگرچہ فنا خدا کی محض بخشش ہے لیکن اُس کے مقدّمات اور مبادی کسب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں بعض ایسے بھی لوگ ہیں جن کو فنا کی حقیقت سے مشرّف کرتے ہیں بغیر اس بات کے کہ مقدمات کو حاصل کریں اور ریاضتوں اور مجاہدوں سے اپنی حقیقت کو مصفا کریں اور اس وقت اس کا حال دو صورت سے خالی نہیں ہے۔ یا اس کو نہایت بے نہایت میں کھڑا رکھتے ہیں یا ناقصوں کی تکمیل کے لئے عالم کی طرف اس کو لوٹاتے ہیں۔

بر تقدیر اول اس کا سیر مقامات مذکورہ میں واقع نہیں ہوتا اور اسمائی اور صفاتی تجلیات کی تفصیلوں سے بے خبر رہتا ہے۔ اور بر تقدیر ثانی جب اس کو عالم کی طرف لوٹاتے ہیں تو اُس کی سیر مقامات کی تفصیل پر واقع ہوتی ہے اور بے نہایت تجلیات سے اس کو مشرف کرتے ہیں۔ ظاہر میں مجاہدہ کی صورت رکھتا ہے۔ لیکن حقیقت میں کمال ذوق اور لذت میں ہے۔ بظاہر ریاضت

میں ہے اور باطن میں نعمت ولذت ہیں۔ ع

این کار دولت است کنوں تا کرا دہند

ترجمہ: بڑی اعلےٰ ہے یہ دولت ملے اب دیکھئے کس کو

یہ نہیں کہا جاتا کہ جب اخلاص اس قسم کے امور میں سے ہے جن کی تابعداری واجب ہے اور بغیر فنا کے اُس کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ پس علمائے ابرار اور صلحائے اخیار جو فنا کی حقیقت سے مشرف نہیں ہوئے۔ اخلاص کے ترک سے عاصی ہوں۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ نفس اخلاص ان کو حاصل ہے۔ اگرچہ اخلاص بعض افراد کے ضمن میں ہو۔ اور فنا کے بعد کمال اخلاص حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے تمام افراد کو شامل ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے یہ کہا گیا ہے کہ اخلاص کی حقیقت بغیر فنا کے متصور نہیں ہوتی اور یہ نہیں کہا کہ نفس اخلاص بغیر فنا کے متحقق نہیں ہوتا۔

مکتوب ۳۹

دل کی اصلاح ظاہری اعمال کو بجالائے بغیر ممکن نہیں

کام کا مدار دل پر ہے۔ اگر دل حق تعالےٰ کے غیر سے گرفتار ہے تو خراب اور ابتر ہے۔ صرف ظاہری اعمال اور رسمی عبادتوں سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ماسوائے حق کی طرف توجہ کرنے سے دل کو سلامت رکھنا اور اعمال صالحہ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور شریعت نے جن کے بجالانے کے لئے حکم کیا ہے دونوں درکار ہیں۔

بدنی نیک عملوں کے بجالانے کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ کرنا باطل ہے جس طرح اس جہان میں بدن کے بغیر روح کا ہونا ناممکن ہے۔ ویسے ہی دل کے احوال بدنی نیک عملوں کے بغیر محال ہیں۔ اس زمانے میں اکثر ملحد اس قسم کے دعوے کئے بیٹھے ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اُن کے ایسے بُرے عقائد سے نجات بخشے۔

مکتوب ۴۲

ہجرت

اگر ہجرت ظاہری میسر نہ ہو سکے تو باطنی ہجرت کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ خلقت کے درمیان رہ کر اُن سے الگ رہنا چاہیئے۔

مکتوب ۴۶

تصوّف کا مقصود

پس سیر و سلوک اور تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب سے مقصود یہ ہے کہ باطنی آفتیں اور دلی امراض کہ جن کی نسبت فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ میں ارشاد کیا گیا ہے دُور ہو جائیں تاکہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو جائے اور ان امراض و آفات کے باوجود اگر ایمان ہے تو صرف ظاہری اور رسمی طور پر ہے۔ کیونکہ نفس امارہ کا وجدان اُس کے برخلاف حکم کرتا ہے اور اپنے کفر کی حقیقت پر اڑا ہوا ہے، اس قسم کے ایمان اور ظاہری تصدیق کی مثال ایسی ہے جیسے قند و نبات کی مٹھاس کے ساتھ صفراوی مزاج والے کا ایمان کہ اس کا وجدان اس کے برخلاف گواہ ہے شکر کی شیرینی کے ساتھ حقیقی یقین کا حاصل ہونا مرض صفراوی کے دُور ہو جانے کے بعد متصور ہے۔

پس تزکیۂ نفس اور اُس کے اطمینان کے بعد ایمان کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور اس قسم کا ایمان زوال سے محفوظ ہے :

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔
ایسے ایمان والے لوگوں کے حق میں صادق ہے۔

شَرَّفَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِشَرَفِ هٰذَا الْاِيْمَانِ الْكَامِلِ الْحَقِيْقِيِّ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْقُرَشِيِّ عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اُمّی قرشی صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل ہم کو اس قسم کے کامل اور حقیقی ایمان سے مشرف فرمائے۔ آمین

مکتوب ۴۸

علماء کا صوفیاء سے اور شریعت کا طریقت سے افضل ہونا

آپ کا بزرگ مرحمت نامہ جس سے فقرا، کو نوازش فرمایا تھا۔ اس کے مطالعہ سے شرف حاصل کیا۔ آپ نے مولانا محمد قلیج کے خط میں لکھا تھا کہ طالب علموں اور صوفیوں کے لئے کچھ خرچ بھیجا گیا ہے۔ صوفیوں پر طالب علموں کے ذکر کا مقدم کرنا آپ کی بلند ہمت نظر میں بہت ہی اچھا معلوم ہُوا۔ اور اس مضمون کے موافق کہ اَلظَّاهِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ۔ ظاہر باطن کا نمونہ ہے۔ امید ہے کہ آپ کے باطن شریف میں بھی اس بزرگ جماعت کا صوفیوں پر مقدم رکھنا ظاہر ہو گا۔ کیونکہ كُلُّ اِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ۔ برتن سے وہی کچھ نکلتا ہے جو اُس کے بیچ میں ہو۔

اور طالب علموں کے مقدم سمجھنے میں شریعت کی ترویج ہے۔ شریعت کے اُٹھانے والے یہی لوگ ہیں اور مصطفوی مذہب صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے ساتھ قائم ہے۔ کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے اور تصوف کی بابت کچھ نہ پوچھیں گے۔ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے حکم بجالانے پر منحصر ہے۔

انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو تمام مخلوقات میں سے بہتر ہیں۔ شرائع کی طرف دعوت کی ہے اور اپنی تمام زندگی میں اسی پر رہے ہیں اور ان بزرگواروں کی پیدائش سے مقصود ہی احکامِ شریعت کا لوگوں تک پہنچانا ہے۔

پس سب سے بڑی بھاری نیکی یہی ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اُس کے حکموں میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کی جائے۔ خاص کر ایسے زمانے میں جبکہ اسلام کے نشان بالکل مٹ گئے ہوں۔ کروڑ ہا روپیہ اللہ کے رستہ میں خرچ کرنا اس کے برابر نہیں کہ شرعی مسائل میں سے ایک مسئلے کو رواج دیا جائے۔ کیونکہ اس فعل میں انبیائے علیہم السلام کی اقتدا رہے جو بزرگ ترین مخلوقات ہیں۔ اور اس فعل میں ان بزرگواروں کے ساتھ شریک ہونا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ سب سے بڑھ کر نیکیاں انہی لوگوں کو عطا ہوتی ہیں اور کروڑ ہا روپیہ خرچ کرنا تو ان بزرگواروں کے سوا اوروں کو بھی میسر ہے اور نیز شریعت کے بجالانے میں نفس کی کمال مخالفت

ہے۔ کیونکہ شریعت نفس کے برخلاف وارد ہوئی ہے اور مالوں کے خرچ کرنے میں تو کبھی نفس بھی موافقت کر لیتا ہے۔ ہاں ان مالوں کے خرچ کرنے میں جو شریعت کی تائید اور مذہب کی ترویج کے لئے ہوں بہت درجہ ہے اور اس نیت پر ایک پیتل کا خرچ کرنا کسی دوسری نیت سے کئی لاکھ خرچ کرنے کے برابر ہے۔

یہاں کوئی یہ سوال نہ کرے کہ طالب علم گرفتار کو صوفی آزاد سے کیوں مقدم کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے ابھی بات کی حقیقت کو معلوم نہیں کیا۔ طالب علم باوجود گرفتاری کے خلقت کی نجات کا سبب ہے کیونکہ احکام شرعی کی تبلیغ اس سے حاصل ہے۔ اگرچہ اس سے خود اس کو کچھ نفع نہیں ہے اور صوفی نے باوجود آزادی کے اپنے نفس کو خلاص کیا ہے خلقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص پر بہت لوگوں کی نجات وابستہ ہو وہ اس شخص سے بہتر ہے جو صرف اپنی نجات کے خیال میں ہے۔ ہاں وہ صوفی جو فنا و بقا اور سیر عن اللہ و باللہ کے بعد عالم کی طرف راجع ہوا اور خلق کی دعوت میں مشغول ہو وہ مقام نبوت سے حصہ حاصل رکھتا ہے اور شریعت کے حکم پہنچانے والوں میں داخل ہے۔ اور علمائے شریعت کا حکم رکھتا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

"یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے"۔

مکتوب ۴۹

شریعت اور طریقت کو جمع کرنا کمال ہے

حقیقت میں ظاہری دولت یہ ہے کہ اپنے ظاہر کو شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے آراستہ کیا جائے اور سعادت باطنی یہ ہے کہ باطن کو ماسوائے حق کی گرفتاری سے خلاص اور آزاد کیا جائے۔ دیکھئے کس صاحب نصیب کو ان دونوں کراموں سے مشرف کرتے ہیں۔ ع

کار ایں است و غیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ : کام اصلی ہے یہی باقی ہے ہیچ

زیادہ لکھنا موجب تکلیف ہے۔

مکتوب نمبر ۵۱

سب سے عقلمند کون؟

دُنیا ظاہر میں میٹھی ہے اور صورت میں تازگی رکھتی ہے، لیکن حقیقت میں زہر قاتل اور جھوٹا اسباب اور بے ہودہ گرفتاری ہے۔ اس کا مقبول خوار اور اس کا عاشق مجنون ہے۔ اس کا حکم اس نجاست کا سا ہے جو سونے میں منڈھی ہو۔ اور اس کی مثال اس زہر کی سی ہے جو شکر میں ملا ہوا ہو۔ عقلمند وہی ہے جو ایسے کھوٹے متاع پر فریفتہ نہ ہو اور ایسے خراب اسباب کا گرفتار نہ ہو۔ اور داناؤں نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال زمانہ میں سے کسی عقلمند کو دیں تو زاہد کو دینا چاہیئے جو دنیا سے بے رغبت ہے اور اس کی وہ بے رغبتی بڑے دانائی کے سبب سے ہے۔ زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔

مکتوب نمبر ۵۲

تکبّر اُمّ الامراض ہے

میرے مخدوم و مکرم! نفس امارہ انسانی حب جاہ و ریاست پر پیدا کیا گیا ہے اور اس کا مقصود ہمہ تن ہمسروں پر بلندی کا حاصل کرنا ہے اور وہ بالذات اس بات کا خواہاں ہے کہ تمام مخلوقات اس کی محتاج اور اس کے امر و نہی کے تابع ہو جائے اور وہ خود کسی کا محتاج اور محکوم نہ ہو۔ اس کا یہ دعوئے خدائے بے مثل کے ساتھ الوہیت اور شرکت کا ہے۔ بلکہ وہ بے سعادت شرکت پر بھی راضی نہیں ہے۔ چاہتا ہے کہ حاکم صرف آپ ہی ہو اور سب اسکے محکوم ہوں۔

حدیثِ قدسی میں آیا ہے :

عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّمَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ ۔

"یعنی اپنے نفس کو دشمن رکھ کیونکہ وہ میری دشمنی میں کھڑا ہے"۔

پس جاہ و ریاست اور بلندی اور تکبر وغیرہ جیسی مرادوں کے حاصل کرنے میں نفس کی تربیت کرنا حقیقت میں اُس کو خدائے تعالےٰ کی دشمنی میں مدد اور تقویت دینا ہے اس امر کی برائی اچھی طرح معلوم کرنا چاہیئے ۔

حدیث قدسی میں وارد ہے :

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ شَیْئٍ مِّنْهُمَا اَدْخَلْتُهٗ فِی النَّارِ وَلَا اُبَالِیْ ۔

"تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا کپڑا۔ پس جس نے ان دونوں میں سے کسی میں میرے ساتھ جھگڑا کیا میں اس کو دوزخ میں داخل کروں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہیں"۔

دُنیا کمینی جو خدائے تعالےٰ کی ملعونہ اور مبغوضہ ہے اسی باعث سے ہے کہ دُنیا کا حاصل ہونا نفس کی مرادوں کے حاصل ہونے میں مدد دیتا ہے۔ پس جو کوئی دشمن کی مدد کرے وہ لعنت ہی کے لائق ہے اور فقر فخر محمدی صلّی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیونکہ فقر میں نفس کی نامرادی اور عاجزی ہے ۔

انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے پیدا ہونے سے مقصود اور شرعی تکلیفوں میں حکمت یہی ہے کہ نفس امارہ عاجز اور خراب ہو جائے۔ شرعی احکام نفسانی خواہشوں کے دفع کرنے کے لئے وارد ہوئے ہیں۔ جس قدر شریعت کے موافق عمل کیا جائے اس قدر نفسانی خواہشیں کم ہوتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ احکام شرعی میں سے ایک حکم کا بجالانا نفسانی خواہشوں کے دُور کرنے میں اُن ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے جو اپنے پاس سے کئے جائیں کئی درجہ بہتر ہے۔ بلکہ ایسی ریاضتیں اور مجاہدے جو شریعت غرّا کے موافق نہ کئے جائیں نفسانی خواہشوں کو مدد اور قوت دینے والے ہیں ۔

برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کمی نہیں کی۔ لیکن اُن میں

سے کوئی فائدہ مند نہ ہوا۔ اور اُن سے نفس کی تقویت اور تربیت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔

مثلاً زکوٰۃ کے طور پر جس کا شریعت نے حکم دیا ہے ایک دام خرچ کرنا نفس کے خراب کرنے میں اُن ہزار دیناروں کے خرچ کرنے سے بہتر اور فائدہ مند ہے جو اپنی مرضی کے موافق خرچ کئے جائیں اور شریعت کے حکم سے عید فطر کے دن کا کھانا خواہش کے دُور کرنے میں اپنی مرضی کے موافق کئی سال روزہ رکھنے سے بہتر ہے اور نماز صبح کی دو رکعتوں جماعت کے ساتھ ادا کرنا جو سنتوں میں سے ایک سنت ہے، کئی درجے اس بات سے بہتر ہے کہ تمام رات نماز نفل میں قیام کریں اور صبح کی نماز بے جماعت ادا کریں۔

غرض جب تک نفس صاف نہ ہو جائے اور سرداری کے مالیخولیا کی پلیدی سے پاک نہ ہو جائے تب تک نجات محال ہے۔ اس مرض کے دُور کرنے کا فکر ضروری ہے تاکہ ہمیشہ کی موت تک نہ پہنچا دے۔

مکتوب ۵۳

سب سے افضل سب سے برتر

سُنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام نے مسلمانی کی نیک نیت سے جو اپنی ذات میں رکھتا ہے۔ آپ کو فرمایا ہے کہ چار آدمی علمائے دیندار پیدا کریں تاکہ دربار میں ملازم رہیں اور مسائل شرعیہ کو بیان کرتے رہیں تاکہ خلافِ شرع کوئی امر صادر نہ ہو۔ الحمدللہ! مسلمانوں کو اس سے بڑھ کر کونسی خوشی ہوگی اور ماتم زدوں کو اس سے زیادہ کیا خوشخبری ہوگی۔ لیکن چونکہ یہ حقیر بھی اسی غرض کے لئے آپ کی خدمت بلند کی طرف متوجہ ہے۔ چنانچہ کئی دفعہ اس امر کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس لئے اس بارہ میں کہنے اور لکھنے سے اپنے آپ کو معاف نہیں رکھ سکے گا۔ اُمید ہے کہ معذور فرمائیں گے۔ صَاحِبُ الْغَرْضِ مَجْنُوْنٌ۔ معروض کرتا ہے کہ ایسے علمائے دیندار بہت تھوڑے ہیں جو حُبِ جاہ و ریاست سے خالی ہوں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تائید کے سوا اور کچھ مطلب نہ رکھتے ہوں اور حُبِ جاہ ہونے کی صورت میں ہر

ایک عالم اپنی طرف کھینچے گا۔ اور اپنی بزرگی کو ظاہر کرنا چاہے گا اور اختلافی باتیں درمیان لاکر ان کو بادشاہ کے قریب کا وسیلہ بنائے گا تو ناچار معاملہ بگڑ جائے گا۔

گذشتہ زمانے میں ایسے علماء کے اختلافوں نے جہان کو بلا میں ڈال دیا اور اب بھی وہی صحبت درپیش ہے۔ ترویج کیا ہو گی۔ بلکہ یہ تو خرابی کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالےٰ بُرے علماء کے فتنہ سے بچائے۔ اگر اس غرض کے لئے ایک علم مل جائے تو بہتر ہے اور اگر علمائے آخرت میں سے کوئی دستیاب ہو جائے تو نہایت ہی سعادت ہے کیونکہ اس کی صحبت اکسیر ہے اور اگر ایسا آدمی نہ ملے تو صحیح غور و فکر کے بعد اس قسم کے آدمیوں میں سے کسی کو بہتر کو اختیار کریں۔

میں نہیں جانتا کیا لکھوں؟ جس طرح مخلوقات کی خلاصی علماء کے وجود پر وابستہ ہے جہان کا خسارہ بھی انہی پر منحصر ہے۔ علماء میں سے بہتر عالم تمام جہان کے انسانوں میں سے بہتر ہے اور علماء میں سے بدتر عالم تمام جہان کے انسانوں میں سے بدتر ہے کیونکہ تمام جہان کی ہدایت و گمراہی انہی پر موقوف ہے۔

مکتوب ۵۴

صحابۂ کرامؓ کی عظمت و اہمیت اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا بدترین ہونا

یقینی طور پر تصور فرمائیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے زیادہ تر ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بدتر اس گروہ کے لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے کلام میں ان کا نام کفار رکھتا ہے۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ قرآن اور شریعت کی تبلیغ اصحابؓ ہی نے کی ہے۔ اور اگر ان پر طعن لگائیں تو قرآن اور شریعت پر طعن آتا ہے۔ قرآن کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے۔ اگر حضرت عثمانؓ مطعون ہیں تو قرآن مجید بھی مطعون ہے۔ حق تعالےٰ ان زندیقوں کے ایسے بُرے اعتقاد سے بچائے۔

مخالفت اور جھگڑے جو اصحاب کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے درمیان واقع

ہوئے ہیں۔ نفسانی خواہشوں پر محمول نہیں ہیں۔ کیونکہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اُن کے نفسوں کا تزکیہ ہو چکا تھا۔ اور امارہ پن سے آزاد ہو گیا ہوا تھا۔ اس قدر جانتا ہوں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اس بارہ میں حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر۔ لیکن یہ خطاء اجتہادی ہے۔ جو فسق کی حد تک نہیں پہنچاتی۔ بلکہ اس قسم کی خطاء میں ملامت کی بھی مجال نہیں۔ کیونکہ ایسی خطا کرنے والے کو بھی ایک درجہ ثواب کا حاصل ہے اور کم بخت یزید اصحاب سے نہیں ہے۔ اس کی بدبختی میں کس کو کلام ہے۔ جو کام اس بدبخت نے کیا ہے کوئی کافر فرنگ بھی نہیں کرتا۔

اہل سنت وجماعت میں سے بعض علماء نے اس کے لعنت کرنے میں جو توقف کیا ہے تو اس لحاظ سے نہیں کیا ہے کہ وہ اس سے راضی ہیں بلکہ اس کی رجوع اور توبہ کے احتمال پر کیا ہے۔

آپ کو چاہیئے کہ قطب زماں بندگی مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ کی معتبر کتابیں کچھ کچھ ہر روز آپ کی مجلس میں پڑھی جایا کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ انھوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کی کس طرح تعریف کی ہے اور کس ادب کے ساتھ یاد کیا ہے تاکہ بدخواہ دشمن شرمندہ اور خوار ہوں۔ اس زمانے میں اس بدخواہ گروہ کا بہت زور ہے اور اِدھر اُدھر گرد و نواح میں بہت پھیلا ہوا ہے۔ اس لئے چند کلمے اس بارے میں لکھے گئے تاکہ آپ کی بزرگ صحبت میں اس قسم کے بداندیش دخل نہ پائیں۔ ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ عَلٰی طَرِیْقَۃِ الْمَرْضِیَّۃِ۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اپنے پسندیدہ طریقہ پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب ۵۵

جس سے محبت ہو اُسے بتا دینا سُنّتِ نبویؐ ہے

کچھ مدت سے فقیر کے دل میں آپ کے ملازموں کی نسبت محبت پیدا ہو گئی ہے۔ سوائے اس رابطہ کے جو پہلے ثابت تھا۔ اسی واسطے آپ کے حق میں غائبانہ دعا میں مشغول ہے۔ اور حبیب سرورِ کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ اَحَبَّ اَخَاہُ فَلْیُعْلِمْہُ اِیَّاہُ جو شخص اپنے بھائی کو دوست رکھے تو اُسے چاہیئے

کہ اُس کو جتلا دے۔ اس لئے اپنی محبت کا ظاہر کرنا بہتر اور مناسب جانا۔ اور اس محبت سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے ساتھ پیدا ہو گئی ہے۔ بڑی امید لگ رہی ہے۔ حق تعالیٰ اپنے حبیب سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل اُن کی محبت پر استقامت عطا فرماتے۔

مکتوب ۵۸

شریعت اور طریقت ایک ہیں

نصیحت کے بارے میں شیخ محمد یوسف کی طرف لکھا ہے :۔

"حق تعالیٰ اپنے حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل آپ کو بزرگ باپ دادوں کے رستہ پر ثابت قدم رکھے۔ بزرگی آپ کے خاندان میں موروثی ہے اس طرح زندگانی بسر کریں کہ اس وراثت کا استحقاق حاصل ہو۔ اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت سے اور باطن کو باطن شریعت یعنی حقیقت سے آراستہ پیراستہ رکھیں۔ کیونکہ حقیقت اور طریقت دونوں شریعت ہی کی حقیقت اور طریقت سے مراد ہیں۔ نہ یہ کہ شریعت اور ہے اور طریقت و حقیقت کچھ اور۔ کہ یہ الحاد اور زندقہ ہے۔ فقیر کا گمان آپ کے حق میں بہت نیک ہے۔

مکتوب ۵۹

اہل السنت والجماعت کے اتباع ہی میں نجات ہے

میرے مخدوم! آدمی کو تین چیزوں سے چارہ نہیں ہے تاکہ نجات ابدی حاصل ہو جائے۔ علم[۱] و عمل[۲] و اخلاص[۳]۔

علم دو قسم کا ہے : ایک وہ علم ہے جس سے مقصود عمل ہے جس کا متکفل علم فقہ ہے۔

دوسرا وہ علم ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور دل کا یقین ہے۔ جو علم

کلام میں مفصل مذکور ہے۔ اور فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے قیاس صحیح اور عقیدے کے موافق ہے۔ نجات ان بزرگواروں کے اتباع کے بغیر محال ہے اور اگر بال بھر بھی مخالفت ہے تو کمال خطرہ ہے۔ یہ بات کشف صحیح اور الہام صریح سے یقینی طور پر حاصل ہو چکی ہے۔ اس میں کچھ خلاف نہیں ہے۔

پس خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس کو ان کی متابعت کی توفیق حاصل ہوئی اور اُن کی تقلید سے مشرف ہوا۔ اور ہلاکت ہے اُس شخص کے لئے جس نے اُن کی مخالفت کی اور اُن سے الگ ہو گیا اور اُن کے اصول سے مُنہ پھیرا۔ اور اُن کے گروہ سے نکل گیا۔ پس وہ خود بھی گمراہ ہُوا اور اُس نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

مکتوب ۶۱

فنا فی الشیخ ہونا

اگر حقیقی طور پر التجا اور تضرع حاصل نہ ہو تو ظاہری تضرع اور نیازمندی کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیئے۔ وَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا۔ اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ یہ محافظت شیخ کامل کے ملنے تک ہے۔ بعد ازاں اپنی سب مُرادیں اس بزرگ کے سپرد کر دینی چاہئیں اور اس کی خدمت میں مُردہ بدست غسال کی طرح ہونا چاہیئے۔

اول فنا فی الشیخ ہے اور یہی فنا پھر فنا فی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

مکتوب ۶۲

مصائب اور اعتراضات تزکیۂ نفس کا ذریعہ ہیں

اور جب اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر دُنیا میں درد اور الم و معیبت نہ ہوتے تو جَو کے برابر اس کی قدر نہ ہوتی۔ اس کی ظلمتوں کو واقعات اور حادثے دُور کر دیتے ہیں۔ حادثوں کی تلخی دارو ے تلخ کی طرح

نافع ہے جس سے مرض کو دُور کرتے ہیں۔

فقیر کو تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ عام دعوتوں میں جو کھانا پکاتے ہیں اور خالص نیت نہیں کر سکتے۔ اور بعض لوگ اس کھانے کی نسبت گلہ وشکایت کرتے ہیں اور طعام اور صاحب طعام کا عیب اور نقصان ظاہر کرتے ہیں اور صاحب طعام کو اس بات سے دل کی شکستگی حاصل ہو جاتی ہے۔ تو صاحب طعام کی یہی شکستگی اس ظلمت کو جو خالص نیت کے نہ ہونے سے کھانے میں آگئی تھی دور کر دیتی ہے۔ اور معرض قبول میں لے آتی ہے۔ اگر وہ لوگ شکایت نہ کرتے اور صاحب طعام کا دل شکستہ نہ ہوتا تو طعام سراسر ظلمت اور کدورت سے بھرا رہتا اور اس صورت میں قبولیت کا احتمال نہ ہوتا۔

پس کام کا مدار شکستگی اور آوارگی پر ہے۔ لیکن ہم ناز سے پلے ہوئے عیش و آرام کے طالبوں کو یہ کام مشکل ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ نص قاطع ہے اور عبادت سے مقصود عجز و انکسار ہے۔ پس انسان اور خاص کر مسلمانوں اور دینداروں کے پیدا کرنے سے مقصود ذلت و خواری ہے۔ کیونکہ دُنیا اُن کے لئے قید خانہ ہے۔ قید خانہ میں عیش و آرام کا ڈھونڈنا عقل سے دُور ہے۔ پس آدمی کو محنت کشی اور اس بوجھ کے اٹھانے سے کوئی چارہ نہیں ہے۔

ﷺ

مکتوب ۶۵

حضرت خواجہ احرارؒ کا ایک مقولہ

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں شیخی کروں تو جہان میں کسی شیخ کا کوئی مرید نہ رہے لیکن میرے متعلق کچھ اور کام ہے اور وہ شریعت کو رواج دینا اور مذہب کی تائید کرنا ہے۔ اسی واسطے بادشاہوں کی صحبت میں جایا کرتے اور اپنے تصرف سے ان کو مطیع کرتے تھے اور اُن کے ذریعے شریعت کو رواج دیتے تھے۔

مکتوب ۶۶

صحابیٔ رسول ہونے کا شرف

ایک شخص نے عبداللہ بن مبارک قدس سرہٗ سے پوچھا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہے یا عمرؒ بن عبدالعزیز۔ تو اُس نے جواب دیا کہ وہ غبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاویہؓ کے گھوڑے کے ناک میں داخل ہوا، وہ عمر بن عبدالعزیز سے کئی درجے بہتر ہے۔

مکتوب ۷۰

خان خاناں کو نصیحت

اپنی چند روزہ زندگانی کو صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں بسر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آخرت کے عذاب سے بچنا اور ہمیشہ کی نعمتوں سے کامیاب ہونا اسی تابعداری کی سعادت پر وابستہ ہے۔ پس بڑھنے والے مالوں اور چرنے والوں چارپاؤں کی زکوٰۃ پورے طور پر ادا کرنی چاہیئے اور اس کو مالوں اور چارپاؤں کے ساتھ تعلق نہ ہونے کا وسیلہ بنانا چاہیئے۔ اور لذیذ کھانوں اور نفیس کپڑوں میں نفس کا فائدہ مدنظر نہ رکھنا چاہیئے بلکہ کھانے پینے وغیرہ سے اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہونی چاہیئے کہ طاعت کے ادا کرنے پر قوت حاصل ہو۔ نفیس کپڑوں کو خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ) کے موافق مذکورہ بالا زینت کی نیت پر پہننا چاہیئے اور کسی اور نیت کو اس میں نہ ملانا چاہیئے۔ اور اگر حقیقی طور پر نیت میسر نہ ہو تو اپنے آپ کو تکلف سے اس نیت پر لانا چاہیئے فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکُوْا۔ اگر تم کو رونا نہ آئے تو رونے والوں کی صورت بنا لو۔" اور ہمیشہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا اور زاری کرنی چاہیئے کہ حقیقی نیت حاصل ہو جائے اور تکلف دُور ہو جائے۔

می تواند کہ دہد اشک مرا حسن قبول ‏ ‏ آنکہ دُر ساختہ است قطرۂ بارانی را

ترجمہ: عجب نہیں کہ وہ کرلے قبول گریہ مرا ‏ ‏ دیا ہے قطرۂ باراں کو جس نے موتی بنا

علیٰ ہذا القیاس تمام امور میں علمائے دیندار کے فتوے کے موافق جنہوں نے عزیمت کو اختیار کیا ہے اور رخصت سے تجاوز کیا ہے زندگانی بسر کرنی چاہیئے اور اس کو ہمیشہ کی نجات کا وسیلہ بنانا چاہیئے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ۔

" اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالےٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا؟"

مکتوب ۷۱

خان خاناں کے بیٹے کو نصیحت

عقلی اور شرعی طور پر منعم کا شکر منعم علیہ پر واجب ہے اور معلوم ہے کہ شکر بھی اسی قدر واجب ہوتا ہے جس قدر نعمت پہنچے۔ پس جس قدر نعمت زیادہ پہنچے گی شکر بھی اسی قدر زیادہ واجب ہو گا۔ پس اس اعتبار سے فقراء کی نسبت دولت مندوں پر ان کے درجوں کے اختلاف کے بموجب کئی گنا زیادہ شکر واجب ہے۔ کیونکہ اس اُمت کے فقراء دولتمندوں سے پہلے پانچسو سال بہشت میں جائیں گے اور منعم حقیقی یعنی حق تعالےٰ کا شکر اول یہ ہے کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے موافق اپنے عقیدوں کو درست کیا جائے۔

اور دوسرے یہ کہ اسی فرقہ ناجیہ کے ائمہ مجتہدین کے اقوال کے موافق شرعی عملی احکام بجالائے جائیں۔

تیسرے یہ کہ اسی بلند گروہ کے صوفیاء کرام کے سلوک کے مطابق تصفیہ و تزکیہ کیا جائے اور اس رکن کا وجوب استحسانی و استحبابی ہے بخلاف پہلے دو رکنوں کے۔ کیونکہ اصل اسلام انہی دو رکنوں سے وابستہ ہے اور کمال اسلام

اسی ایک رکن یعنی اخیر سے متعلق ہے۔ جو عمل ان ارکانِ ثلاثہ کے مخالف ہو خواہ وہ سخت ریاضت اور مشکل مجاہدہ ہو منعم حقیقی جلّ شانہٗ کی نافرمانی اور گنہگاری اور ناشکری میں داخل ہے۔

ہندو برہمنوں اور یونانی فلسفیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کمی نہیں کی۔ چونکہ وہ سب کے سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے موافق نہیں ہوئے ہیں اس لئے مردود ہیں اور آخرت کی نجات سے بے نصیب ہیں۔

مکتوب ۲۷

طالبِ آخرت طالبِ دُنیا نہیں ہوتا

دین و دنیا کا جمع کرنا دو ضدوں کا جمع کرنا ہے۔ پس طالبِ آخرت کے لئے دُنیا کا ترک کرنا ضروری ہے اور چونکہ اس وقت اس کا حقیقی ترک میسر نہیں ہوسکتا بلکہ مشکل ہے تو ناچار ترک حکمی پر ہی قرار پکڑنا چاہیئے اور ترک حکمی سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی امور میں شریعت روشن کے حکم کے موافق چلنا چاہیئے اور کھانے پینے اور رہنے سہنے میں شرعی حدوں کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اور حدوں سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے اور بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے چارپاؤں میں زکوٰۃ مفروضہ کو ادا کرنا چاہیئے۔

اور جب احکام شرعی سے آراستہ ہونا نصیب ہُوا تو گویا دُنیا کی تکالیف سے نجات حاصل ہوگئی اور آخرت کے ساتھ جمع ہوگئی اور کسی کو اگر اس قسم کا ترک حکمی بھی میسر نہ ہو تو وہ اس بحث سے خارج ہے وہ منافق کا حکم رکھتا ہے کیونکہ صرف ظاہری ایمان آخرت میں فائدہ مند نہ ہوگا۔ اس کا نتیجہ صرف دُنیاوی خون اور مالوں کا بچاؤ ہے ؎

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم   تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

جو حق کہنے کا ہے کہتا ہوں تجھ سے اے میرے مشفق
نصیحت آئے ان باتوں سے یا تجھ کو ملال آئے

مکتوب ۴۳

دُنیا کی مذمّت اور مذموم دُنیا کا مطلب

سرور کائنات حبیب ربّ العٰلمین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے :

مَا الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی ۔

"دُنیا اور آخرت دونوں آپس میں سوکن ہیں ۔ اگر ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض ۔ پس جس نے دُنیا کو راضی کیا آخرت اُس سے ناراض ہوگئی " پس آخرت سے بے نصیب ہوگیا ۔

حق تعالٰے ہم کو دُنیا اور اہلِ دُنیا کی محبّت سے بچائے ۔

اے فرزند ! کیا تم کو جانتا ہے کہ دُنیا کیا ہے ؟ دُنیا وہی ہے جو تجھے حق تعالٰے کی طرف سے ہٹا رکھے ۔ پس زن اور مال وجاہ و ریاست ولہو و لعب اور بے ہودہ کاروبار میں مشغول ہونا سب دُنیا میں داخل ہے اور وہ علوم جو آخرت میں کام آنے والے نہیں ہیں ۔ سب دُنیا ہی میں داخل ہیں ۔ اگر نجوم و ہندسہ و منطق و حساب وغیرہ بے فائدہ علوم کا حاصل ہونا مفید ہوتا تو فلاسفہ سب اہلِ نجات میں سے ہوتے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

عَلَامَۃُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَالَا یَعْنِیْہِ ۔

"بندہ کا فضول کاموں میں مشغول ہونا اللہ تعالٰے کی روگردانی کی علامت ہے "۔

مکتوب ۴۴

مباحات میں تقلیل (کمی کرنا) مطلوب ہے

اے فرزند ! غرض یہی ہے کہ فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے اور مباحات

سے ضرورت کے موافق پر کفایت کرنی چاہیئے اور ان میں یہ نیت ہونی چاہیئے کہ وظائف بندگی کے ادا کرنے کی جمعیت حاصل ہو۔ مثلاً کھانے سے مقصود طاعت کے ادا کرنے کی قوت اور پوشاک سے ستر عورت اور گرمی و سردی کا دُور کرنا ہے۔ باقی مباحات ضروریہ میں بھی قیاس یہی کر لو۔

نقشبندیہ بزرگواروں قدس سرہم نے اپنا عمل عزیمت پر اختیار کیا ہے اور رخصت سے حتی المقدور پرہیز کی ہے۔ اور منجملہ سب عزیمتوں کے قدر ضرورت پر کفایت کرنا ہے۔ اگر یہ دولت میسر نہ ہو تو مباحات کے دائرہ سے پاؤں باہر نہ نکالنا چاہیئے اور حرام و مشتبہ کے نزدیک نہ جانا چاہیئے۔ حق تعالےٰ نے اپنی کمال بخشش سے امور مباحہ کے ساتھ کامل اور پُورے طور پر لذت کا حاصل کرنا جائز فرمایا ہے اور اس قسم کی نعمتوں کا دائرہ وسیع کیا ہے۔ ان نعمتوں اور لذتوں سے قطع کر کے کونسا عیش اس کے برابر ہے کہ بندے کا مولیٰ اُس کے کام سے راضی ہو جائے اور کون سا ظلم اس کے برابر ہے کہ اس کا مالک اس کے اعمال سے ناراض ہو جائے۔ جنت میں اللہ تعالےٰ کی رضامندی جنت سے بہتر ہے اور دوزخ میں اللہ تعالےٰ کی ناراضگی دوزخ سے بدتر ہے۔

یہ انسان اپنے مولا کے حکم پر محکوم غلام ہے۔ اس کو خود مختار نہیں بنایا کہ جو چاہے کرے اس کو کچھ باز پرس نہ ہوگی۔ فکر کرنا چاہیئے اور عقلِ دور اندیش سے کام لینا چاہیئے۔ کل قیامت کے دن ندامت اور خسارے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کام کا وقت جوانی کا زمانہ ہے۔ جوانمرد وہ ہے جو اس وقت کو ضائع نہ کرے اور فرصت کو غنیمت جانے۔ ممکن ہے کہ اس کو بڑھاپے تک پہنچنے نہ دیں۔ اور اگر پہنچنے بھی دیں تو جمعیت حاصل نہ ہوگی۔ اور اگر حاصل ہو گی تو ضعف اور سستی کے وقت کچھ حاصل نہ کر سکے گا۔

اس وقت جمعیت کے اسباب مہیا ہیں اور والدین کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کے بڑے انعاموں میں سے ہے کہ معاش اور گزارہ کا غم اُن کے سر پر ہے اور فرصت کا موسم اور قوت و استطاعت کا زمانہ ہے۔ کسی عذر سے آج کے کام

کو کل پر نہ ڈالنا چاہیئے اور اپنا اسباب تسویف میں یعنی ٹال مٹول میں نہ کھینچنا چاہیئے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ سَوْفَ اَفْعَلُ
یعنی آج کل کرنے والے ہلاک ہو گئے۔" ہاں اگر دنیا کمینی کے کاموں کو کل پر ڈال دیں
اور آج آخرت کے عملوں میں مشغول ہو جائیں تو بہت ہی اچھا ہے جیسے کہ اس کا
عکس بہت ہی برا ہے۔ جوانی کے وقت جبکہ دینی دشمنوں یعنی نفس و شیطان
کا غلبہ ہے، تھوڑا عمل بھی اس قدر معتبر ہے کہ ان کے غلبہ نہ ہونے کے وقت
اس سے کئی گنا زیادہ عمل مقبول نہیں۔ فن سپاہ گری میں دشمنوں کے غلبہ کے وقت
کارگزار سپاہیوں کا تھوڑا سا تردد اس قدر معتبر اور نمایاں ہوتا ہے کہ دشمنوں
کے شر سے امن کی حالت میں بہت سا تردد ویسا نہیں ہوتا۔

اے فرزند! انسان کے پیدا کرنے سے جو خلاصۂ موجودات ہے، صرف کھیل کود
اور کھانا سونا مقصود نہیں۔ بلکہ اس سے مقصود بندگی کے وظیفوں کو ادا کرنا۔
ذلت و انکسار و عجز و احتیاج و التجا اور خدائے تعالیٰ کی جناب میں گریہ و زاری
کرنا ہے۔ وہ عبادات جن سے شرع محمد صلی اللہ علیہ وسلم ناطق ہے اور ان کے ادا
کرنے سے مقصود بندوں کے فائدے اور نفعے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں
ان میں سے کچھ عائد نہیں ہوتا۔ جان سے احسان مند ہو کر ادا کرنی چاہئیں اور
بڑی فرمانبرداری سے اوامر کو بجالانے اور نواہی سے بچنے کی کوشش کرنی
چاہیئے۔ حق تعالیٰ نے باوجود غنی مطلق ہونے کے بندوں کو اوامر و نواہی سے
سرفراز فرمایا ہے۔ ہم محتاجوں کو اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کرنا چاہیئے اور
بڑی احسانمندی سے احکام کے بجالانے میں کوشش کرنی چاہیئے۔

مکتوب ۷۶

دین میں اصل تقویٰ ہے

نجات کا مدار دو چیزوں پر ہے۔ اوامر کا بجالانا اور نواہی سے رک جانا۔
اور ان دو چیزوں میں سے بزرگ تر جزو اخیر ہے جو ورع و تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِبَادَةٍ وَاجْتِهَادٍ وَذُكِرَ آخَرُ بِرِعَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا يُعْدَلُ بِالرِّعَةِ شَيْءٌ يَعْنِي الْوَرَعَ -

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کا ذکر عبادت اور اجتہاد سے کیا گیا تھا۔ اور دوسرے شخص کا ذکر ورع کے ساتھ، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ورع یعنی پرہیز گاری کے برابر کوئی چیز نہیں"

اور نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مِلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ تمہارے دین کا مقصود پرہیز گاری ہے اور انسان کی فضیلت فرشتوں پر اسی جزو سے ثابت ہے اور قرب کے درجوں پر ترقی بھی اسی جزو سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ فرشتے پہلی جزو میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے۔

پس ورع و تقوی کے جزو کا مدنظر رکھنا اسلام کے اصلی مقصودوں اور بڑی ضروریات میں سے ہے۔ یہ جزو کہ جس کا مدار محرمات سے بچنے پر ہے کامل طور پر اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے۔ اور بقدرِ ضرورت مباحات پر کفایت کی جائے۔ کیونکہ مباحات کے اختیار کرنے میں باگ کا ڈھیلا چھوڑنا مشتبہ امور تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے۔

مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ -

"جو شخص چراگاہ کے گرد پھرا قریب ہے کہ اس میں جا پڑے"

پس کمال تقوےٰ کے حاصل ہونے کے لئے بقدرِ ضرورت مباحات پر کفایت کرنا ضروری ہے۔ اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس میں وظائف بندگی کے ادا کرنے کی نیت ہو۔ ورنہ اس قدر بھی وبال ہے اور اس کا قلیل بھی کثیر کا حکم رکھتا ہے اور جب فضول مباحات سے پورے طور پر بچنا تمام اوقات میں اور خاص کر اس وقت بہت ہی دشوار ہے۔ اس واسطے محرمات سے بچ کر حتی المقدور فضول مباحات کے اختیار کرنے کا دائرہ بہت تنگ کرنا چاہیئے اور اس ارتکاب میں ہمیشہ پشیمان ہونا چاہیئے اور توبہ و بخشش طلب کرنی چاہیئے اور اس کو محرمات میں داخل ہونے کا دروازہ جان کر ہمیشہ

حق تعالیٰ کی جناب میں التجا اور گریہ و زاری کرنی چاہیئے۔ شاید کہ ندامت و استغفار اور التجا و تضرع فضول مباحات سے بچنے کا کام کر جائے اور اس کی آفت سے محفوظ کر دے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں :

اِنْکِسَارُ الْعَاصِیْنَ اَحَبُّ مِنْ صَوْلَۃِ الْمُطِیْعِیْنَ۔

" گنہگاروں کی عاجزی فرمانبرداروں کے دبدبہ سے بہتر ہے "

اور محرمات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے۔ ایک وہ قسم ہے جو اللہ تعالےٰ کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہے۔ اور دوسری قسم کی رعایت نہایت ضروری ہے۔ حق تعالےٰ غنی مطلق اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص پر اس کے بھائی کا مالی یا اور کسی قسم کا حق ہے تو اس کو چاہیئے کہ آج ہی اُس سے معاف کرا لے قبل اس کے کہ اُس کے پاس دینار و درہم نہ ہوں۔ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہو گا تو حق تعالےٰ کے موافق لے کر صاحبِ حق کو دیا جائے گا اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحبِ حق کی برائیاں اس کی برائیوں پر زیادہ کی جائیں گی۔

اور نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے، حاضرین نے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و اسباب وغیرہ کچھ نہ ہو۔ تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز و روزہ و زکوٰۃ سب کچھ کر کے آئے۔ مگر ساتھ ہی اس نے اگر کسی کو گالی دی ہو اور کسی کو تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون گرایا ہو اور کسی کو مارا ہو تو اُس کی نیکیوں میں سے ہر ایک حق دار کو اس کے حق کے برابر دی جائیں گی۔ اور اگر اس کی نیکیاں اُن کے حقوق کے برابر نہ ہوئیں تو اُن حق داروں کے گناہ لے کر اس کی بُرائیوں میں شامل کئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے سچ فرمایا ہے۔

☆

مکتوب نمبر ۸۰

فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کا فرقہ ہے

تہتر فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ شریعت کی تابعداری کا مدعی ہے اور اپنی نجات کا دعویٰ کرتا ہے۔ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ اُن کے حال کے شامل ہے۔ لیکن وہ دلیل جو پیغمبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان متعدد فرقوں میں سے ایک فرقہ ناجیہ کی تمیز کے لئے بیان فرمائی ہے یہ ہے :-

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ یعنی وہ ایک فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو اس طریق پر ہیں جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔

اصحاب کا ذکر صاحب الشریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کے کافی ہونے کے باوجود اس مقام میں اسی واسطے ہو سکتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ میرا طریق بعینہ اصحاب کا طریق ہے اور نجات کا راستہ صرف ان کے طریق کی اتباع سے وابستہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ پس رسول اللہ کی اطاعت عین حق ہے اطاعت ہے اور ان کی مخالفت بعینہ حق تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

جن لوگوں نے خدائے تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے برخلاف کیا ہے حق تعالیٰ نے اُن کے حال کی خبر دی ہے اور اُن پر کفر کا حکم لگایا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے :

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۔

"ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسول کے درمیان فرق ڈالیں اور کہتے ہیں کہ بعض کے ساتھ ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض سے ہم انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان رستہ اختیار کرلیں یہی لوگ پکے کافر ہیں"۔

پس مذکورہ بالا صورت میں اصحاب کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کے طریق اور تابعداری کے برخلاف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کا دعوےٰ کرنا باطل اور جھوٹا ہے بلکہ حقیقت میں وہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عین نافرمانی ہے۔ پس اس مخالف طریق میں نجات کی کیا مجال ہے۔ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ عَلٰی شَیْءٍ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ (اور گمان کرتے ہیں یہ کہ وہ اوپر کسی چیز کے ہیں، خبردار رہو تحقیق وہی ہیں جھوٹے) ان کے حال کے موافق ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ فرقہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی تابعداری کو لازم پکڑا ہے اہل سنت وجماعت ہی ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے۔

پس یہی لوگ فرقہ ناجیہ ہیں۔ کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کو طعنہ لگانے والے ان کی اتباع سے محروم ہیں جیسا کہ شیعہ اور خارجیہ اور معتزلہ خود مذہب نیا رکھتے ہیں۔ ان کا رئیس واصل بن عطا، امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہے جو ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرنے کے باعث امامؒ سے جدا ہو گیا اور امامؒ نے اس کے حق میں فرمایا اِعْتَزَلَ عَنَّا ہم سے جدا ہو گیا۔ اسی طرح باقی فرقوں کو قیاس کر لو۔

اور اصحاب کے حق میں طعنہ کرنا درحقیقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ لگانا ہے مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ اصحابہ۔ جس نے اصحابؓ کی عزت وتعظیم نہیں کی وہ رسول اللہ پر ایمان نہیں لایا۔ کیونکہ اُن کا حسد اُن کے صاحب کے حسد تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بُرے اعتقاد سے بچائے اور نیز جو احکام قرآن وحدیث سے ہم تک پہنچتے ہیں وہ انہی کی نقل کے وسیلہ سے ہیں جب یہ مطعون ہوں گے تو ان کی نقل بھی مطعون ہو گی۔ کیونکہ یہ نقل ایسی نہیں کہ بعض کے سوا بعض کے ساتھ مخصوص ہو۔ بلکہ سب کے سب عدل اور صدق اور تبلیغ میں برابر ہیں۔ پس ان میں سے کسی ایک کا طعن دین کے طعن کو مستلزم ہے۔ اللہ تعالےٰ اس سے بچائے۔

اور اگر طعنہ لگانے والے یہ کہیں کہ ہم بھی اصحاب کی متابعت کرتے ہیں۔ یہ لازم

نہیں کہ ہم سب اصحاب کے تابع ہوں بلکہ ان کی راؤں کے متضاد ہونے اور مذہبوں کے اختلاف کے باعث سب کی تابعداری ممکن نہیں تو اس کا جواب ہم کہتے ہیں کہ بعض کی متابعت اس وقت فائدہ مند ہوسکتی ہے جبکہ بعض کا انکار اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ ورنہ بعض کا انکار کرنے سے بعض کی متابعت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلفائے ثلٰثہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی عزت و تعظیم کی ہے اور ان کو اقتدار کے لائق جان کر ان سے بیعت کی ہے۔

پس خلفائے ثلٰثہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا انکار کرنا اور حضرت امیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی متابعت کا دعویٰ کرنا محض افترا ہے۔ بلکہ وہ انکار درحقیقت حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار ہے۔ اور آن کے افعال کا اور اقوال کا صریح رد ہے اور تقیہ کے احتمال کو حضرت اسد اللہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دخل دینا بھی بے وقوفی ہے۔ عقل صحیح ہرگز اس کو جائز نہیں سمجھتی کہ حضرت اسد اللہ رضی اللہ عنہ باوجود کمال معرفت اور شجاعت کے خلفائے ثلٰثہ کے بغض کو تیس سال تک پوشیدہ رکھیں اور آن کے برخلاف کچھ ظاہر نہ کریں اور منافقانہ صحبت آن کے ساتھ رکھیں۔ حالانکہ کسی ادنیٰ مسلمان سے اس قسم کا نفاق متصور نہیں ہوسکتا۔ اس فعل کی برائی کو معلوم کرنا چاہیئے کہ حضرت امیرؓ کی طرف کس قسم کی خرابی اور فریب منسوب ہوتا ہے۔

اور اگر بفرض محال حضرت اسد اللہؓ کے حق میں تقیہ جائز بھی سمجھیں تو وہ تعظیم و توقیر جو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے ثلٰثہ کی کرتے تھے اور ابتدا سے انتہا تک ان کو بزرگ جانتے رہے ہیں اس کا کیا جواب دیں گے؟ وہاں تقیہ کی گنجائش نہیں۔ حق امر کی تبلیغ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر واجب ہے۔ وہاں تقیہ کو دخل دینا زندقہ تک پہنچا دیتا ہے۔

مکتوب ۸۲

فناء کا مفہوم حقیقی

حق تعالیٰ سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل جو میلانِ چشم سے پاک ہیں ہمیشہ

اپنے ساتھ رکھے اور اپنے غیر کے حوالہ نہ کرے۔ جو کچھ ہم پر اور تم پر لازم ہے حق تعالیٰ کے غیر سے دل کو سلامت رکھنا ہے۔ اور یہ سلامتی اُس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ ماسوے اللہ کا دل پر عبور نہ رہے۔ اور ماسوے اللہ کا دل پر نہ گذرنا ماسوی اللہ کے نسیان پر وابستہ ہے جس کی تعبیر اس گروہ کے نزدیک فنا سے تعبیر کی گئی ہے اور اگر بالفرض تکلف کے ساتھ بھی غیر کو دل میں گزاریں تو ہر گز نہ گزرے جب تک کام اس درجے تک نہ پہنچے دل کی سلامتی محال ہے۔ آج کل یہ نسبت کوہ قاف کے عنقا کی طرح نایاب ہے بلکہ اگر بیان کی جائے تو کوئی اس کی طرف توجہ نہیں کرتا اور نہ کوئی اس کا یقین کرتا ہے ؎

هَنِيْـئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا

وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ: مبارک منعموں کو مال و دولت — مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام اوّلاً و آخراً

مکتوب ۸۳

شریعت و طریقت کو جمع کر لینا اکسیر نایاب ہے

حق تعالیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل مختلف تعلقات سے نجات بخش کر بالکل اپنی جناب کا گرفتار کر لے ؎

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است — گر شکر خوردن بود جان کندن است

ترجمہ: سوائے عشق حق جو کچھ کہ ہے ہر چند احسن ہے — شکر کھانا بھی گر ہووے عذاب جان کندن ہے

ظاہر کو شریعت روشن سے آراستہ کرنا اور باطن کو ہمیشہ حق جل شانہ کے ساتھ رکھنا بڑا کام ہے۔ دیکھئے کس نیک بخت کو ان دو بڑی نعمتوں سے مشرف فرماتے ہیں۔ آج ان دونوں نسبتوں کا جمع کرنا بلکہ صرف ظاہر شریعت پر استقامت کرنا بھی بہت مشکل ہے اور سرخ گندھک یعنی اکسیر سے زیادہ نایاب ہے۔ حق تعالیٰ اپنے کمال کرم سے سید اوّلین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر ظاہری باطنی استقامت عطا فرمائے۔

مکتوب ۸۵

نماز با جماعت باخشوع کا اہتمام اور مالداروں کی صحبت سے اجتناب

آدمی کے لئے جس طرح اعتقادوں کا درست کرنا ضروری ہے۔ ویسے ہی اعمالِ صالحہ کا بجالانا ضروری ہے اور سب عبادتوں سے جامع اور سب طاعتوں سے زیادہ مقرب نماز کا ادا کرنا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ فَمَنْ اَقَامَہَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَہَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ۔

(متفق علیہ)

"نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم کیا اُس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو ترک کیا اُس نے دین کو گرا دیا۔ اور جس کسی کو ہمیشہ کے لئے نماز کے ادا کرنے کی توفیق بخشیں اس کو بُرائیوں اور بے حیائیوں سے ہٹا رکھتے ہیں"

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ۔ اسی بات کی مؤید ہے اور جو نماز ایسی نہیں ہے وہ صرف صورت نماز کی ہے جس میں حقیقت کچھ نہیں۔ لیکن حقیقت کے حاصل ہونے تک صورت کو بھی نہ چھوڑنا چاہیئے۔ مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ وہ اکرم الاکرمین اگر صورت حقیقت کے ساتھ اعتبار کرے تو اُس سے کچھ دور نہیں ہے۔

پس آپ پر واجب ہے کہ ہمیشہ نماز کو جماعت کو ساتھ خشوع اور خضوع سے ادا کریں کیونکہ نجات اور خلاصی کا یہی سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ۔

"تحقیق خلاصی پائی اُن لوگوں نے جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں"۔
بہادری وہی ہے جو خطرے کے وقت کی جائے۔ سپاہی دشمن کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑا بھی تردد کرتے ہیں تو بڑا اعتبار پیدا کرتا ہے۔ جوانوں کی نیکی بھی اسی واسطے زیادہ اعتبار رکھتی ہے کہ باوجود غلبہ شہوت نفسانی کے اپنے آپ کو نیک کام میں لگایا ہے۔ اصحاب کہف نے اس قدر بزرگی صرف ایک ہی عمل یعنی دین کے مخالفوں سے ہجرت کرنے کے باعث حاصل کی۔ اور حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے: عِبَادَۃٌ فِی الھرج کھجرۃ اِلَیَّ۔ ہرج میں عبادت کرنا گویا میری طرف ہجرت کرنا ہے۔ پس منافی حقیقت میں عین باعث[1] ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔

فرزندی شیخ بہاؤالدین کو فقراء کی صحبت پسند نہیں آتی۔ دولتمندوں اور مالداروں کی طرف مائل ہے اور ان میں رلا ملا رہتا ہے اور نہیں جانتا کہ ان کی صحبت زہر قاتل ہے اور ان کے چرب لقمے سیاہی بڑھانے والے ہیں۔ ان سے بچیو بچیو۔

حدیث صحیح میں وارد ہے:

مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِیٍّ لِغِنَائِہٖ ذَھَبَ ثُلُثَا دِیْنِہٖ فَوَیْلٌ لِمَنْ تَوَاضَعَھُمْ لِغِنَائِھِمْ۔

"جس نے کسی دولت مند کی اُس کی دولت کے باعث تواضع کی اُس کے دین کے دو حصے چلے گئے"۔

پس افسوس ہے اس شخص پر جس نے اُن کی دولت مندی کے سبب اُن کی تواضع کی۔ اللہ تعالیٰ ان سے بچنے کی توفیق بخشے"۔

مکتوب ۸۸

جوانی میں خوف اور بڑھاپے میں امید غالب ہونی چاہیے

یہ کس قدر اعلیٰ نعمت ہے کہ کوئی شخص ایمان اور نیکی کے ساتھ اپنے سیاہ بالوں کو سفید کرلے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

[1] ابھارنے والا۔

مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ غُفِرَلَهٗ۔

"جو اسلام میں بوڑھا ہوا وہ بخشا جائے گا"۔

اُمید کی جانب کو ترجیح دیں اور مغفرت کا ظن غالب رکھیں کہ جوانی میں خوف زیادہ درکار ہے اور پیری میں رجا زیادہ غالب چاہیئے۔

والسلام اولاً و آخراً

مکتوب ۸۹

ایک تعزیت نامہ

آدمی کو کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر نفس موت کا مزا چکھنے والا ہے) کے موافق موت سے چارہ نہیں ہے۔ لیکن وہ شخص کیسا ہی مبارک ہے جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے نیک عمل بہت ہوئے۔ یہی موت ہے جس سے مشتاقوں کو تسلی دیتے ہیں اور اس کو ایک دوست کا دوسرے دوست کے پاس پہنچنے کا وسیلہ بناتے ہیں۔ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ۔ جو شخص اللہ تعالے کا دیدار کو چاہتا ہے تو اللہ کا وعدہ آنے والا ہے۔ ہاں پیچھے رہنے والوں اور گرفتاروں کا حال مطلب یافتہ اور آزادوں کی حضور کی دولت کے بغیر خراب و ابتر ہے۔ آپ کے ولی نعمت مرحوم کا وجود اس وقت بہت غنیمت تھا۔ اب آپ پر لازم ہے کہ احسان کے بدلے احسان کریں اور دُعا و صدقہ سے ہر گھڑی اُن کی مدد کریں۔

فَاِنَّ الْمَيِّتَ كَالْغَرِيْقِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ صَدِيْقٍ۔

"کیونکہ میت غریق کی طرح ہوتی ہے اور دُعا کی منتظر رہتی ہے جو اُسے باپ یا ماں یا دوست کی طرف سے آئے"۔

اور نیز چاہیئے کہ اُن کے مرنے سے اپنی موت کی عبرت پکڑیں اور ہمہ تن اپنے آپ کو اللہ کی مرضیات میں سپرد کر دیں اور دُنیا کی زندگانی کو دھوکے اور فریب کا اسباب سمجھیں۔ اگر دُنیاوی عیش و آرام کا اعتبار ہوتا تو کفار بدکار کو بال بھر بھی نہ دیتے۔

مکتوب نمبر ۹۰

نقشبندیہ کے فضائل

آپ کا بزرگ محبت نامہ مع نفیس تحفوں کے وصول ہُوا۔ آپ نے بڑا کرم کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ وہ نصیحت جو محبوں اور دوستوں کو کی جاتی ہے، سب یہی ہے کہ پورے طور پر اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ میسّر ہو جائے اور ماسوائے حق سے روگردانی حاصل ہو جائے۔ ع

کار ایں است غیر ازیں ہمہ ہیچ

آج اس دولت کا حاصل ہونا اس طریقہ علیہ نقشبندیہ کے ساتھ توجہ اور اخلاص پر وابستہ ہے۔ بڑی بڑی سخت ریاضتوں اور مجاہدوں سے اس قدر حاصل نہیں ہوتا، جو اُن بزرگواروں کی ایک ہی صُحبت سے حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں کے طریق میں نہایت ابتدا میں درج ہے۔ پہلی صحبت میں وہ کچھ بخش دیتے ہیں جو دوسرے طریقہ کے منتہیوں کو نہایت میں جا کر حاصل ہوتا ہے اور ان بزرگواروں کا طریق اصحابؓ کرام کا طریق ہے۔ ان کو خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ہی صحبت میں وہ کمالات حاصل ہو جاتے تھے جو اولیائے اُمّت کو نہایت میں شاید ہی میسّر ہوں اور یہی ابتدا میں انتہا کے درج ہونے کا طریق ہے۔ پس آپ پر ان بزرگواروں کی محبت واجب ہے۔ کیونکہ اصل مقصود یہی ہے۔

مکتوب نمبر ۹۱

دین میں عقائد، فقہ اور تصوف کی ترتیب

اصل مطلب یہ ہے کہ اول فرقہ ناجیہ اہلسنت وجماعت کے علماء کی رائے کے موافق عقائد کو درست کرنا چاہیئے۔ پھر احکام فقہیہ کے موافق علم و عمل حاصل کرنا چاہیئے۔ ان دو اعتقادی و عملی پروں کے حاصل کرنے کے بعد عالم قدس کی طرف پروانہ

کرنے کا ارادہ کرنا چاہیئے۔ ع

کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ

شریعت کے اعمال اور طریقت وحقیقت کے احوال سے مقصود نفس کا پاک کرنا اور دل کا صاف کرنا ہے۔ جب تک نفس پاک اور دل تندرست نہ ہو جائے ایمان حقیقی جس پر نجات کا مدار ہے حاصل نہیں ہوتا۔ اور دل کی سلامتی اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ حق تعالےٰ کا غیر ہرگز دل پر نہ گزرے۔ اگر ہزار سال گزر جائیں تو بھی دل میں غیر کا گزر نہ ہو۔ کیونکہ اس وقت دل کو نسیان ماسواء پورے طور پر حاصل ہوا ہے۔ اور اگر تکلیف سے بھی اس کو یاد دلائیں تو یاد نہ کرے۔ یہ حالت فنا سے تعبیر کی گئی ہے اور اس راہ میں یہ پہلا قدم ہے۔ وَدُوْنَهٗ خَرْطُ الْقَتَادِ۔ اور اس کے سوا بے فائدہ تکلیف ہے۔

مکتوب ۹۲

دل کی طمانینت ذکر اللہ میں ہے

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ خبردار اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان حاصل کرتا ہے۔ دل کے اطمینان کا طریق اللہ کا ذکر ہے نہ نظر و استدلال ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود | پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

ترجمہ: چوب کے پاؤں ہیں استدلال کے | ایسے پاؤں کب ہیں استقلال کے

کیونکہ ذکر میں حق تعالےٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ ذاکر اس پاک جناب کے ساتھ کچھ نسبت نہیں رکھتا ہے

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

لیکن ذاکر مذکور کے درمیان ایک قسم کا علاقہ پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا سبب ہو جاتا ہے اور جب محبت غالب ہوگئی تو پھر اطمینان کے سوا کچھ نہیں۔ جب کام دل کے اطمینان تک پہنچ گیا تو ہمیشہ کی دولت حاصل ہوگئی۔

مکتوب ۹۳

نماز باجماعت اور ذکر کا اہتمام

پنجوقتی نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے اور سنّت مؤکدہ کو بجالانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی میں صرف کرنا چاہیئے اور اس کے سوا کسی چیز میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔ یعنی کھانے سونے اور آنے جانے میں غافل نہ ہونا چاہیئے۔ ذکر کا طریق آپ کو سکھلایا ہُوا ہے۔ اسی طریق پر استعمال کریں۔ اور اگر جمعیت میں فتور معلوم کریں تو پہلے فتور کا باعث دریافت کرنا چاہیئے۔ اور پھر اس کوتاہی کا تدارک کرنا چاہیئے اور بڑی عاجزی اور زاری سے حق تعالےٰ کی جناب کی طرف متوجہ ہو کر اس ظلمت کے دُور ہونے کی دُعا مانگنی چاہیئے اور جس شیخ سے ذکر سیکھا ہے اُسی کو وسیلہ بنانا چاہیئے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُیَسِّرُ کُلَّ عَسِیْرٍ۔

"حق تعالےٰ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔"

مکتوب ۹۴

تصوّف سے پہلے عقائد اور احکامِ فقہ درست کرنے لازمی ہیں

جو کچھ ضروری ہے یہ ہے کہ اول فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے عقائد کے موافق اپنے عقائد کو درست کریں۔ اور پھر احکام فقہی از قسم فرض وسنت و واجب و مستحب وحلال وحرام ومکروہ ومشتبہ جاننے کے بعد ان کے موافق عمل بجا لائیں۔ جب یہ اعتقادی اور عملی دو پر حاصل ہو گئے اور اللہ تعالےٰ کی توفیق نے مدد کی تو عالم حقیقت کی طرف پرواز کر سکتے ہیں۔ ورنہ ان دو بازوؤں کے حاصل ہونے کے بغیر عالم حقیقت تک پہنچنا محال ہے۔

⁂

مکتوب ۹۶

نماز، زکوٰۃ، اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام

اے فرزند! آج فرصت کا وقت ہے اور جمعیت کے اسباب سب مہیا ہیں۔ توقف اور تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔ بہتر وقت کو جو جوانی کا وقت ہے بہتر عملوں میں جو مولے کی اطاعت و عبادت ہے صرف کرنا چاہیئے۔ اور محرمات و مشتبہات سے بچ کر پنج وقتی نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ نصاب کے ہونے پر زکوٰۃ کا ادا کرنا ضروریات اسلام سے ہے۔ اس کو بھی رغبت اور منت سے ادا کرنا چاہیئے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے تمام دن رات میں پنج وقت عبادت کے لئے مقرر کئے ہیں اور بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے چارپاؤں سے چالیسواں حصہ تحقیقاً اور تقریباً فقراء کے لئے مقرر فرمایا ہے اور مباحات خرچوں کا میدان فراخ کر دیا ہے تو پھر کس قدر ناانصافی ہے کہ دن رات کی ساٹھ گھڑیوں میں سے دو گھڑی بھی حق تعالےٰ کی بندگی میں صرف نہ ہوں اور چالیس حصّوں میں سے ایک حصہ بھی فقراء کو ادا نہ کیا جائے۔ اور مباحات کے وسیع دائرہ سے نکل کر محرمات اور مشتبہات میں جا پڑیں۔

جوانی کے وقت جبکہ نفس امارہ اور شیطان لعین کا غلبہ ہے تھوڑے عمل کو بہت سے اجر کے عوض قبول کرتے ہیں اور کل جبکہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں گے اور حواس اور قوتیں سست ہو جائیں گی اور جمعیت کے اسباب پراگندہ ہو جائیں گے تو سوائے ندامت و پریشانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا اور ممکن ہے کہ کل تک مہلت نہ دیں اور ندامت و پشیمانی کا موقع بھی جو ایک قسم کی توبہ ہے ہاتھ نہ آئے اور ہمیشہ کا عذاب جس کی نسبت پیغمبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے خبر دی ہے اور گنہگاروں کو اس سے ڈرایا ہے در پیش ہے۔ اس میں کچھ خلاف نہیں ہے۔ آج شیطان اللہ تعالیٰ کے کرم پر مغرور کر کے سستی میں ڈالتا ہے اور اُس کی عفو کا بہانہ بنا کر گناہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ دُنیا آزمائش اور ابتلاء کا مقام ہے۔ اس میں دشمن و دوست دونوں کو ملایا ہوا ہے اور دونوں کو رحمت میں شامل کیا ہے۔ وَسِعَتۡ رَحۡمَتِیۡ کُلَّ شَیۡءٍ (میری رحمت نے سب چیزوں کو گھیر لیا ہے) اسی بات پر شامل ہے۔ لیکن قیامت کے دن دشمن کو دوست سے جدا کردیں گے۔ وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ (اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ) اسی مضمون کی خبر دیتی ہے۔ اس وقت رحمت کا قرعہ دوستوں کے نام ڈالیں گے اور دشمنوں کو محروم مطلق اور لعنت کا مستحق فرمائیں گے۔

فَسَاَکۡتُبُهَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ۔
"میں اُن کے لئے لوگوں کے لئے لکھوں گا جو مجھ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور میری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں"۔

اسی مطلب کا گواہ ہے یعنی میں رحمت کو ان لوگوں کے لئے ثابت کروں گا جو کفر و معاصی سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ پس کرم و رحمت آخرت میں نیکوکار اور پرہیز گار مسلمانوں کے لئے۔ ہاں مطلق اہلِ اسلام کے لئے بھی خاتمہ بالخیر ہونے پر رحمت کا کچھ حصہ ہے۔ اگرچہ بے شمار زمانوں کے بعد دوزخ کے عذاب سے نجات پائیں گے۔ لیکن گناہوں کی سیاہی اور آسمانی نازل ہوئے احکام کی پرواہ نہ کرنا نورِ ایمان کو کب سلامت لے جانے دیتا ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار کرنا کفر تک لے جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ بچائے ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ ؎
غم دل اس لئے تھوڑا کہا ہے تجھ سے اے مشفق
کہ آزردہ نہ ہو جائے بہت سُن سُن کے دل تیرا

حق تعالےٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل اپنی مرضیات و پسندیدہ کاموں کی توفیق دے۔

❁

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا اَىِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صُوْرَةً اٰمِنُوْا بِاَدَاءِ الْوَظَآئِفِ الْمَامُوْرَةِ -

"اے ایمان والو! پھر ایمان لاؤ- یعنی اے لوگو! جو ظاہر ایمان لائے ہو، وظائف ماموره کے ادا کرنے پر ایمان لاؤ۔"

اور فناء و بقاء سے کہ جس کے حاصل ہونے سے مراد ولایت ہے صرف یہی یقین مقصود ہے۔ اور اگر فنا فی اللہ اور بقاء باللہ سے کچھ اور معنی مراد لیں جن سے حالّیت اور محلّیت یعنی حلول کا وہم پڑتا ہو۔ تو عین الحاد اور زندقہ ہے۔ غلبہ حال و سکر میں ایسی ایسی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں جن سے آخر گزرنا پڑتا ہے اور توبہ کرنی پڑتی ہے۔

ابراہیم بن شیبان جو مشائخ طبقات قدس سرہم میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ فناء و بقاء کا علم وحدانیت کے اخلاص اور عبودیت کی صحت کے گرد پھرتا ہے اور اس کے سوا سب مغالطہ اور زندقہ ہے۔ اور بیشک سچ فرماتے ہیں۔ اور یہ کلام اُن کی استقامت کی خبر دیتی ہے۔ فنا فی اللہ خدائے تعالیٰ کی مرضیات میں فانی ہونے سے مراد ہے اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ وغیرہ اسی قیاس پر ہیں۔

مکتوب ۹۸

نرمی، حیاء، حلم اور حقوق العباد سے متعلق بعض اہم احادیث اور کلماتِ نصیحت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں جو وعظ و نصیحت کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں لکھی جاتی ہیں۔ حق تعالےٰ ان کے موافق عمل نصیب کرے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُّحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِىْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِىْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِىْ عَلٰى مَا سِوَاهُ -

(رواه مسلم)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ نرمی والا ہے نرمی کو دوست رکھتا ہے اور نرمی پر وہ کچھ دیتا ہے جو سختی اور اس کے سوا اور چیز پر نہیں دیتا۔"

اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے:-

قَالَ لِعَائِشَةَ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا نرمی کو لازمی پکڑ اور درشت خوئی اور بدزبانی سے بچ، کیونکہ نرمی جس چیز میں ہو اُس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے نکل جائے اُس کو عیب ناک کر دیتی ہے۔"

وَقَالَ أَيْضًا عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ۔

"جو نرمی سے محروم رہا وہ سب نیکی سے محروم رہا۔"

وَقَالَ أَيْضًا عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا۔

"تم میں سے زیادہ اچھا میرے نزدیک وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔"

اور نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:-

مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

"جس کو نرمی کا کچھ حصہ دیا گیا اس کو دُنیا و آخرت کی بھلائی کا حصہ مل گیا۔"

اور نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَيَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ اَلْمُؤْمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ كَالْجَمَلِ الْاَنِفِ إِنْ قِيْدَ انْقَادَ وَإِنِ اسْتُنِيْخَ عَلٰى صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ

اللہ تعالیٰ علیٰ رؤسِ الخلائقِ یومَ القیمۃِ حتّٰی یُخیّرہٗ فی ایِّ الحورِ شاءَ۔

" حیا ایمان سے ہے اور اہلِ ایمان جنت میں ہے اور بکواس جفا ہے اور جفا دوزخ میں ہے اور اللہ تعالےٰ بے حیا بکواسی کو دشمن جانتا ہے۔ کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ آگ دوزخ کی کس پر حرام ہے؟ ہر ایک نرم اور متواضع قریب سہل پر، مومن سب نرم اور تواضع کرنے والے ہیں۔ ناک میں مہار ڈالے ہوئے اونٹ کی طرح۔ اگر اس کو ہانکا جائے تو چل پڑے اور اگر اُس کو پتھر پر بٹھائیں تو بیٹھ جائے۔ جس نے غصہ کو پی لیا اور حالانکہ وہ اُس کے جاری کرنے پر قابو رکھتا ہے۔ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اُس کو سب خلقت کے سامنے بلائے گا تا کہ اُس کو اختیار دے کہ جس حور کو چاہتا ہے پسند کر لے۔"

وَاِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ الْجَنَّۃِ کُلُّ ضَعِیْفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ النَّارِ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَکْبِرٍ۔ اِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ قَائِمٌ فَلْیَجْلِسْ فَاِنْ ذَھَبَ عَنْہُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْیَضْطَجِعْ۔ اِنَّ الْغَضَبَ لَیُفْسِدُ الْاِیْمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ فَھُوَ فِیْ نَفْسِہٖ صَغِیْرٌ وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ وَمَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَہُ اللّٰہُ فَھُوَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ صَغِیْرٌ وَفِیْ نَفْسِہٖ کَبِیْرٌ حَتّٰی لَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْھِمْ مِنْ کَلْبٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ۔

"ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے وصیت کریں۔ آپ نے فرمایا غصہ مت کر۔ اُس نے پھر عرض کی۔ پھر بھی آپ نے فرمایا کہ غصہ مت کیا کر! کیا میں آپ کو اہلِ جنت کی نسبت خبر نہ دوں، وہ ضعیف اور عاجز ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ پر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اُس کی قسم کو سچا کر دے۔ اور میں کیا تم کو اہلِ دوزخ کی خبر نہ دوں، وہ سرکش، اکڑنے والا متکبر ہے؟ جب تم میں سے کسی

کو غصہ آئے، اگر وہ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے۔ پس اگر اُس کا غصہ
دُور ہو گیا تو بہتر ورنہ اُسے چاہیئے کہ لیٹ جائے۔ کیونکہ غضب
ایمان کو ایسا بگاڑ دیتا ہے جیسے مصبر شہد کو بگاڑ دیتا ہے جس نے
اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کی، اس کو اللہ پاک بلند کرتا ہے۔ پس وہ
اپنے نفس میں حقیر اور لوگوں کی آنکھوں میں بڑا ہوتا ہے اور جس نے
تکبّر کیا، اللہ اُس کو پست کرتا ہے۔ پس وہ لوگوں کی آنکھوں میں
حقیر اور اپنے نفس میں بڑا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے
نزدیک کُتّے اور سوّر سے بھی زیادہ خفیف ہو جاتا ہے"۔

حضرت موسیٰ بن عمران علیٰ نبیّنا علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے عرض کی یارب تیرے
بندوں میں سے تیرے نزدیک زیادہ عزیز کون ہے؟ فرمایا وہ شخص جو باوجود
قادر ہونے کے معاف کر دے۔

وَقَالَ اَیْضًا عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ رَدُّ التَّحِیَّۃِ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهٗ
سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ کَفَّ غَضَبَهٗ کَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ وَمَنِ اعْتَذَرَ قَبِلَ اللّٰهُ تَعَالٰی عُذْرَهٗ۔

"جس نے اپنی زبان کو بند رکھا اللہ تعالیٰ اُس کی شرمگاہ کو ڈھانپتا
ہے، اور جس نے غصّہ کو روکا اللہ تعالےٰ قیامت کا عذاب اُس
سے روک لے گا۔ اور جس نے عُذر قبول کیا، اللہ تعالےٰ اُس کے
عُذر کو قبول کرے گا"۔

وَقَالَ اَیْضًا عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ کَانَتْ لَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِیْهِ
مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَیْءٍ فَلْیَتَحَلَّلْ مِنْهُ الْیَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَا
یَکُوْنَ دِیْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ اِنْ کَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ
بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ
سَیِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَیْهِ۔

"جس شخص پر کسی اپنے بھائی کا کوئی مالی یا اور کوئی حق ہے تو اُسے
چاہیئے کہ آج ہی اس سے معاف کرا لے۔ پیشتر اس سے کہ اُس

کے پاس کوئی درہم و دینار نہ ہوگا۔ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اُس کے حق کے موافق لیا جائے گا۔ اور اگر کوئی نیکی نہ ہوگی تو صاحبِ حق کی برائیاں لے کر اُس کی برائیوں میں اور زیادہ کی جائیں گی "

وَقَالَ اَيْضًا عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ الْمُفْلِسُ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَيَاْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ یاروں نے عرض کی ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و اسباب کچھ نہ ہو۔ آپ نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ زکوٰۃ سب کچھ کر کے آئے اور ساتھ ہی اُس کے اُس نے کسی کو گالی دی ہے اور کسی کا مال کھایا ہے اور کسی کو تہمت لگائی ہے اور کسی کا خون گرایا ہے اور کسی کو مارا ہے۔ پس اُس کی نیکیوں میں سے ہر ایک کو دی جائیں گی۔ پس اگر حق ادا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو حق داروں کے قصور لے کر اُس کے گناہوں میں اور زیادہ کئے جائیں گے اور پھر اُس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا "

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کی طرف لکھا کہ میری طرف کچھ لکھ کر جس میں تو مجھے وصیت کرے لیکن بہت نہ ہو مختصر ہو پس انہوں نے یہ لکھا :- سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۔ اَمَّا بَعْدُ ! فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ (صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)۔

"آپ پر سلام ہو۔ اس کے بعد واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ جو شخص لوگوں کے غصہ کے مقابلہ میں اللہ تعالےٰ کی رضامندی چاہے، اللہ تعالےٰ اس کو لوگوں کی تکلیف سے بچائے رکھتا ہے رکھتا ہے۔ اور جس شخص نے اللہ تعالےٰ کی ناراضگی کے مقابلے میں لوگوں کی رضامندی چاہی اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے حوالہ کر دیتا ہے اور تجھ پر سلام ہو۔ (سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے")

حق تعالےٰ ہم کو اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے جو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ والسلام

یہ حدیثیں اگرچہ بغیر ترجمہ کے لکھی گئی ہیں لیکن شیخ جیو کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے معنی سمجھ لیں۔ اور کوشش کریں کہ ان کے موافق عمل نصیب ہو جائے۔ دُنیا کا بقا بہت تھوڑا ہے اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور دائمی ہے۔ عقل دور اندیش سے کام لینا چاہیئے اور دُنیا کی طراوت اور حلاوت پر مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ اگر دُنیا کے باعث کسی کی عزت و آبرو ہوتی تو کفار دُنیا دار سب سے زیادہ عزت والے ہوتے۔ اور دُنیا کے ظاہر پر فریفتہ ہونا بیوقوفی ہے۔ چند روزہ فرصت کو غنیمت جاننا چاہیئے اور اللہ تعالےٰ کے پسندیدہ کاموں میں کوشش کرنی چاہیئے اور خلقِ خدا پر احسان کرنا چاہیئے۔ اللہ کے امر کی تعظیم کرنا اور خلقِ خدا پر شفقت کرنا آخرت کی نجات کے لئے دو بڑے رُکن ہیں۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ فرمایا ہے حقیقتِ حال کے مطابق ہے بیہودہ اور بکواس نہیں ہے۔ یہ خوابِ خرگوش کب تک؟ آخر رسوائی اور خواری اُٹھانی پڑے گی۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے:۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ۔

"کیا تم نے خیال کیا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہ پھرو گے"

اگرچہ معلوم ہے کہ تمہارا وقت اس قسم کی باتیں سُننے کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ جوانی کا آغاز ہے اور دنیوی عیش و آرام سب موجود۔ اور خلقت پر

غلبہ اور حکومت حاصل ہے۔ لیکن آپ کے حال پر شفقت اس گفتگو کا باعث ہوئی ہے۔ ابھی کچھ نہیں گیا۔ توبہ و انابت کا وقت ہے۔ اس لئے اطلاع دینا ضروری ہے۔ ع

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

ترجمہ:- سُنے کوئی اگر میری فقط اک حرف کافی ہے

والسّلام اوّلاً و آخراً۔

مکتوب نمبر ۱۰۲

سُودی قرض میں سب کا سب روپیہ حرام ہے

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی تحقیق مکتوب نمبر ۱۰۲ دفتر اول ص ۲۰۷ تا ۲۱۱۔

مکتوب نمبر ۱۰۱

عافیت کا مطلب

حق تعالیٰ عافیت سے رکھے۔ آپ کے لئے وہ عافیت طلب کی جاتی ہے کہ ایک بزرگ ہمیشہ دُعا کرتا تھا اور ایک دن کی عافیت کی آرزو کرتا تھا۔ ایک شخص نے اُس بزرگ سے پوچھا کہ یہ سب کچھ جو تو گزارتا ہے کیا عافیت نہیں ہے؟ اُس نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن صبح سے لے کر شام تک حق تعالےٰ کی نافرمانی کا مرتکب نہ ہوں۔

مکتوب نمبر ۱۰۵

پہلے امراضِ قلبیہ دُور ہوں تو پھر نفلی عبادت مؤثر ہوتی ہے

جب حکماء کے نزدیک مقرر ہے کہ مریض جب تک بیماریوں سے تندرست

نہ ہو جائے کوئی غذا اُسے فائدہ نہیں دیتی اگرچہ مُرغ بریاں ہو۔ بلکہ غذا اس صورت میں مریض کو بڑھا دیتی ہے ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود

ترجمہ:۔ علتی جو کچھ کرے علت ہی ہے

پس پہلے اُس کی مرض کے دور کرنے کا فکر کرتے ہیں بعد ازاں مناسب غذاؤں کے ساتھ آہستہ آہستہ اس کو اصلی قوت کی طرف لاتے ہیں۔

پس آدمی جب تک مرض قلبی میں مبتلا ہے فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ کوئی عبادت و طاعت اس کو فائدہ نہیں دیتی بلکہ اس کے لئے مضر ہے۔ رُبَّ تَالٍ لِلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ۔ بعض لوگ قرآن اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے۔ حدیث مشہور ہے:۔

وَرُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالظَّمَاءُ ۔

"بعض روزہ دار ایسے ہیں کہ سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ اُن کے نصیب نہیں ہوتے"۔ خبر صحیح ہے۔

دلی امراض کا علاج کرنے والے یعنی مشائخ بھی اول مرض کے دور کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور اس مرض سے مراد ماسوائے حق کی گرفتاری ہے بلکہ اپنے نفس کی گرفتاری ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے، اگر فرزند کو دوست رکھتا ہے تو اپنے لئے۔ اور اگر مال و ریاست و حُبِّ جاہ ہے تو اپنے لئے۔

پس در حقیقت اس کا معبود اس کی اپنی نفسانی خواہش ہے۔ پس جب تک نفس اس قید سے خلاص نہ ہو جائے تب تک نجات کی اُمید مشکل ہے۔

پس دانشمند علماء اور صاحبِ بصیرت حکماء پر اس مرض کے دُور کرنے کا فکر لازم ہے ع

درخانہ اگر کس است یک حرف بس است

ترجمہ:۔ اگر کوئی سُنے میری تو بس اک حرف کافی ہے

مکتوب ۱۰۷

کراماتِ اولیاء کے بارے میں تحقیقِ نفیس

خط مرسلہ جو چند سوالوں پر مشتمل تھا پہنچا۔ اگرچہ اس قسم کے سوال جن میں طعن وتعصب کی ملاوٹ ہو۔ جواب کے لائق نہیں ہیں۔ لیکن فقیر اس سے قطع نظر کر کے جواب دینے میں پیش دستی کرتا ہے۔ اگر ایک کو نفع نہ دیں تو شاید کسی اور ہی کو فائدہ بخشیں۔

پہلا سوال یہ تھا کہ کیا باعث ہے کہ اولیائے متقدمین سے کرامات اور خرق عادات بہت ظاہر ہوتے تھے اور اس زمانہ کے بزرگوں سے کم ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر اس سوال سے مقصود خرق عادات کے کم ہونے کے باعث اس وقت کے بزرگوں کی نفی ہے۔ جیسے کہ عبارت کے مضمون سے صاف ظاہر ہے تو اس قسم کے شیطانی ڈھکوسلوں سے اللہ تعالےٰ کی پناہ۔

خرق عادات کا ظاہر ہونا ولایت کے ارکان میں سے نہیں۔ اور نہ ہی اس کے شرائط میں سے ہے، برخلاف معجزہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ مقام نبوت کے شرائط میں سے ہے۔ لیکن خوارق کا ظہور جو اولیاء اللہ سے شائع و ظاہر ہے بہت کم ہے جو خلاف واقع ہو۔ لیکن خوارق کا کثرت سے ظاہر ہونا، افضل ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ وہاں قرب الٰہی کے درجات کے اعتبار سے فضیلت ہے۔ ممکن ہے کہ ولی اقرب سے بہت کم خوارق ظاہر ہوں اور ولی بعید سے بہت۔

وہ خوارق جو اس امت کے بعض اولیاء سے ظاہر ہوئے ہیں۔ اصحاب کرام رضؓ سے ان کا سواں حصہ بھی ظہور میں نہیں آیا۔ حالانکہ اولیاء میں سے افضل ولی ایک ادنیٰ صحابیؓ کے درجے کو نہیں پہنچتا۔

خوارق کے ظہور پر نظر رکھنا کوتاہ نظری ہے اور تقلیدی استعداد کے کم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ نبوت و ولایت کے فیض قبول کرنے کے لائق وہ لوگ ہیں جن میں تقلیدی استعداد ان کی قوت نظری پر غالب ہو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تقلیدی استعداد کے قوی ہونے کے باعث نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق میں ہرگز دلیل کے محتاج نہ ہوئے۔ اور ابوجہل لعین اسی استعداد کے کم ہونے کے باعث اس قدر کثرت سے آیاتِ ظاہرہ اور معجزاتِ غالبہ ظاہر ہونے کے باوجود نبوّت کی دولت کے اقرار سے مشرف نہ ہُوا۔

حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ ان بدنصیبوں کے حق میں فرماتا ہے :۔

وَاِنۡ یَّرَوۡا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡا بِہَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡکَ یُجَادِلُوۡنَکَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۔

"اور اگر دیکھیں سب نشانیاں نہ ایمان لائیں ساتھ اُن کے یہاں تک کہ جب آویں تیرے پاس جھگڑتے تجھ سے کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہوئے نہیں یہ مگر کہانیاں پہلوں کی "۔

باوجود اس کے ہم کہتے ہیں کہ اکثر متقدمین میں سے ساری عمر میں پانچ یا چھ خوارق سے زیادہ نقل نہیں کئے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ جو سیدالطائفہ ہیں معلوم نہیں کہ اُن سے دس خوارق بھی سرزد ہوئے ہوں۔ اور حق تعالےٰ اپنے کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال سے ایسی خبر دیتا ہے :۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی تِسۡعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۔

"ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو روشن معجزے دیئے "۔

اور یہ کہاں سے معلوم ہُوا کہ اس وقت کے مشائخ سے اس قسم کے خوارق ظہور میں نہیں آتے بلکہ اولیاء اللہ سے خواہ متقدم ہوں خواہ متاخر ہر گھڑی خوارق ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ مدعی اُن کو جانے یا نہ جانے ؎

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

ترجمہ :۔ اگر کوئی ہے خود اندھا گنہ خورشید کا کیا ہے

مکتوب ۱۰۲ ایضاً

کشف غلط بھی ہوسکتا ہے اور شیطانی بھی

دوسرا سوال یہ ہے کہ صادق طالبوں کے کشف و شہود میں القائے شیطانی کو دخل ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کشفِ شیطانی کی کیفیت کو واضح کریں کہ کس طرح ہے۔ اور اگر دخل نہیں تو کیا وجہ ہے کہ بعض امور الہامی میں غلط پڑ جاتا ہے۔ اس کا جواب اس طرح پر ہے واللہ اعلم بالصواب، کہ کوئی شخص القائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہے جبکہ انبیاءؑ میں متصور بلکہ متحقق ہے تو اولیاء میں بطریق اولیٰ ہوگا تو پھر طالبِ صادق کس گنتی میں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ انبیائے علیہم السلام کو اللہ تعالےٰ اس القاء پر آگاہ کر دیتے ہیں اور باطل کو حق سے جدا کر دکھاتے ہیں۔

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے اور اولیاء میں یہ بات لازم نہیں۔ کیونکہ وہ نبی کے تابع ہے جو کچھ نبی کے مخالف پائے گا اس کو رد کر دے گا اور باطل جائے گا۔ لیکن جس صورت میں کہ نبی کی شریعت اس سے خاموش ہے اور اس کے اثبات اور نفی پر حکم نہیں کرتی قطعی طور سے حق و باطل کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ الہام ظنی ہے لیکن اس امتیاز کے نہ ہونے میں کوئی قصور ولایت میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ احکامِ شریعت کا بجالانا اور نبیؐ کی تابعداری دونوں جہان کی نجات کو متکفل ہے اور وہ امور جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے وہ شریعت پر زائد ہیں اور ہم اُن زائد امور کے مکلف نہیں ہیں۔

اور جاننا چاہیئے کہ کشف کا غلط ہو جانا القائے شیطانی پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ میں احکام غیر صادقہ ایک صورت پیدا کر لیتے ہیں جس میں شیطان کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔

اسی قسم سے ہے یہ بات کہ بعض خوابوں میں حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

دیکھتے ہیں اور بعض ایسے احکام اخذ کرتے ہیں جن کا حقیقت میں خلاف ثابت ہے۔ اس صورت میں القائے شیطانی متصور نہیں۔ کیونکہ علماء کے نزدیک مختار و مقرر ہے کہ شیطان حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔ پس اس صورت میں صرف قوتِ متخیلہ کا تصرف ہے۔ جس نے غیر واقع کو واقع ظاہر کیا ہے۔

مکتوب ۱۰۲ ایضاً

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا مطلب

جاننا چاہیئے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کے معنی جس سے ولایت اخذ کی گئی ہے یہ ہیں کہ اولیاء اللہ کو وہ صفات حاصل ہو جاتی ہیں جو واجب تعالیٰ کی صفات کے مناسب ہیں۔ لیکن یہ مناسبت اور مشارکت اسم اور عام صفات میں ہوتی ہے نہ کہ خاص معانی میں کہ محال ہے۔

خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ تحقیقات میں جس مقام پر تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کے معنی بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اور صفت مَلِکْ ہے اور مَلِکْ کے معنی سب پر متصرف کے ہیں۔ جب سالک طریقت اپنے نفس پر قابو پا لیتا ہے اور اس کو مغلوب کر لیتا ہے اور اس کا تصرف دلوں میں جاری ہو جاتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

اور صفت بصیر ہے اور بصیر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں۔ جب سالکِ طریقت کی بینائی کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے اور نور فراست سے اپنے تمام عیب دیکھ لیتا ہے اور دوسروں کے حال کا کمال معلوم کر لیتا ہے۔ یعنی سب کو اپنے آپ سے بہتر دیکھتا ہے اور نیز حق تعالیٰ کی بصیرت اس کی نظر کے منظور ہو جاتی ہے تاکہ جو کچھ وہ کرتا ہے حق تعالےٰ کی رضامندی کے موافق کرتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

اور صفت سَمِیْع ہے اور سَمِیْع کے معنی سُننے والا۔ جب سالکِ طریقت

حق تعالےٰ کی بات کو خواہ وہ کسی سے سُنے بلا تکلف قبول کر لیتا ہے اور غیبی اسرار اور لاریبی حقائق کو جان کے کانوں سے سُن لیتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

اور صفت مُحیی ہے اور مُحیی کے معنی زندہ کرنے والا ہے۔ جب سالک طریقت متروکہ سُنّت کے زندہ کرنے میں قیام کرتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

اور صفت مُمیت ہے اور مُمیت کے معنی مارنے والا ہے۔ جب سالک بدعتوں کو جو سنتوں کے بجائے ظاہر ہوئی ہوتی ہیں، دُور کرتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

اور عوام نے تخلّقوا کے معنی اور طرح سمجھے ہیں۔ اس لئے گمراہی کے جنگل میں جا پڑے ہیں اور اُنہوں نے خیال کیا ہے کہ ولی کے لئے جسم کا زندہ کرنا درکار ہے اور اشیائے غیبی کا اُس پر منکشف ہونا ضروری ہے اور اس قسم کے کئی بے ہودہ اور فاسد ظن ان کے دلوں میں جمے ہیں۔ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ۔ بعض ظن گناہ ہیں۔ اور نیز خوارق صرف زندہ کرنے اور مارنے پر ہی منحصر نہیں ہیں۔

الہامی علوم اور معارف بڑے بھاری نشان اور بلند خوارق میں سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی معجزات سب معجزوں سے زیادہ قوی اور دیرپا ہیں۔ ذرا آنکھ کھول کر دیکھیں کہ یہ سب علوم و معارف جو بھاری بادل کی طرح برس رہے ہیں، کہاں سے ہیں؟

یہ علوم باوجود اس قدر کثرت کے، سب علوم شرعیہ کے موافق ہیں۔ بال بھر بھی مخالفت کی گنجائش نہیں ہے۔ یہی خصوصیت ان علوم کے صحیح و درست ہونے کی علامت ہے۔

٭

مکتوب ۱۱۲

اعمال مقصود ہیں احوال و مواجید ہرگز مقصود نہیں

حق تعالےٰ ہم مفلسوں کو اہلِ حق یعنی اہل سنت والجماعت کے سچے عقائد کی حقیقت پر ثابت قدم رکھ کر پسندیدہ اعمال کی توفیق بخشے اور احوال جو انہی اعمال کا ثمرہ ہیں کرامت فرمائے اور پورے طور پر اپنی پاک جناب کی طرف کھینچ لے۔ ع

کار این است غیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: "اصل مطلب ہے یہی باقی ہے ہیچ

کیونکہ احوال و مواجید اس فرقہ ناجیہ کے عقائد کی حقیقت سے متحقق ہونے کے بغیر حاصل ہوں تو اُن کو ہم استدراج کے سوا کچھ نہیں جانتے اور خرابی کے سوا کچھ خیال نہیں کرتے۔ اس فرقہ ناجیہ کی تابعداری کی دولت کے ساتھ جو کچھ دیدیں ہم احسان مند ہیں اور شکر بجالاتے ہیں اور اگر یہی عطا فرمائیں اور احوال و مواجید کچھ نہ دیں تو بھی کچھ ڈر نہیں۔ ہم راضی ہیں۔

اور بعض مشائخ قدس سرہم سے جو غلبہ حال اور سُکر کے وقت میں اہل حق کی صحیح رایوں کے برخلاف علوم و معارف ظاہر ہُوئے ہیں، چونکہ اُن کا باعث کشف ہے اس لئے معذور ہیں۔ اُمید ہے کہ قیامت میں اُنہیں مواخذہ نہ کریں گے۔ وہ خطاء کار مجتہد کا حکم رکھتے ہیں کہ اس کو خطا پر بھی ایک اجر ملے گا اور حق علمائے اہلِ حق کی طرف ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کی کوششوں کو مشکور کرے۔ کیونکہ علماء کے علوم چراغِ نبوت سے لئے ہُوئے ہیں جن کی وحی قطعی سے تائید کی گئی ہے۔ اور ان صوفیاء کے معارف کا اقتدا کشف اور الہام ہے کہ خطا کو اس میں دخل ہے۔ اور کشف و الہام کی صحت کا مصداق علمائے اہل سنت کے علوم کے ساتھ اُن کا مطابق ہونا ہے۔ اگر سرِ مُو بھی مخالفت ہے تو دائرۂ صواب سے باہر ہیں۔ یہی علم صحیح اور حق صریح ہے اور اس کے سوا گمراہی ہے۔

✣

مکتوب ۱۱۴

بزرگی اتباعِ شریعت میں منحصر ہے

بزرگی، سنت کی تابعداری پر وابستہ ہے اور زیادتی شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے۔ مثلاً دوپہر کا سونا جو اس تابعداری کے باعث واقع ہو، کروڑ ہا کروڑ شب بیداریوں سے جو اس تابعداری کے موافق نہ ہوں اولیٰ و افضل ہے۔ اور ایسے ہی عید فطر کے دن کا کھانا، جس کا شریعت نے حکم دیا ہے خلافِ شریعت دائمی روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ شارع علیہ السلام کے حکم پر پیتل کا دینا اپنی خواہش سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے بزرگ تر ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک دن صبح کی نماز جماعت ادا کر کے یاروں میں نگاہ کی۔ ان میں ایک آدمی موجود نہ پایا۔ اس کا سبب پوچھا۔ یاروں نے عرض کی کہ وہ شخص تمام رات جاگتا رہتا ہے شاید اس وقت سو گیا ہوگا؟ امیر المومنین نے فرمایا کہ اگر وہ تمام رات سویا رہتا اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرتا تو اس کے لئے بہتر تھا۔

گمراہ لوگوں یعنی اہلِ ہنود نے بہت ریاضتیں اور مجاہدے کئے ہیں لیکن جب شریعت کے موافق نہیں ہے سب بے اعتبار اور خوار ہیں۔ اور اگر ان سخت اعمال پر کچھ اجر ثابت ہو بھی جائے تو کسی دنیاوی نفع پر ہی منحصر ہے اور تمام دنیا ہے کیا؟ تاکہ اس کے نفع کا اعتبار کیا جائے۔ ان کی مثال خاکروبوں کی طرح ہے کہ جن کا کام سب سے زیادہ اور مزدوری سب سے کم ہے۔

اور شریعت کے تابعداروں کی مثال اُن لوگوں کی طرح ہے جو قیمتی جواہر میں عمدہ عمدہ الماس جڑتے ہیں کہ اُن کا کام بہت تھوڑا اور مزدوری بہت زیادہ ہے۔ ایک گھڑی کے کام کی مزدوری لاکھ سال کے برابر ہو سکتی ہے۔ اس میں بھید یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق کیا جائے وہ اللہ تعالےٰ کو پسند ہے اور اس کے برخلاف ناپسند۔ پس ناپسندیدہ فعل میں ثواب کی

یکا اُمید ہے بلکہ وہاں تو عذاب کی توقع ہے۔ یہ بات عالم مجاز میں بخوبی واضح ہے۔ تھوڑی سی التفات سے ظاہر ہو جاتی ہے ؎

ہر چہ گیرد علتی علت شود　　　کفر گیرد کاملے ملت شود

ترجمہ: ‘‘علتی جو کچھ کرے علت ہی ہے
کفر گر کامل کرے ملت ہی ہے

پس تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی تابعداری ہے اور تمام فسادوں کی جڑ شریعت کی مخالفت ہے۔

مکتوب نمبر ۱۱۶

امورِ دُنیا میں زیادہ مشغولیت سے بچو

اللہ بلند ہمتوں کو دوست رکھتا ہے۔ امورِ دُنیا میں بکثرت مشغول ہونے سے ڈر ہے کہ امورِ دُنیا میں رغبت نہ پیدا ہو جائے۔ اس دل کی سلامتی پر ہرگز مغرور نہ ہو جائیں کیونکہ رجوع ممکن ہے اور جہاں تک ہو سکے دنیاوی کاروبار میں اس قدر مشغول نہ ہوں کہ ان میں رغبت پیدا ہو جائے اور خسارہ میں ڈال دے۔ نعوذ باللہ منہا۔

فقر میں خاک روبی کرنا دولتمندی کی صدر نشینی سے کئی درجے بہتر ہے۔ سب مقصود یہی ہو کہ چند روزہ زندگانی فقر و نامرادی سے بسر ہو جائے اور دولتمندی اور دولتمندوں سے ایسا بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۲۰

صحبتِ اکابر بہت بڑی دولت ہے

مانا کہ میر صاحب نے فراموشی اختیار کر لی کہ سلام و پیام تک سے یاد نہیں کرتے۔ فرصت بہت تھوڑی ہے اور اس کا صرف کرنا ایک بڑے بھاری

کام میں نہایت ضروری ہے اور وہ کام اربابِ جمعیت کی صحبت ہے۔ کیونکہ صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب صحبت ہی کے باعث انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا سب پر اگرچہ اویس قرنی اور عمر مروانی ہی ہو، فضیلت لے گئے۔ حالانکہ صحبت کے سوا یہ دونوں بڑے درجوں تک پہنچے ہوئے تھے اور بڑے بڑے کمالات حاصل کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ معاویہؓ کی خطا صحبت کی برکت سے ان دونوں کے صواب سے بہتر ہے۔ اور عمرو بن العاصؓ کا سہو ان دونوں کے صواب سے افضل ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں کا ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے اور فرشتہ کے حاضر ہونے اور وحی کے مشاہدے اور معجزات کے دیکھنے سے شہودی ہو چکا تھا اور ان کے سوا کسی اور کو اس قسم کے کمالات جو درحقیقت تمام کمالات کا اصل اصول ہیں نصیب نہیں ہوتے۔ اور اگر اویس قرنی کو معلوم ہوتا کہ صحبت کی فضیلت میں یہ خاصیت ہے تو اُس کو صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہوتی اور اس فضیلت پر کوئی چیز اختیار نہ کرتا۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

"اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے خاص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔"

مکتوب ۱۲۳

نفلی حج کے لئے ممنوعات کا ارتکاب ناجائز ہے

اے بھائی حدیث میں آیا ہے :-

عَلَامَةُ اِعْرَاضِهٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُهٗ بِمَا لَا يَعْنِيْهِ -

"بندے کا لایعنی باتوں میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے خدا تعالیٰ کی روگردانی کی علامت ہے۔"

فرض کو چھوڑ کر نفل میں مشغول ہونا لایعنی میں داخل ہے۔ پس اپنے احوال کی تفتیش کرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس چیز میں مشغول ہے؟

نفل میں یا فرض میں۔ ایک نفلی حج کے لئے اتنے ممنوعات کا مرتکب نہ ہونا چاہیئے اچھی طرح ملاحظہ کریں۔ اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ۔ عقلمند کے لئے ایک ہی اشارہ کافی ہے۔ والسلام علیکم وعلیٰ رفقائکم۔

مکتوب نمبر ۱۲۷

عباداتِ مقصودہ اور غیر مقصودہ کا فرق

حق تعالیٰ کا حق تمام مخلوقات کے حقوق پر مقدم ہے۔ اُن کے حقوق کو ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کے باعث ہے۔ ورنہ کس کی مجال ہے کہ اس کی خدمت کو چھوڑ کر دوسرے کی خدمت میں مشغول ہو جائے۔ پس اُن کی خدمت اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ ہی کی خدمات میں سے ہے لیکن خدمت خدمت میں بہت فرق ہے۔ کاشتکار اور ہل چلانے والے بھی بادشاہ کی خدمت کرتے ہیں لیکن مقربین کی خدمت اور ہے۔ وہاں زراعت اور ہل چلانے کا نام لینا عین گناہ ہے۔ اور ہر کام کی مزدوری اس کام کے موافق ہوتی ہے۔ ہل چلانے والے بڑی محنت سے دن بھر میں ایک تنکہ مزدوری لیتے ہیں اور مقربِ ایک گھڑی خدمت میں حاضر ہو کر لاکھوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کو ان لاکھوں سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ تو صرف بادشاہ کے قرب میں گرفتار ہے۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَہُمَا "ان دونوں کے درمیان بہت فرق ہے"۔

مکتوب نمبر ۱۳۱

تہجّد کی نماز باجماعت بدعت ہے

افسوس ہزار افسوس کہ جن بدعتوں کا دوسرے سلسلوں میں نام و نشان تک پایا نہیں جاتا وہ اس طریقہ علیہ میں پیدا کر دی ہیں۔ نماز تہجد کو جماعت سے

ادا کرتے ہیں اور گرد و نواح سے اُس وقت لوگ تہجد کے واسطے جمع ہو جاتے ہیں اور بڑی جمعیت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے بکراہت تحریمہ۔

بعض فقہاء نے جن کے نزدیک تداعی (یعنی ایک دُوسرے کو بُلانا) کراہت کی شرط ہے۔ اور نفل کی جماعت کو مسجد کے ایک کونے میں جائز قرار دیا ہے تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے۔

اور نیز نماز تہجد کو اس وجہ سے تیرہ رکعت جانتے ہیں جن میں سے بارہ[۱۲] رکعت کو کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت کو بیٹھ کر تا کہ ایک رکعت کا حکم پیدا کرے اور ان سے مل کر تیرہ ہو جائیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ہمارے حضرت پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو کبھی تیرہ رکعت ادا کئے ہیں اور کبھی گیارہ رکعت اور کبھی نو اور کبھی سات۔ تو اس میں نماز تہجد کے ساتھ وتر نے مل کر فردیت کا حکم پیدا کیا ہے نہ یہ کہ بیٹھ کر دو رکعت ادا کرنے کو کھڑے ہو کر ایک رکعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس قسم کے علم و عمل کا باعث سُنّت سنیہ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کا عدم اتباع ہے۔

تعجب ہی کی بات ہے کہ علماء ہی کے شہروں میں جو مجتہدین علیہم الرضوان کا وطن ہے اس قسم کے محدثات اور بدعات رواج پا گئے ہیں۔ حالانکہ ہم فقیر اسلامی علوم انہی کی برکت سے حاصل کرتے ہیں۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَلْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ۔

"اللہ تعالیٰ بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے"

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم ؎
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ: "غمِ دل اس لئے تھوڑا کیا ظاہر ہے ڈرتا ہوں
کہ آزردہ نہ ہو جائے بہت سُن سُن کے دل تیرا"

مکتوب نمبر ۱۳۲

فقراء کی صحبت ترک کرنے پر اظہارِ افسوس

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

"یا اللہ! تو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت بخش، تو بڑا بخشنے والا ہے"

آپ نے فقراء کی صحبت سے دل تنگ ہو کر دولتمندوں کی مجلس اختیار کی ہے بہت برا کیا ہے۔ آج اگر آپ کی آنکھ بند ہے تو کل کھل جائے گی اور پھر ندامت کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اطلاع دینا شرط ہے۔

اے بوالہوس تیرا امر دو حال سے خالی نہیں ہے۔ دولتمندوں کی مجلس میں آپ کو جمعیت دیں گے یا نہ دیں گے؟ اگر دیں گے تو بد ہے اور اگر نہ دیں گے تو بدتر ہے۔ اور اگر دیں گے تو استدراج ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ اور اگر نہ دیں گے تو دنیا و آخرت کا خسارہ شامل حال ہے۔ فقراء کی خاکروبی دولتمندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ آج یہ بات آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، آخر ایک دن سمجھ میں آجائے گی۔ پھر کچھ فائدہ نہ دے گی۔ جب کھانوں کی خواہش اور قیمتی لباس کی تمنا نے آپ کو اس بلا میں ڈال دیا۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اپنے مقصد کی فکر کریں اور جو کچھ حق تعالےٰ سے مانع ہو اس کو دشمن جان کر اس سے بھاگیں اور خوف کریں۔ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ نصّ قاطع ہے۔ صحبت کے حق نے اس بات پر برانگیختہ کیا کہ ایک مرتبہ آپ کو نصیحت کی جائے۔ آپ عمل کریں یا نہ کریں۔ آپ کی فضول باتوں سے مجھے اوّل ہی معلوم تھا کہ اس طرح فقر پر استقامت دشوار ہے ؂

وَقَدْ كَانَ مَا خِفْتُ اَنْ يَّكُوْنَا　　اِنَّا اِلَى اللهِ رَاجِعُوْنَا

ترجمہ:۔ "ہوا آخر وہی جس کا کہ ڈر تھا　　پڑھا اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَا"

مکتوب نمبر ۱۳۷

ابتداءِ سلوک میں نوافل کی طرف اور انتہائے سلوک میں فرائض کی طرف کشش ہوتی ہے

مکتوب مرغوب پہنچا۔ مضمون معلوم ہُوا۔ عبادات میں لذات حاصل ہونا اور اُن کے ادا کرنے میں تکلف کا دفع ہونا، حق تعالےٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ خاص کر نماز کے کے ادا کرنے میں جو غیر منتہی کو میسّر نہیں ہے۔ اس سے زیادہ خاص کر نماز فریضہ کے ادا کرنے میں۔ کیونکہ ابتدار میں نماز نفلی کے ادا کرنے میں لذت بخشتے ہیں اور نہایت النہایت میں یہ نسبت فرائض سے وابستہ ہوجاتی ہے اور نوافل کے ادا کرنے میں اپنے آپ کو بیکار جانتا ہے۔ اس کے نزدیک فرائض کا ادا کرنا ہی بڑا کام ہے ؏

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند

ترجمہ:۔ "بڑی اعلیٰ ہے یہ دولت خدا جانے ملے کس کو؟"

جاننا چاہیئے کہ وہ لذت جو نماز کے ادا کرتے وقت حاصل ہوتی ہے نفس کا اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ عین اس لذت کے حاصل کرنے کے وقت وہ نالہ و فغاں میں ہے۔ سُبحان اللہ کیا عجب رُتبہ ہے ؏

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا

ترجمہ:۔ "مُبارک منعموں کو اپنی دولت"

ہم جیسے حریص آدمیوں کو اس قسم کی باتیں کہنی اور سُننی بھی غنیمت ہیں ؏

بارے بہ ہیچ خاطرِ خود شاد میکنم

ترجمہ: "بارے اسی خیال سے کرتا ہوں دل کو خوش"

اور نیز جان لیں کہ دُنیا میں نماز کا رُتبہ آخرت میں رؤیت کے رُتبہ کی طرح ہے۔ دُنیا میں نہایت قرب نماز میں ہے اور آخرت میں نہایت قرب رؤیت

کے وقت۔ اور جان لیں کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلہ ہیں اور نماز اصلی مقصد ہے۔

والسلام والاکرام

مکتوب ۱۳۸

اہلِ دُنیا سے میل جول زہرِ قاتل ہے

میرے سعادت مند فرزند! اس دُنیائے مبغوضہ پر خوش نہ ہوں اور حق تعالےٰ کی جناب پاک میں دوام توجہ کے سرمایہ کو ہاتھ سے نہ دیں۔

سوچنا چاہیئے کہ کیا بیچتے ہیں اور کیا خریدتے ہیں؟ آخرت کو دُنیا کے بدلے بیچنا اور حق تعالےٰ کو چھوڑ کر خلق میں مشغول ہونا، بے وقوفی اور کم عقلی ہے۔ دُنیا و آخرت کا جمع ہونا دو ضدوں کا جمع ہونا ہے۔ ع

مَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا لَوِاجْتَمَعَا

ترجمہ:۔ "دین و دُنیا جمع گر ہو جائیں تو کیا خوب ہے"

ان دونوں ضدوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرے اور جس کے عوض چاہے اپنے آپ کو بیچ ڈالے۔ آخرت کا عذاب ہمیشہ کے لئے ہے اور دُنیا کا اسباب بہت تھوڑا۔ دُنیا حق تعالیٰ کی مبغوضہ ہے اور آخرت حق تعالیٰ کو پسند ہے:۔

عِشْ مَا شِئْتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌ وَالْزِمْ مَا شِئْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ۔

"جی لے جس قدر تُو چاہتا ہے ایک دن ضرور مریگا اور لازم پکڑ جسکو تُو چاہتا ہے تو اس سے ضرور جدا ہونے والا ہے"

آخر ایک دن زن و فرزند کو چھوڑنا پڑے گا اور اُن کی تدبیر حق تعالےٰ کے سپرد کرنے پڑے گی۔ آج ہی اپنے آپ کو مُردہ سمجھنا چاہیئے اور ان کی ضروریات حق تعالےٰ کے سپرد کرنی چاہئیں۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ۔

دو نص قاطع ہے۔ آپ نے کئی دفعہ سُنا ہوگا یہ خواب خرگوش کب تک رہے

گی۔ آخر آنکھ کھولنی چاہیئے۔

اہلِ دُنیا کی صحبت اور ان سے ملنا جُلنا زہرِ قاتل ہے۔ اس زہر سے مرا ہُوا ہمیشہ کی موت میں گرفتار ہے۔ عقلمند کو ایک اشارہ ہی کافی ہے تو مبالغے اور تاکید کے ساتھ تصریح کیونکر کافی نہ ہوگی۔ بادشاہوں کے چرب لقمے دلی مرضوں کو بڑھاتے ہیں۔ تو پھر فلاح اور نجات کی کیسے امید ہے۔ الحذر الحذر الحذر ؎

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ترجمہ :۔ جو حق کہنے کا ہے کہتا ہوں تجھ سے اے میرے شفیق!
نصیحت آئے ان باتوں سے تجھ کو یا ملال آئے

ان کی صحبت سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔ کیونکہ شیر تو دنیاوی موت کا موجب ہے اور وہ کبھی آخرت میں فائدہ دے جاتی ہے اور بادشاہوں سے ملنا جُلنا ہمیشہ کی ہلاکت اور دائمی خسارے کا موجب ہے۔ پس ان کی صحبت اور لقمہ اور محبت اور ان کی ملاقات سے بچنا چاہیئے۔

حدیث شریف میں آیا ہے :۔

"جس نے کسی دولت مند کی تواضع اس کی دولت مندی کے باعث کی۔ اُس کے دو حصّے دین کے چلے گئے"

تو سوچنا چاہیئے کہ یہ سب تواضع و چاپلوسی اُن کی دولت مندی کے باعث ہے یا کسی اور باعث سے؟ کچھ شک نہیں کہ ان کی دولت مندی کے باعث ہے اور اس کا نتیجہ دین کے دو حصّوں کا ضائع ہو جانا ہے۔ تو اسلام کہاں کا اور نجات کہاں کی؟

اور یہ سب مبالغہ اور اصرار اس وجہ سے ہے کہ چرب لقمے اور ناجنس کی صحبت نے اس فرزند کے دل کو پند و نصیحت کے قبول کرنے سے حجاب میں ڈال دیا ہوگا اور کسی کلمہ و کلام کی تاثیر نہ ہونے دی ہوگی۔ پس ان کی صحبت اور ملاقات سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

❊

مکتوب نمبر ۱۴۸

شیخ کی مرضی کیخلاف تصوّرِ مشائخ خسارہ کا موجب ہے

کئی دفعہ آپ کو لکھا گیا ہے کہ مشائخ کی روحانیات کے وسیلے اور اُن کی امداد پر ہرگز معزول نہ ہوں۔ کیونکہ مشائخ کی وہ صورتیں حقیقت میں شیخ مقتدا کے لطائف ہیں جو ان صورتوں میں ظاہر ہُوئے ہیں۔ توجّہ کے قبلہ کے لئے ایک ہونا شرط ہے۔ توجّہ کا پراگندہ کرنا خسارے کا موجب ہے۔ نعوذ باللہ منہا

دوسرے یہ کہ کئی بار اور بڑی تاکید سے آپ کو کہا ہے کہ کام کا سررشتہ مختصر پکڑیں تاکہ جلدی سرانجام ہو۔ امرِ ضروری کو چھوڑ کر بے ہُودہ امر میں مشغول ہونا عقل دُور اندیش سے بہت بعید ہے۔ لیکن آپ اپنی رائے کے معتقد ہیں۔ کسی کی بات آپ میں بہت کم اثر کرتی ہے۔ آپ جانیں یا نہ جانیں ہمارا کام کہہ دینا ہے۔ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ۔ قاصد کا کام کہہ دینا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۴۹

لوگوں کے کہنے سُننے سے آزُردہ نہ ہونا

لوگوں کے کہنے سُننے سے آزردہ نہ ہوں۔ وہ باتیں جو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں جب آپ میں نہ ہوں تو کچھ غم نہیں۔ یہ کس قدر بڑی دولت ہے کہ لوگ کسی کو بُرا جانیں اور وہ حقیقت میں نیک ہو۔ ہاں اگر اس قضیہ کا عکس ثابت ہو تو پھر سراسر خطرے کا مقام ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۱۵۶

اللہ والوں کی معرفت ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہے

ایک بزرگ فرماتے ہیں الٰہی یہ کیا ہے جو تُو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے

کہ جس نے اُن کو پہچانا اُس نے تجھ کو پا لیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا اُن کو نہ پہچانا۔ رَزَقَنَا اللّٰہُ تعالٰے وَ اِیَّاکُمْ مَحَبَّتَہ ھٰذِہِ الطَّآئِفَۃِ العَلِیَّۃِ الشَّرِیْفَۃِ۔ اللہ تعالٰے ہم کو اور آپ کو اس بزرگ اور شریف گروہ کی محبت عطا فرمائے۔

آمین ! ؎

مکتوب ۱۶۰

وحدت الوجود، وحدت الشہود سے متعلق

تفصیلی مکتوب گرامی

مکتوب نمبر ۱۶۰ ۔ دفتر اوّل از صفحہ ۲۶۷ تا صفحہ ۲۷۲

مکتوب ۱۶۰

سب سے اُونچا مقام مقامِ عبدیت ہے

یہ درویش (مراد خود حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) جس سے ان سطروں کا استفادہ ہُوا ہے پہلے توحید کا معتقد تھا۔ اور بچپن کے زمانے سے اس توحید کا علم رکھتا تھا اور یہ علم یقین تک پہنچ چکا تھا۔ ہر چند حال نہ رکھتا تھا اور جب اس راہ میں آیا پہلے توحید کی راہ منکشف ہوئی اور کچھ مُدت تک اس مقام کے مرتبوں میں جولان کرتا رہا اور بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے، فائز ہوئے۔ اور وہ مشکلات و واردات جو توحید والوں پر وارد ہوتی ہیں کشوف اور علوم فائضہ کے ساتھ سب حل ہو گئیں۔

کچھ مُدت کے بعد ایک اور نسبت نے اس درویش پر غلبہ کیا اور اس کے غلبہ میں توحید میں توقف کیا۔ لیکن یہ توقف حسن ظن سے تھا نہ انکار سے۔ کچھ مُدت تک تو انکار میں متوقف رہا۔ آخر کار انکار تک نوبت پہنچ گئی اور ظاہر ہُوا کہ یہ مرتبہ نہایت ہی پست ہے۔ مقامِ ظلیت میں اسباب پہنچانا

چاہیئے۔ لیکن فقیر اس انکار میں بے اختیار تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے نکلے۔ کیونکہ بڑے بڑے مشائخ اس مقام میں اقامت رکھتے تھے۔ اور جب مقام ظلیت میں پہنچا اور اپنے آپ کو اور عالم کو ظلّ معلوم کیا جیسے کہ دوسرے گروہ کے لوگ قائل ہیں۔ تب یہ آرزو ہوئی کہ کاش فقیر کو اس مقام سے نہ نکالیں۔ کیونکہ فقیر وحدت وجود کو کمال جانتا تھا اور یہ مقام کچھ کچھ اس سے مناسبت رکھتا تھا۔ اتفاقاً کمال عنایت اور غریب نوازی سے اس مقام سے بھی اوپر لے گئے۔ اور مقام عبدیت تک پہنچا دیا۔ اس وقت اس مقام کا کمال نظر آیا۔ اور اس کی بلندی ظاہر ہوئی۔ اور گذشتہ مقامات سے توبہ و استغفار کی اور اگر اس درویش کو اس طریق پر اُوپر نہ لے جاتے۔ اور بعض سے بعض کی بلندی و فوقیت ظاہر نہ کرتے۔ تو اپنے تنزل کو اس مقام میں جانتا۔ کیونکہ اُس کے نزدیک توحید وجودی سے بڑھ کر کوئی اور بلند مقام نہ تھا۔

وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۔

"اللہ تعالیٰ حق ثابت کرتا ہے اور سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے"۔

مکتوب ۱۶۳

کُفر سے نفرت اسلام کی علامت ہے

دونوں جہان کی سعادت فقط سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری سے وابستہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت یہ ہے کہ اسلامی احکام بجا لائے جائیں اور کفر کی رسمیں مٹا دی جائیں۔ کیونکہ اسلام و کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کو ثابت و قائم کرنا دوسرے کے دُور ہو جانے کا باعث ہے اور ان دو ضدوں کے جمع ہونے کا احتمال محال ہے۔

حق تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتا ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۔

"اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور اُن پر سختی کر"۔

پس جب اپنے پیغمبر کو جو خُلقِ عظیم سے موصوف ہے کفار کے ساتھ جہاد کرنے اور اُن پر سختی کرنے کا حکم فرمایا تو معلوم ہُوا کہ اُن پر سختی کرنا خلق عظیم میں داخل ہے۔ پس اسلام کی عزّت کفر اور کافروں کی خواری میں ہے۔ جس نے اہلِ کفر کو عزیز رکھا اس نے اہلِ اسلام کو خوار کیا۔ اُن کے عزیز رکھنے سے یہ مراد نہیں کہ صرف اُن کی تعظیم کریں اور بلند بٹھائیں۔ بلکہ اپنی مجلسوں میں جگہ دینا اور اُن کی ہمنشینی کرنا اور اُن کے ساتھ گفتگو کرنا سب اعزاز میں داخل ہے۔ کتّوں کی طرح ان کو دُور کرنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی دنیاوی غرض اُن کے متعلق ہو جو اُن کے بغیر حاصل نہ ہوتی ہو۔ تو پھر بھی بے اعتباری کے طریق کو مدِنظر رکھ کر بقدرِ ضرورت ان کے ساتھ میل جول رکھنا چاہیئے۔ اور کمال اسلام تو یہ ہے کہ اس دنیاوی غرض سے بھی درگذر کریں اور اُن کی طرف نہ جائیں۔

حق تعالیٰ نے اہلِ کفر کو اپنا اور اپنے پیغمبر کا دشمن فرمایا ہے۔ پس ان اللہ و رسول کے دشمنوں کے ساتھ ملنا جُلنا اور محبت کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔ کم سے کم ضرر اُن کی ہمنشینی اور ملنے جُلنے میں یہ ہے کہ احکامِ شرعی کے جاری کرنے اور کُفر کی رسموں کو مٹانے کی طاقت مغلوب ہو جاتی ہے اور دوستی کی حیا، اس کی مانع ہو جاتی ہے۔ اور یہ ضرر حقیقت میں بہت بڑا ضرر ہے۔ خدا کے دشمنوں کے ساتھ دوستی والفت کرنا خدا تعالےٰ اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دشمنی تک پہنچا دیتا ہے۔

ایک شخص گمان کرتا ہے کہ وہ اہلِ اسلام سے ہے اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول ؐ کے ساتھ ایمان و تصدیق رکھتا ہے۔ لیکن نہیں جانتا کہ اس قسم کے بُرے اعمال اس کے اسلام کی دولت کو پاک و صاف لے جاتے ہیں۔

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

"ہم اللہ تعالےٰ کے ساتھ نفسوں کی شرارت اور بُرے اعمال سے پناہ مانگتے ہیں۔"

خواجہ پندارد کہ مردِ واصل است ‏ ‏ ‏ حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

ترجمہ: "خواجہ کرتا ہے گماں واصل ہوں میں ‏ ‏ ‏ لیکن حاصل جز گماں کچھ بھی نہیں۔"

ان نابکاروں کا کام اسلام اور اہلِ اسلام پر ہنسی ٹھٹھہ کرنا ہے۔ ہر وقت اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اگر قابو پائیں تو ہم کو اسلام سے باہر کر دیں یا سب کو قتل کر دیں یا کفر میں لوٹا دیں۔ پس اہلِ اسلام کو بھی شرم چاہیئے کہ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ حیاء ایمان سے ہے اور مسلمانی کی عار ضروری ہے۔ ہمیشہ اُن کی خواری کے درپے رہنا چاہیئے۔ ہندوستان میں اہلِ کفر سے جزیہ دُور ہونے کا باعث یہی ہے کہ اہلِ کفر اس ملک کے بادشاہوں کے ساتھ ہمنشین ہیں۔ ان سے جزیہ لینے کا اصلی مقصود اُن کی ذلت و خواری ہے۔ اور یہ خواری اس حد تک ہے کہ جزیہ کے ڈر سے اچھے کپڑے نہ پہن سکیں اور شان و شوکت سے نہ رہ سکیں اور مال کے لینے سے ہمیشہ ڈرتے اور کانپتے رہیں۔ بادشاہوں کو کیا لائق ہے کہ جزیہ لینے سے منع کریں حق تعالیٰ نے جزیہ کو ان کی خواری کے لئے وضع کیا ہے۔ اس سے مقصود ان کی رسوائی اور اہلِ اسلام کی عزت اور غلبہ ہے۔ ع

جہود ہر کہ شود کشتہ سُود اسلام است

ترجمہ:۔ ”جس قدر ہوں قتل منکرِ دین کا ہے فائدہ“

اہل کفر کے ساتھ بغض و عناد رکھنا دولتِ اسلام کے حاصل ہونے کی علامت ہے۔ حق تعالےٰ نے کلام مجید میں ان کو نجس اور دوسری جگہ رجس فرمایا ہے۔ پس چاہیئے کہ اہلِ اسلام کی نظروں میں اہل کفر نجس و پلید دکھائی دیں۔ جب ایسا دیکھیں اور جانیں گے تو ضرور اُن کی صحبت سے پرہیز کریں گے اور ان کے ساتھ ہمنشینی کرنے کو بُرا سمجھیں گے۔ اُن سے کچھ پوچھنے اور اُس کے موافق عمل کرنے میں ان دشمنوں کی کمال عزت ہے۔ بھلا جو کوئی ان سے ہمت طلب کرے اور اُن کے ذریعے دُعا مانگے وہ کیا فائدہ دے گی۔ جیسا کہ حق تعالےٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:۔

وَمَا دُعَاءُ الْکَافِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ ۔

”ان دشمنوں کی دُعا باطل اور بے حاصل ہے“

مقبولیت کا یہاں کیا احتمال ہے؟ ہاں اس قدر فساد ضرور لازم آتا ہے کہ ان کتوں کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ اگر یہ دُعا بھی کریں گے تو اپنے بتوں کو

درمیان میں وسیلہ لائیں گے۔ تو خیال کرنا چاہیئے کہ یہ معاملہ کہاں تک پہنچ جاتا ہے اور مسلمانی کی بُو بھی نہیں رہنے دیتا۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ جب تک تم میں سے کوئی دیوانہ نہ ہو جائے مسلمانی تک نہیں پہنچتا۔ اس دیوانہ پن سے مراد یہ ہے کہ کلمہ اسلام کے بلند کرنے کے لئے اپنے نفع ضرر سے درگزر کیا جائے۔ مسلمانی کے ساتھ جو کچھ ہو جائے ہونے دو۔ اگر اس کے ساتھ کچھ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ مسلمانی اللہ تعالےٰ اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضامندی ہے اور رضائے مولیٰ سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہے :۔

رَضِیْنَا بِاللّٰہِ تَعَالیٰ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نَبِیًّا وَ رَسُوْلًا ۔

"ہم راضی ہو گئے اس بات پر کہ اللہ تعالےٰ ہمارا رب ہے، اور اسلام ہمارا دین ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی اور رسول ہیں "

یا اللہ ! تو ہم کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل اوّل و آخر اسی عقیدہ پر رکھ ۔

وقت کے موافق جو کچھ ضروری اور مناسب معلوم ہوا مجمل و مختصر طور پر لکھ کر بھیج دیا ہے۔ بعد ازاں اگر توفیق ہوئی تو پھر کسی موقع پر اس سے زیادہ مفصل طور پر لکھ کر ارسال کیا جائے گا۔

مکتوب ۱۲۳ ایضاً

حلّت و حرمت میں دیندار علماء کے فتوے پر ہی عمل کرنا چاہیئے

جس طرح اسلام کفر کی ضد ہے اسی طرح آخرت بھی دنیا کی ضد ہے۔ دُنیا

اور آخرت دونوں جمع نہیں ہوتیں۔

دُنیا کا ترک دو قسم پر ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ بقدرِ ضرورت کے سوا اس کے تمام مباحات کو ترک کر دیا جائے اور یہ ترکِ دُنیا کی اعلیٰ قسم ہے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ حرام اور مشتبہ امور سے پرہیز کی جائے اور مباح امور سے فائدہ اٹھایا جائے۔

یہ قسم بھی خاص کر ان دنوں میں نہایت ہی کمیاب اور عزیز الوجود ہے ؂

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی است پیشِ خاکِ تود

ترجمہ:"عرش سے نیچے ہے گرچہ آسماں لیک اونچا ہے زمین سے ایچواں

پس ناچار چاندی سونے کے استعمال اور حریر یعنی ریشم کے پہننے وغیرہ سے جن کو شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے حرام کیا ہے پرہیز کرنا چاہیئے۔ چاندی سونے کے برتن جو شان وشوکت کے لئے بناتے ہیں البتہ گنجائش رکھتے ہیں لیکن اُن کا استعمال کرنا یعنی اُن میں پانی پینا اور کھانا کھانا اور خوشبو ڈالنا اور سرمہ دان بنانا وغیرہ وغیرہ سب حرام ہے۔

الغرض حق تعالےٰ نے امور مباحہ کا دائرہ بہت وسیع کیا ہے اور اُن کے ساتھ عیش وعشرت حاصل کرنے میں امور محرمہ کی نسبت زیادہ لذت وخوشی ہے۔ کیونکہ مباحات میں حق تعالیٰ کی رضامندی ہے اور محرمات میں اُس کی نارضامندی۔

عقل سلیم ہرگز پسند نہیں کرتی کہ کوئی شخص اس لذت کے لئے جو بقا بھی نہیں رکھتی اپنے مولےٰ کی نارضامندی اختیار کرے۔ حالانکہ اس محرمہ لذت کے عوض مباح لذت بھی تجویز فرمائی ہے:۔

رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مُتَابَعَۃِ صَاحِبِ الشَّرِیْعَۃِ عَلَیْہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ "اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر استقامت عطا فرمائے"۔

حل وحرمت کے معاملہ میں ہمیشہ علمائے دیندار کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اور انہی سے پوچھنا چاہیئے اور انہی کے فتوے کے موافق عمل کرنا چاہیئے کیونکہ نجات کا راستہ شریعت ہی ہے اور شریعت کے بعد جو کچھ ہے سب باطل وبے اعتبار: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ۔ "حق کے بعد سوائے گمراہی کے کچھ نہیں"۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔

مکتوب نمبر ۱۶۵

بدعتی کی تعظیم ناجائز ہے

پس لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت احکامِ شرعی کے بجالانے میں صرف کرنی چاہیئے اور اہل شریعت علماء وصلحاء کی تعظیم وعزت بجالانی چاہیئے اور شریعت کے رواج دینے میں کوشش کرنی چاہیئے۔ اور اہلِ ہوا و بدعتیوں کو خوار رکھنا چاہیئے۔ جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے گویا اسلام کے گرانے میں اس کی مدد کی اور کفار کے ساتھ جو اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہیں دشمن ہونا چاہیئے اور ان کی ذلت وخواری میں کوشش کرنی چاہیئے۔ اور کسی وجہ سے ان کو عزت نہ دینی چاہیئے۔ اور ان بدبختوں کو اپنی مجلس میں داخل نہ ہونے دینا چاہیئے۔ اور اُن سے اُنس ومحبت نہ کرنی چاہیئے اور اُن کے ساتھ شدت وسختی کا طریق برتنا چاہیئے اور جہاں تک ہوسکے کسی امر میں اُن کی طرف رجوع نہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر بالفرض کوئی ضرورت پڑ جائے تو تقاضائے حاجت انسانی کی طرح چار و ناچار اپنی ضرورت اُن سے پوری کرنی چاہیئے۔

وہ راستہ جو آپ کے جدِ بزرگوار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ تک پہنچا دیتا ہے یہی ہے اگر اس راستہ پر نہ چلیں تو اس پاک جناب تک پہنچنا مشکل ہے۔ ہائے افسوس ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا　　قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُيُوْفُ

ترجمہ: ہائے جاؤں کس طرح یار تک　　راہ میں ہیں پُرخطر کوہ اور غار

زیادہ کیا تکلیف دی جائے ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

غمِ دل اس لئے تھوڑا کہا ہے اظہار میں نے
کہ آزردہ نہ ہو جائے بہت سُن سُن کے دل تیرا

مکتوب ۱۶۸

طریق نقشبندیہ کے فضائل اور بدعات سے مکمل احتیاط

مخدوم زادہ کو معلوم ہو کہ اس طریقہ علیہ کی بلندی سُنت کے التزام اور بدعت سے اجتناب کے باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طریقہ علیہ کے بزرگواروں نے ذکر جہر سے پرہیز فرمایا ہے اور ذکر قلبی کی طرف رہنمائی کی ہے اور سماع و رقص و تواجد سے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھے۔ اُن سے منع کیا ہے اور خلوت و چلہ جو صدر اول میں نہ تھا۔ اس کے بجائے خلوت در انجمن کو اختیار کیا ہے۔ اسی سبب سے بڑے بڑے نتیجے اس التزام پر مترتب ہوئے ہیں اور بہت قسم کے فائدے اس اجتناب سے حاصل ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان بزرگواروں کی ابتدا میں مندرج ہے اور اُن کی نسبت سب نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ ان کا کلام دلی مرضوں کی دوا ہے اور ان کی نظر باطنی امراض کی شفا ہے۔ ان کی بزرگ توجہ طالبوں کو دونوں جہان کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے اور ان کی بلند ہمت مریدوں کو امکان کی پستی سے وجوب کی بلندی تک پہنچاتی ہے ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند — کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را
از دل سالک رہ جاذبۂ صحبت شاں — میبرد وسوسۂ خلوت و فکر چلہ را

ترجمہ :-

عجب ہی قافلہ سالار ہیں یہ نقشبندی — کہ لے جاتے ہیں پوشیدہ حرم تک قافلے کو
دلِ سالک سے اُن کا جذبۂ صحبت گھڑی میں — مٹا دیتا ہے خلوت کے خیالات اور چلے کو

لیکن ان دنوں میں کہ وہ نسبت شریفہ عنقائے مغرب ہو گئی ہے اور بالکل پوشیدہ ہو گئی ہے۔ اسی گروہ میں سے ایک جماعت نے اس دولت عظمیٰ کے نہ پانے اور اس نعمت اعلیٰ کے گم ہونے سے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور جواہر نفیسہ

کو چھوڑ کر چند خزف ریزہ یعنی ٹھیکریوں پر خوش ہوئے ہیں اور بچوں کی طرح جوز و مویز پر آرام کیا ہے۔ اور نہایت بے قراری اور حیرانی سے اپنے بزرگواروں کے طریق کو چھوڑ کر کبھی جہر سے تسلی حاصل کرتے ہیں اور کبھی سماع و رقص سے آرام ڈھونڈتے ہیں اور خلوت در انجمن حاصل نہ ہونے کے سبب سے چلّہ اور خلوت کو اختیار کیا ہے۔ اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ایسی بدعتوں کو اس نسبت شریفہ کی متمم اور مکمل خیال کرتے ہیں اور اس بُردباری کو عین آبادی گنتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کو انصاف عطا کرے۔ اور اس طریقہ کے بزرگواروں کے کمالات کی خوشبو ان کی جان کے دماغ میں پہنچائے۔

بحرمت النون والصاد و بحرمت النبی وآلہ الامجاد علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اور چونکہ اس قسم کی بدعتیں اس ملک میں یہاں تک پھیلی ہوئی ہیں کہ بزرگواروں کے اصل طریق کو پوشیدہ کر دیا ہے اور وہاں کے ہر شریف و خسیس نے نئی اور جدید وضع اختیار کر لی ہے اور اصل اور قدیم طریق کی طرف سے مُنہ پھیر لیا ہے اس لئے دل میں گزرا کہ تھوڑا سا یہ ماجرا اُس بلند بارگاہ کے خادموں کی خدمت میں ظاہر کرے اور اس وسیلہ سے اپنے دردِ دل کو نکالے۔

نہیں معلوم کہ حضرت مخدوم زادہ کی مجلس میں کونسا گروہ ہمنشیں ہے اور محفل کا مونس کونسا فرقہ ہے ؎

خوابم بشد از دیدہ دریں فکر جگر سوز   کاغوش کہ شد منزل آسائش خواہت

ترجمہ :-   تمام رات نہ اس غم سے مجھ کو نیند آئی
کہ سویا کس کی بغل میں تو رات بھر میری جاں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی پاک جناب کو ان آفات کے عموم سے بچائے اور آپ کی بلند بارگاہ کو اس ابتلا کے شمول سے محفوظ رکھے۔

میرے مخدوم و مکرم! اس طریقہ علیہ میں ان لوگوں نے یہاں تک احداث و ابداع کو رواج دیا ہے کہ اگر مخالف یہ بات کہیں کہ اس طریق میں بدعت کا التزام اور سنت سے اجتناب ہے تو بجا ہے۔ نماز تہجد کو پوری جمعیت یعنی جماعت سے

ادا کرتے ہیں۔ اور اس بدعت کو سنت تراویح کی طرح مسجد میں رواج و رونق بخشتے ہیں۔ اور اس عمل کو نیک جانتے ہیں اور لوگوں کو اس پر ترغیب دیتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء نے کہ اللہ تعالٰے ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے۔ نوافل کا جماعت سے ادا کرنا نہایت ہی مکروہ کہا ہے۔ اور بعض فقہاء نے جو تداعی کو جماعت نفل میں کراہت کی شرط قرار دیا ہے انہوں نے بھی جماعت نفلی کا جواز مسجد کے کونے میں مقید کیا ہے اور تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ فرمایا ہے اور نیز نماز تہجد کی تیرہ رکعت اس طرح خیال کرتے ہیں کہ بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر تا کہ ایک رکعت کا حکم پیدا کرے کیونکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے ثواب سے آدھا ہے۔ حالانکہ یہ علم و عمل بھی سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مخالف ہے۔

حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تیرہ رکعت ادا فرمائی ہیں ان میں وتر بھی شامل ہیں اور نماز تہجد کی رکعتوں کا فرد اور طاق ہونا رکعات وتر کے طاق ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ نہ کہ جیسے ان بزرگواروں نے خیال کیا ہے! ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ :-

غم دل اس لئے تھوڑا کیا اظہار ہے میں نے
کہ آزردہ نہ ہو جائے بہت سن سن کے دل تیرا

تعجب کی بات ہے کہ بلاد ماوراء النہر ہی میں جو علمائے حق کا ماوا و مسکن ہے اس قسم کی بدعتیں رواج پا گئی ہیں اور اس قسم کی مخترعات اور من گھڑت باتیں شائع ہو گئی ہیں۔ حالانکہ ہم فقیر انہی کی برکات سے علوم شرعیہ حاصل کرتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۷

حقوق العباد کی ادائیگی بھی دین کا اہم جزو ہے

میرے سعادتمند بھائی ! آدمی کو جس طرح حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے چارہ نہیں ہے، ویسے ہی خلق کے حقوق کو ادا کرنے اور اُن کے ساتھ غمخواری کرنے سے بھی چارہ نہیں ہے۔

اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِاللّٰهِ وَالشَّفْقَةُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰهِ ۔

"اللہ تعالےٰ کے امر کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت کرنا"

انہی دو حقوق کے ادا کرنے کا بیان فرماتا ہے اور دونوں طرف کو مدنظر رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔

پس ان دونوں میں سے صرف ایک ہی پر اختصار کرنا سراسر قصور ہے اور کُل کو چھوڑ کر جزو پر کفایت کرنا کمالیت سے دُور ہے۔ پس خلق کے حقوق کو ادا کرنا اور ان کی ایذا رکو برداشت کرنا ضروری ہے اور اُن کے ساتھ حسنِ معاشرت یعنی اچھی طرح رہنا سہنا واجب ہے۔ بد دماغی اور لاپروائی اچھی نہیں ؎

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم است
نازکی کے راست آید بار بیبایدکشید

ترجمہ :-

گرچہ عاشق حُسن میں ہو خود جہاں کا نازنیں
نازِ محبوبی کے آگے نازُکی اچھی نہیں

ع عاشقوں کا نازنین ہونا سراسر غلط ہے

چونکہ آپ مدتوں صحبت میں رہے ہیں اور پند و نصیحت بہت سُنے ہیں اس لئے طول کلامی سے مُنہ پھیر کر چند فقروں پر اختصار کیا گیا۔

❁

مکتوب نمبر ۱۷۱

اہلِ سلسلہ کی نمایاں صفات

جو کچھ ہم فقیروں پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ ہمیشہ ذلیل و محتاج اور عاجز اور روتے اور التجا کرتے رہیں۔ بندگی کے وظیفوں کو بجا لائیں۔ شرعی حدود کی محافظت اور سُنّت سنیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کی متابعت کریں اور نیکیوں کے حاصل کرنے میں نیتّوں کو درست رکھیں۔ اور اپنے باطنوں کو خالص اور اپنے ظاہروں کو سلامت رکھیں اور اپنے عیبوں کو دیکھتے رہیں اور گناہوں کے غلبہ کا مشاہدہ کرتے رہیں۔ علام الغیوب کے انتقام سے ڈرتے رہیں اور اپنی نیکیوں کو تھوڑا سمجھیں، اگرچہ بہت ہوں۔ اور اپنی بُرائیوں کو بہت خیال کریں اگرچہ تھوڑی ہوں اور خلقت کی قبولیت اور شہرت سے ڈرتے رہیں۔

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے:

بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یُشَارَ اِلَیْهِ بِالْاَصَابِعِ فِیْ دِیْنٍ اَوْ دُنْیَا اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔

"آدمی کے لئے اتنا ہی شر کافی ہے کہ دین یا دُنیا میں انگشت نما ہو، مگر جس کو اللہ بچائے۔"

اور اپنے فعلوں اور نیتّوں کو تُہمت زیادہ خیال کریں اگرچہ وہ صبح کی سفیدی کی طرح ہوں۔ اور احوال و مواجید کی پرواہ نہ کریں اگرچہ صحیح و مطابق ہوں۔ صرف دین کی تائید اور مذہب کی تقویت اور شریعت کو رواج دینے اور خلقت کو حق کی طرف دعوت کرنے ہی سے کسی پر اعتبار نہ کر لینا چاہیئے اور نہ ہی اس کو اچھا سمجھنا چاہیئے جب تک کہ سُنّت کی متابعت پر اس کی استقامت معلوم نہ کر لیں کیونکہ اس قسم کی تائید کبھی کافر و فاجر سے بھی ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَیُؤَیِّدُ هٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ "اللہ تعالےٰ اس دین کو

مرد فاجر سے مدد دے گا"۔

جو مرید کہ طلب کے لئے آئے اور مشغولی کا ارادہ ظاہر کرے۔ اس کو شیر ببر کی طرح جاننا چاہیئے اور ڈرنا چاہیئے کہ مبادا اسی طرح سے اس کی خرابی مطلوب ہو اور اس کے حق میں یہ امر استدراج ہو۔ اور اگر بالفرض کسی مرید کے آنے میں خوشی و سرور اپنے آپ میں معلوم کریں تو اس کو کفر و شرک جانیں، اور ندامت و استغفار سے اس کا ایسا تدارک کریں کہ اس سرور کا کچھ اثر باقی نہ رہے، بلکہ اس خوشی کے بجائے خوف و حزن پیدا ہو۔ اور اچھی طرح تاکید کریں کہ مرید کے مال میں طمع اور اس کے دُنیاوی منافع میں توقع پیدا نہ ہو جائے۔ کیونکہ یہ بات مرید کی ہدایت کی مانع اور پیر کی خرابی کا باعث ہے۔ کیونکہ وہاں تو بالکل خالص دین طلب کرتے ہیں۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ۔ "خبردار ہو دین خالص اللہ ہی کیلئے ہے"۔

شرک کو اس بارگاہ میں کسی طرح گنجائش نہیں۔ اور جان لیں کہ ہر قسم کی ظلمت اور کدورت جو دل پر طاری ہو جائے وہ توبہ و استغفار اور ندامت والتجا سے اچھی طرح دُور ہو سکتی ہے۔ مگر وہ ظلمت و کدورت جو دُنیا کمینی کی محبت سے دل پر چھا جائے اور اُس کو بدمزہ اور خراب کر دے۔ اس کا دُور کرنا نہایت مشکل اور کمال دشوار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے :-

حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ ۔

"دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے"

اللہ تعالےٰ ہم کو اور آپ کو دُنیا اور دُنیا داروں کی محبت اور اُن کی صُحبت و ہم نشینی سے بچائے۔ کیونکہ یہ زہر قاتل اور مرض مہلک اور بُری بلا اور عام بیماری ہے۔ میرے سعادتمند بھائی شیخ حمید بڑی اچھی طرح ان حدود کی طرف جانے والے ہیں۔ ان سے تازہ اور نئی باتوں کے سُننے کو غنیمت جانیں۔ والباقی عند التلاقی ۔

مکتوب ۱۴۲

درویش خدامست کی صفات

میرے عزیز بھائی کا مکتوب پہنچا۔ چونکہ فقراء کی محبت اور اس بلند گروہ کی طرف التجا کرنے کے حال سے بھرا ہُوا تھا۔ اس واسطے خوشی کا باعث ہُوا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کو اپنا نقد وقت جانیں۔ لیکن جان لیں کہ اس راہ کے دیوانے اس معیت سے تسلی حاصل نہیں کرتے اور اس بُعد نما قرب سے تسکین نہیں پاتے۔ بلکہ ایسا قُرب چاہتے ہیں جو بُعد نما ہو۔ اور ایسا وصل ڈھونڈتے ہیں جو ہجر کی مانند ہو تسویف و تاخیر کو تجویز نہیں کرتے اور تعطیل و تعجیل کو بُرا خیال کرتے ہیں۔ وقت کی نقدی کو بے ہودہ زیب و زینت میں صرف نہیں کرتے۔ اور عمر کے سرمایہ کو بے فائدہ ملمع امور میں تلف نہیں کرتے۔ شریف سے خسیس کی طرف میلان نہیں کرتے اور پسندیدہ کو چھوڑ کر غضب کی ہوئی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اپنے آپ کو چرب اور شیریں لقموں کے بدلے نہیں بیچتے اور باریک و آراستہ کپڑوں کے لئے غلامی اختیار نہیں کرتے۔ وہ اس بات سے غم رکھتے ہیں کہ شاہی تخت کو تعلقات کی پلیدیوں سے آلودہ کریں۔ اور اس بات سے تنگ رکھتے ہیں کہ ملک خداوندی میں لات و عزیٰ کو شریک بنائیں۔

اے بھائی! وہاں تو فقط دین خالص طلب کرتے ہیں۔ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِص اور شرک کا غبار پسند نہیں فرماتے۔ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ۔ اگر تُو نے شرک کیا تو تیرا سب عمل اکارت گیا۔ گھڑی بھر کے لئے اپنے حال میں غور کریں۔ اگر دین خالص ہے تو آپ کو بشارت و مبارک ہو اور اگر نہیں تو واقع کا علاج وقوع سے پہلے پہلے کرنا چاہیئے۔

وہ واقع جو آپ نے لکھا تھا وہ جن کا ظہور اور اس کا باطل تصرف تھا۔ اور اس کا اس قسم کا تصرف اور ظہور طالبوں پر بہت واقع ہوتا ہے۔ آپ کچھ غم نہ کریں۔ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا۔ "شیطان کا مکر ضعیف ہے"۔ اور اگر پھر ظہور کرے تو کلمہ تمجید لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

کے تکرار سے اس کے مکر کو دفع کریں۔

وَالسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعة المصطفٰے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰات والتسلیمات اتمّھا واکملھا۔

"اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کے راستہ پر چلا اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا"۔

مکتوب ۱۷۶

وقت کی حفاظت صُوفی کا اہم فریضہ ہے

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا یَعْنِیْہِ وَاِعْرَاضُہٗ عَمَّا لَا یَعْنِیْہِ۔

"فائدے کے کام میں مشغول ہونا اور بے ہودہ کاموں سے مُنہ پھیرنا آدمی کے حُسنِ اسلام کا نشان ہے"۔

پس اپنے وقتوں کی محافظت ضروری ہے تاکہ بے ہودہ کاموں میں برباد نہ ہو جائیں شعر خوانی اور قصّہ گوئی کو دشمنوں کا نصیب جان کر خاموشی اور باطنی نسبت کی حفاظت میں مشغول ہونا چاہیئے۔ اس طریق میں یاروں کا باہم جمع ہونا باطن کی جمعیت کے لئے ہے نہ کہ دل کی پراگندگی کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ انجمن کو خلوت پر اختیار کیا ہے اور جمعیت کو اجتماع سے حاصل کیا ہے۔

وہ اجتماع جو تفرقہ کا باعث ہو اس سے الگ رہنا لازم ہے۔ باطنی جمعیت کے ساتھ جو کچھ جمع ہو جائے مبارک ہے اور جو کچھ جمع نہ ہو منحوس و نامبارک ہے۔ اس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے کہ انسان کی صحبت میں لوگوں کو جمعیت حاصل ہو۔ نہ اس طرح کہ تفرقہ میں ڈال دے۔ اپنے ورق کو اُلٹانا چاہیئے۔ اور گفتار کو چھوڑ کر خاموشی اختیار کرنی چاہیئے۔ اب شعر گوئی، بحث و جھگڑے اور باہم گفتگو کرنے کا موقع نہیں ہے۔ ع

چہ وقت مدرسہ و بحث و کشف و کشاف است

والسلام

مکتوب ۱۷۸

ترتیبِ سلوک و تصوف

خواجہ جمال الدین حسین جوانی کے وقت کو غنیمت جانیں اور جہاں تک ہو سکے حق تعالیٰ کی رضامندی میں صَرف کریں۔ یعنی اوّل لازم ہے کہ اپنے عقائد کو اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی بے خطا رایوں کے موافق درست کریں۔ دوسرے احکامِ شرعیہ فقہیتہ کے موافق عمل کریں اور تیسرے صوفیاء کرام قدس سرہم کے بلند طریقہ پر سلوک کریں:

وَمَنْ وُفِّقَ لِهٰذَا فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْ هٰذَا فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا۔

"جس کو ان سب کی توفیق حاصل ہوگئی وہ دونوں جہان میں بڑا کامیاب ہوگیا اور جو ان سے محروم رہا اس کو بڑا خسارہ حاصل ہوا۔"

مکتوب ۱۷۹

ایک نوجوان کو مکتوبِ نصیحت

نصیحت کے بارے میں میر عبداللہ بن میر نعمان کی طرف لکھا ہے:۔

اللہ تعالیٰ میرے فرزند عزیز کو اپنے نام کی طرح بندہ بننے کی توفیق بخشے۔

میرے فرزند! موسمِ جوانی کو غنیمت جان کر علوم شرعی کے حاصل کرنے اور ان علوم کے مطابق عمل کرنے میں مشغول رہیں اور کوشش کریں کہ یہ قیمتی عمر بیہودہ باتوں میں صَرف نہ ہو جائے اور کھیل کود میں برباد نہ ہو جائے۔

دُوسرے یہ کہ تمہارے والد بزرگوار چند روز تک تم سے آملیں گے انشاءاللہ ان کے پہنچنے تک متعلقین کی اچھی طرح خبر رکھیں۔ ع

پدرِ خویش باش گر مردی

ترجمہ: "اگر تو مرد ہے باپ اپنا آپ ہی بن جا"

والسلام

مکتوب ۱۸۱

شیخِ منتہی کامل کے بارے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب تحقیق

مشائخ کبارؒ کے مقاماتِ قرب کی تشریح کرنے کے بعد لکھا :

"لیکن جاننا چاہیئے کہ صاحبِ رجوع جس طرح قرب ویقین میں اکمل ہے۔ اسی طرح مقامات میں اکمل ہے۔ لیکن اس کے ان کمالات کو پوشیدہ کر دیا ہے اور خلق کی دعوت اور خلق کے ساتھ مناسبت حاصل کرنے کے لئے جو افادہ اور استفادہ کا سبب ہے۔ اس کے ظاہر کو عوام الناس کے ظاہر کی طرح کر دیا ہے۔ یہ مقام دراصل انبیائے مرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے دل کا اطمینان طلب فرمایا اور یقین کے حاصل ہونے میں عوام الناس کی طرح رویت بصری کے محتاج ہوئے اور حضرت عزیر علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا :

اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا ۔

"اللہ تعالیٰ ان کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا ؟"

اور جس نے رجوع نہیں کیا ۔ اُس نے اپنے یقین سے کہا ہے ۔

لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ لَمَا اَزْدَدْتُ یَقِیْنًا ۔

"اگر پردہ دُور کیا جائے تو پھر بھی میرا یقین زیادہ نہ ہو گا ۔"

یہ کلام اگر ثابت ہو جائے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے ہے تو اس کو اس بات پر محمول کرنا چاہیئے کہ رجوع حاصل ہونے سے پہلے فرمایا ہو۔ کیونکہ رجوع کے بعد صاحبِ رجوع عوام الناس کی طرح یقین کے حاصل ہونے میں دلائل و براہین کا محتاج ہے۔ اس درویش کے تمام معتقداتِ کلامیہ رجوع سے پہلے بدیہی ہو گئے تھے اور ان معتقدات کے یقین کو محسوسات کے یقین سے زیادہ پاتا تھا۔ لیکن رجوع کے بعد وہ یقین مستور ہو گیا اور عوام الناس کی طرح دلائل و

براہین کا محتاج ہوگیا۔ ع

چنانچہ پرورشم مے دہند مے رویم

ترجمہ : "پلتا ہوں ویسے ہی ایں جیسے کہ پالتے ہیں"

والسلام

مکتوب ۱۸۳

ایک مدرس کو مکتوب نصیحت

حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سیدھے راستے پر استقامت عطا فرمائے۔ اور کلی طور پر اپنی پاک جناب کا گرفتار کرلے۔ امید ہے کہ مختلف تعلقات اور پراگندہ توجہات جنہوں نے ظاہر پر غلبہ پایا ہوا ہے باطنی نسبت کی مانع نہ ہوں گی۔ کوشش کریں کہ وہ تخفیف جو تفرقہ ظاہر میں میسر ہے کہیں باطن میں اثر نہ کر جائے۔ اور مطلب تک پہنچنے سے ہٹا نہ رکھے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

دنیا وما فیہا اس لائق نہیں کہ قیمتی عمر خرچ کرکے اس کو حاصل کریں۔ اطلاع دینا شرط ہے۔ یہ خواب خرگوش کب تک رہے گی ؎

اے سرائے و باغ تو زندانِ تو　　　خان و مانِ تو بلائے جانِ تو

ترجمہ : باغ و بستان سب ترا زندان ہے　　　خان و ماں سب کچھ بلائے جان ہے

اگر موت سے پہلے کچھ کام کر لیا تو بہتر ورنہ خرابی در خرابی ہے۔ باطنی سبق کو عزیز جاننا چاہیئے اور جو کچھ اس کے منافی ہو اس کو دشمن خیال کرنا چاہیئے۔

؎ ہر چہ جز عشق خدائے احسن است　　　گر شکر خوردن بود جان کندن است

ترجمہ : "سوائے عشق حق جو کچھ کہ ہے ہر چند احسن ہے
شکر کھانا بھی گر ہو تو عذابِ جان کندن ہے"

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ۔ قاصد کا کام حکم پہنچا دینا ہے۔

مکتوب ۱۸۴

اتباعِ شریعت مقصود ہے احوال مقصود نہیں

اے فرزند! جو بات کل قیامت کے دن کام آئے گی وہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے اور احوال و مواجید اور علوم و معارف اور اشارات و رموز اگر اس متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو بہتر اور زہے قسمت۔ ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو مرنے کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور ان کا حال پوچھا۔ انھوں نے جواب میں کہا:

طَاحَتِ الْعِبَارَاتُ وَفَنِيَتِ الْاِشَارَاتُ وَمَا نَفَعَنَا اِلَّا رُكَيْعَاتٌ رَكَعْنَاهَا فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ۔

"سب عبارتیں اڑ گئیں اور سب اشارتیں فنا ہو گئیں اور ہم کو چند رکعتوں کے سوا جو رات کے درمیان پڑھا کرتے تھے کسی چیز نے نفع نہ دیا"۔

فَعَلَيْكُمْ بِمُتَابَعَتِهٖ وَمُتَابَعَةِ خُلَفَاءِ الْمُرْشِدِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَاِيَّاكُمْ وَمُخَالَفَةِ شَرِيْعَتِهٖ قَوْلًا وَعَمَلًا وَاِعْتِقَادًا فَاِنَّ الْاُوْلٰى يُمْنٌ وَبَرَكَةٌ وَالثَّانِيَةَ شُوْمٌ وَهَلَكَةٌ۔

"پس آپ کو لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے خلفائے راشدین علیہ و متابعت پر ثابت قدم رہیں اور قول و فعل میں شریعت کی مخالفت سے بچیں۔ کیونکہ متابعت میں یمن و برکت ہے اور مخالفت میں بدبختی اور ہلاکت "۔

مکتوب ۱۸۶

بدعت کے بارے میں حضرت مجدد کا مکتوب گرامی

عاجزی اور زاری اور التجا اور محتاجی اور ذلت و خواری کے ساتھ ظاہر اور

پوشیدہ حق تعالےٰ کی بارگاہ میں سوال کرتا ہے کہ جو کچھ اس دین میں محدث اور مبتدع پیدا ہُوا ہے۔ جو خیر البشرؐ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں نہ تھا۔ اگرچہ وہ روشنی میں صبح کی سفیدی کی مانند ہو۔ اس ضعیف کو ان لوگوں کے ساتھ جو اس بدعت سے منسوب ہیں اس محدث کے عمل میں گرفتار نہ کرے اور مبتدع کے حُسن پر فریفتہ نہ کرے۔ بحرمت سید المختار و آلہ الابرار علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

علماء نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے حسنہ اور سیئہ۔

حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد پیدا ہُوا ہو اور وہ سنت کو رافع نہ کرے۔

اور بدعت سیئہ وہ ہے جو سُنّت کی رافع ہو۔

یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حُسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت و کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگرچہ آج مبتدع کے عمل کو ضعف بصارت کے باعث طراوت و تازگی میں دیکھتے ہیں۔ لیکن کل جبکہ بصیرت تیز ہوگی تو دیکھ لیں گے کہ اس کا نتیجہ خسارت و ندامت کے سوا کچھ نہ تھا ؎

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت ۔۔۔ کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

ترجمہ: "بوقت صبح ہو جائے گا روشن روز کی مانند
کہ تُو نے عشق میں کس کے گذاری رات ہے ساری

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ ۔

"جس نے ہمارے اس امر میں ایسی نئی چیز پیدا کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مرُدود ہے"

بھلا جو چیز مرُدود ہو وہ حُسن کہاں پیدا کر سکتی ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ وَخَیْرَ الْهُدٰی

هَدْیُ مُحَمَّدٍ وَّ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

"اس کے بعد واضح ہو کہ اچھی کلام کتاب اللہ ہے اور بہتر راستہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رستہ ہے اور تمام امور سے بدتر محدثات ہیں اور ہر ایک بدعت ضلالت ہے"

اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

اُوْصِیْكُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَ اِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِیْ فَسَيَرٰی اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔

"میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور اُس کے حکموں کو مانو اور اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام ہو۔ کیونکہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تمہیں لازم ہے کہ میری سُنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سُنت کو لازم پکڑو۔ اور اس کے ساتھ پنجہ مارو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑو اور نئے پیدا ہوتے ہوئے کاموں سے بچو۔ کیونکہ ہر نیا امر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی"

پس جب ہر محدث بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی ہوئے؟

نیز جو کچھ حدیث سے مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر بدعت سنت کی رافع ہے بعض کی کوئی خصوصیت نہیں۔ پس ہر بدعت سئیہ ہے۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے :۔

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ ۔

"جب کوئی قوم بدعت کو پیدا کرتی ہے تو اُس جیسی ایک سُنت اُٹھائی

جاتی ہے۔" پس سُنت کو پنجہ سے تھامنا بدعت کے پیدا کرنے سے بہتر ہے۔

اور حسان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِي دِيْنِهِمْ اِلَّا يَرْفَعُ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيْدُهَا اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ـ

"جو کسی قوم نے دین میں بدعت کو جاری نہیں کیا مگر اللہ تعالےٰ نے اس جیسی ایک سُنت کو اُن میں سے اُٹھا لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ قیامت تک اس سُنت کو اُن کی طرف نہیں پھیرتا۔"

جاننا چاہیئے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ نے سُنت سمجھا ہے جب ان میں اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سُنت کی رفع کرنے والی ہیں۔ مثلاً میت کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ حالانکہ یہی بدعت رافع سُنت ہے۔ کیونکہ عدد مسنون یعنی تین کپڑوں پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے۔ اور ایسے ہی مشائخ نے شملۂ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے۔ حالانکہ سُنت شملہ کا دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بدعت رافع سنت ہے اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود ارادہ دلی کے زبان سے بھی نیت کہنی چاہیئے۔ حالانکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی اصحاب کرام اور تابعین عظام سے کہ اُنھوں نے زبان سے نیت کی ہو۔ بلکہ جب اقامت کہتے تھے فقط تکبیر تحریمہ ہی فرماتے تھے۔ پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور اس بدعت کو حسنہ کہا ہے۔ اور یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت رفع سُنت تو بجائے خود رہا۔ فرض کو بھی رفع کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی تجویز میں اکثر لوگ زبان ہی پر کفایت کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ ڈر نہیں کرتے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ تمام مبتدعات و محدثات کا یہی حال ہے۔ کیونکہ وہ سنت پر زیادتی ہیں۔

خواہ کسی طرح کی ہوں اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفع ہے۔

پس آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر کمربستہ رہیں اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء پر کفایت کریں کیونکہ وہ ستاروں کی مانند ہیں جن کے پیچھے چلو گے ہدایت پاؤ گے۔ لیکن قیاس اور اجتہاد کوئی بدعت نہیں کیونکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر کرتے ہیں کسی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے۔ پس داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

مکتوب ۱۹۱

احکام شریعت کا دلنشیں بیان

ہمیشہ کی سعادت اور دائمی نجات انبیاء (کہ اللہ کی رحمت وسلام ان سب پر عام طور پر اور اُن میں سے افضل پر خاص طور پر ہو) کی متابعت پر وابستہ ہے۔ اگر بالفرض ہزار ہا سال تک عبادت کی جائے اور کٹھن ریاضتیں اور سخت مجاہدے بجالائے جائیں۔ مگر جب تک ان بزرگواروں کی تابعداری کے نور سے منور نہ ہوں، جَو کے بدلے میں بھی نہیں خریدتے اور دوپہر کے سونے کے ساتھ جو سراسر غفلت اور بیکاری ہے اور جو کہ ان بزرگواروں کے حکم سے واقع ہو، برابر نہیں کرتے بلکہ اُن کو صاف میدان کے سراب کی طرح جانتے ہیں۔ خداوند جل شانہ کی کمال عنایت یہ ہے کہ تمام شرعی تکلیفوں اور دینی امروں میں بڑی آسانی اور سہولت کو مدنظر فرمایا ہے۔

مثلاً رات دن کے آٹھ پہر میں سترہ رکعت نماز کی تکلیف فرمائی ہے کہ اُن کے ادا کرنے کا سارا وقت ایک ساعت کے برابر نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ قرأت میں جس قدر میسّر ہو سکے اسی پر کفایت کی ہے۔ اور اگر قیام مشکل ہو تو قعود تجویز فرمایا ہے۔ اور قعود کے مشکل ہونے کے وقت پہلو کے بل لیٹ کر ادا۔

کرنے کا حکم فرمایا ہے اور جب رکوع و سجود مشکل ہو تو ایماء اشارہ کا ارشاد کیا ہے۔ اور وضو میں اگر پانی کے استعمال کرنے پر قدرت نہیں ہو سکتی تو تیمم کو اس کا خلیفہ بنایا ہے اور زکوٰۃ میں چالیس حصّوں میں سے ایک حصّہ فقراء اور مساکین کے لئے مقرر فرمایا ہے اور اُس کو بھی بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے چارپاؤں پر منحصر کیا ہے اور تمام عمر میں ایک ہی حج کو فرض کیا ہے۔ اس کے علاوہ خرچ اور سواری اور راستہ کے امن کو اُس کے لئے شرط قرار دیا ہے اور مباح کے دائرہ کو وسیع کیا ہے۔ چار عورتیں نکاح کے ساتھ اور لونڈیاں جس قدر چاہیں مباح فرمائی ہیں۔ اور طلاق کو عورتوں کی تبدیلی کا وسیلہ بنایا ہے۔ اور کھانے پینے کی چیزوں میں سے بہتوں کو مباح اور تھوڑوں کو حرام کیا ہے اور وہ بھی بندوں کی بہتری اور فائدہ کے لئے۔

مثلاً ایک بدمزہ اور پُرمضر شراب کو حرام کیا ہے تو اس کے عوض میں بیشمار فائدہ مند اور خوشذائقہ اور خوشبودار شربتوں کو مباح کیا ہے۔ عرق لونگ اور عرق دارچینی میں باوجود اُن کے خوش مزہ اور خوشبودار ہونے کے اس قدر فائدے اور نفعے ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ بھلا کڑوی اور بدمزہ، تُند بُو، بدخُو، ہوش کو دُور کرنے والی اور پُرخطر چیزوں کو خوشبودار اور خوشگوار چیز سے کیا مناسبت؟ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس کے علاوہ وہ فرق جو حلال و حرام ہونے کے باعث پیدا ہوتا ہے وہ جُدا ہے اور وہ تمیز جو اللہ تعالےٰ کی رضامندی اور اس کی نارضامندی کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ الگ ہے۔

اور اگر بعض ریشمی کپڑوں کو حرام کیا ہے تو کیا ڈر ہے جبکہ کئی قسم کے قیمتی اور زیب اور زینت والے کپڑے اس کے عوض حلال کئے ہیں۔ اور پشمینہ کا لباس جو عام طور پر مباح کیا ہے ریشمی لباس سے کئی درجے بہتر ہے۔ باوجود اس کے ریشمی لباس کو عورتوں پر مباح فرمایا ہے کہ اس کے نفعے بھی مَردوں ہی کو پہنچتے ہیں اور یہی حال چاندی اور سونے کا ہے کہ ان سے عورتوں کے زیور مَردوں ہی کے فائدے کے لئے بنتے ہیں۔ اگر کوئی بے انصاف باوجود اس آسانی اور سہولت کے مشکل اور دشوار جانے تو وہ دلی مرض میں مبتلا اور باطنی بیماری میں گرفتار ہے۔

بہت سے ایسے کام ہیں جن کا کرنا تندرستوں پر نہایت ہی آسان ہے لیکن کمزوروں پر نہایت ہی مشکل ہے اور مرض قلبی سے مراد آسمانی نازل ہوئے ہوئے احکام کے ساتھ دلی یقین کا نہ ہونا ہے اور یہ تصدیق جو رکھتے ہیں صرف تصدیق کی صورت ہے نہ کہ تصدیق کی حقیقت۔ اور تصدیق کی حقیقت کے حاصل ہونے کی علامت احکام شرعیہ کے بجالانے میں آسانی کا ثابت ہونا ہے۔ وَدُوْنَهَا خَرْطُ الْقَتَادِ۔ ورنہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

مکتوب ۱۹۳

عقائد کی تصحیح اور اعمال ظاہرہ کی پابندی سب چیزوں پر مقدم ہے

ارباب تکلیف پر پہلے نہایت ضروری ہے کہ علمائے اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالے سعیھم کی راؤں کے موافق اپنے عقائد کو درست کریں۔ کیونکہ عاقبت کی نجات انہی بزرگواروں کی تابعداری پر موقوف ہے اور فرقہ ناجیہ بھی یہی لوگ اور ان کے تابعدار ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین کے طریق پر ہیں۔ اور ان علوم سے جو کتاب و سنت سے حاصل ہوتے ہیں وہی معتبر ہیں جو ان بزرگواروں نے قرآن و سنت سے اخذ کئے ہیں اور سمجھے ہیں۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو اپنے خیال فاسد میں کتاب و سنت ہی سے اخذ کرتا ہے۔

پس ان کے مفہومہ معانی میں سے ہر معنی پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے اور ان عقائد حقہ کی درستی کے لئے امام اجل تورپشتی کا رسالہ بہت مناسب اور آسان فہم ہے اپنی مجلس شریف میں اس کا ذکر کرتے رہا کریں۔ لیکن رسالہ مذکورہ چونکہ استدلال پر مشتمل ہے اور اس میں طول و بسط بہت ہے اس لئے کوئی ایسا رسالہ جو صرف مسائل ہی کو شامل ہو بہتر اور مناسب ہے۔ اسی اثناء میں فقیر کے دل میں گزرا کہ اس

بارے میں ایک رسالہ لکھے جو اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ہو۔ اگر ہو سکا تو جلد ہی لکھ کر خدمت میں بھیجا جائے گا۔

ان عقائد کے درست کرنے کے بعد حلال و حرام و فرض و واجب و سُنت و مندوب و مکروہ (جن کا علم فقہ متکفل ہے) کا سیکھنا اور اس علم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ بعض طالبوں کو فرمائیں کہ فقہ کی کتاب جو فارسی عبارت میں ہو، مثل مجموعہ خوانی اور عمدۃ الاسلام کے مجلس میں پڑھتے رہا کریں۔ اور اگر نعوذ باللہ ضروری اعتقادی مسئلوں میں سے کسی مسئلہ میں خلل پڑ گیا تو نجات آخرت کی دولت سے محروم ہو گیا اور اگر عملیات میں سستی واقع ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ توبہ ہی سے معاف کر دیں اور اگر مواخذہ بھی کریں گے تو پھر بھی نجات تو ہو ہی جائے گی۔ پس عمدہ کام عقائد کا درست کرنا ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمام احوال و مواجید کو ہمیں دیدیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے عقائد کے ساتھ آراستہ نہ کریں تو سوائے خرابی کے ہم کچھ نہیں جانتے اور تمام خرابیوں کو ہم پر جمع کر دیں، لیکن ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے عقائد سے نوازش فرمائیں تو پھر کچھ خوف نہیں رکھتے۔

مکتوب نمبر ۱۹۳

کفّار کی خواری اور جہاد کی ذمہ داری اہلِ دین کی ضروریات میں سے ہے

کافر لعین گوبند اور اُس کی اولاد کا مارا جانا بہت خوب ہوا۔ اور ہنود مردود کی بڑی شکست کا باعث ہوا۔ خواہ کسی نیت سے اُس کو قتل کیا گیا ہو۔ اور خواہ کسی غرض سے اس کو ہلاک کیا ہو، بہر حال کفار کی خواری اور اہلِ اسلام کی ترقی ہے۔

اس فقیر نے اس کافر کے قتل ہونے سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ بادشاہ

وقت نے شرک کے سر کی کھوپڑی کو توڑا ہے۔ واقعی وہ بہت بت پرست اہل شرک کا رئیس اور اہلِ کفر کا امام تھا۔ خَذَلَهُمُ اللّٰهُ تعالیٰ "اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے"

اور دین و دُنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض دعاؤں میں اہلِ شرک کو اس عبارت میں لعنت و نفرین فرمائی ہے:۔

اَللّٰهُمَّ شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَخَرِّبْ بُنْيَانَهُمْ وَخُذْهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ۔

"یا اللہ! تو ان کی جمعیت کو پراگندہ کر اور ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال اور ان کے گھروں کو ویران کر اور ان کو ایسا پکڑ جیسے غالب طاقتور پکڑتا ہے"

اسلام اور اہلِ اسلام کی عزت کفر اور اہلِ کفر کی خواری میں ہے۔ جزیہ سے مقصود کفار کی خواری اور اُن کی اہانت ہے۔ جس قدر اہلِ کفر کی عزت ہو، اسی قدر اسلام کی ذلت ہے۔ اس سرشتہ کو اچھی طرح نگاہ میں رکھنا چاہیئے۔ اکثر لوگوں نے اس سررشتہ کو گم کر دیا ہے اور بدبختی سے دین کو برباد کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔

"اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کر اور اُن کے ساتھ سختی سے معاملہ کر"

کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور اُن پر سختی کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔

ﷺ

مکتوب ۱۹۴

اچھے علماء اور برے علماء

آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء ہی کی

کم بختی سے ظہور میں آیا تھا۔ اس بارے میں اُمید ہے کہ پورا پورا تتبّع مدِنظر رکھ کر علمائے دیندار کے انتخاب کرنے میں پیش دستی کریں گے۔ علمائے بد دین کے چور ہیں۔ ان کا مقصود ہمہ تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ و ریاست و بزرگی حاصل ہو جائے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ فِتْنَتِہِمْ ۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔ ہاں علماء میں سے جو بہتر ہیں وہ سب خلقت سے اچھے ہیں۔ کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو فی سبیل اللہ شہیدوں کے خون کے ساتھ تولیں گے اور ان کی سیاہی کا پلّہ بھاری ہو جائے گا۔

شَرُّ النَّاسِ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَخَیْرُ النَّاسِ خِیَارُ الْعُلَمَاءِ ۔

"سب لوگوں میں سے بُرے، بُرے عالم ہیں اور سب خلقت سے اچھے اچھے عالم ہیں۔"

مکتوب ۱۹۷

دُنیا چھوڑنے کا مطلب اور اُس کے حصول کا طریقہ

سعادت مند وہ آدمی ہے جس کا دل دُنیا سے سرد ہو گیا ہو اور حق سبحانہٗ کی محبت کی گرمی سے گرم ہو گیا ہو۔ دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور اس کا ترک کرنا تمام عبادتوں کا سردار۔ کیونکہ دُنیا حق تعالیٰ کی مغضوبہ ہے اور جب سے اُس کو پیدا کیا ہے اُس کی طرف نہیں دیکھا۔ دُنیا اور دُنیا دار طعن و ملامت کے دماغ سے داغدار ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:۔

اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَا فِیْہَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ ۔

"دُنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر۔"

جب ذاکر بلکہ اُن کے وجود کا ہر ایک رونگٹا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے پُر ہے تو وہ اس وعید سے خارج ہیں۔ اور دُنیا داروں کے شمار میں نہیں۔ کیونکہ دُنیا وہ چیز ہے جو دل کو حق تعالیٰ کی طرف سے ہٹا رکھے اور اس کے غیر کے ساتھ مشغول کر دے، خواہ وہ مال و اسباب ہو، خواہ جاہ و ریاست، خواہ ننگ و ناموس۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا۔ (مُنہ موڑ لے اُس شخص سے جس نے ہمارے ذکر سے مُنہ موڑا) نصِ قاطع ہے جو کچھ دُنیا کی قسم سے ہے وہ بلائے جان ہے۔ اہلِ دُنیا، دُنیا میں ہمیشہ کے لئے تفرقہ میں ہیں اور آخرت میں حسرت وندامت والوں میں سے۔ دُنیا کے ترک کی حقیقت سے مراد اس میں رغبت کا ترک کرنا ہے اور رغبت کا ترک کرنا اس وقت ثابت ہوتا ہے جبکہ اس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جائے اور اس مطلب کا حاصل ہونا جمعیت والے لوگوں کی صحبت کے بغیر مشکل ہے۔ ان بزرگوں کی صحبت اگر حاصل ہو جائے تو غنیمت جاننا چاہیئے۔ اور اپنے آپ کو اُن کے سپرد کرنا چاہیئے۔

مکتوب ۱۹۸

درویش کو دولت مندوں کے ساتھ تعلّق رکھنا بہرحال مُشکل ہے

میرے مخدوم! فقیروں کو دولت مندوں کے ساتھ محبت لگانی، اس زمانے میں بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اگر فقراء کچھ کہنے یا لکھنے میں تواضع اور حسن خلق جو فقراء کے لوازم میں سے ہے ظاہر کرتے ہیں تو کوتاہ اندیش لوگ اپنی بدظنی سے خیال کرتے ہیں کہ طامع اور محتاج ہیں اس لئے اس بدظنی سے دُنیا و آخرت کا خسارہ حاصل کرتے ہیں اور اُن کے کمالات سے محروم رہتے ہیں۔ اگر فقراءُ استغناء اور لاپروائی سے کہ یہ بھی لوازم فقر سے ہے کوئی بات کریں تو کوتاہ نظر اپنی بدخلقی سے قیاس کرتے ہیں کہ متکبر اور بدخلق ہیں اور نہیں جانتے کہ استغنا بھی لوازم فقر سے ہے کیونکہ جمع ضدّین اس جگہ محال نہیں ہے۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ میں نے اپنے رب کو ضدوں کے جمع ہونے سے پہچانا۔ اگرچہ اہلِ نظر اس مقدمہ کو قبول نہیں کرتے اور انکار کرتے ہیں اور محال جانتے ہیں لیکن کچھ غم نہیں کیونکہ ولایت نظر و عقل کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

مکتوب ۲۰۱

تمام علوم کا ایک حرف میں جمع ہونا

جناب کوچک بیگ حصاری نے پوچھا ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ علوم سب کے سب دو تین حرفوں میں مندرج ہیں۔ اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں، اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ظاہراً اس شخص نے علم وسماع اور کتابوں کے مطالعہ کی رو سے کہا ہوگا کیونکہ متقدمین بزرگوں سے اس قسم کی باتیں سرزد ہوئی ہیں۔

حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ تمام علوم بسم اللہ کی با میں مندرج ہیں بلکہ اس باء کے نقطہ میں۔ اور اگر وہ شخص اس بات میں کشف کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا امر دو حال سے خالی نہیں۔ اگر وہ یہ کہے کہ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تمام علوم دو تین حرفوں میں عام طور پر مندرج ہیں۔ خواہ ان دو تین حرفوں کو اس طور پر اسے جتلایا گیا ہو یا نہ تو صدق کا احتمال رکھتا ہے۔ اور اگر کہے کہ سب علوم کو دو تین حرفوں کے ضمن میں مجھ پر منکشف کیا ہے۔ اور ان دو تین حرفوں کے صفحہ میں تمام علوم کا مطالعہ کرتا ہوں تو وہ جھوٹا مدعی ہے اور اس کی بات کا یقین نہ کرنا چاہیئے ۔

مکتوب ۲۰۲

خلافِ شریعت وجد وحال اور کشف والہام نیم جَو کے برابر بھی نہیں

صوفیوں کی بے ہودہ باتوں سے کیا حاصل ہوتا ہے اور ان کے احوال سے کیا بڑھتا ہے۔ وہاں وجد وحال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تولیں نیم چیتل سے نہیں خریدتے اور کشف اور الہاموں کو جب تک کتاب وسنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم جو کے برابر بھی پسند نہیں کرتے ۔

طریق صوفیہ پر سلوک کرنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقداتِ شرعیہ کا جو ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور فقیہہ احکام کے ادا کرنے میں آسانی میسّر ہو۔ نہ کہ اس کے سوا کچھ اور امر۔ کیونکہ رویت کا وعدہ آخرت میں ہے اور دُنیا میں البتہ واقع نہیں ہے۔ وہ مشاہدات اور تجلّیات جن کے ساتھ صوفیاء خوش ہیں وہ صرف ظلال سے آرام پانا اور شبہ و مثال سے تسلّی حاصل کرنا ہے۔

عجب کاروبار ہے کہ اگر ان کے مشاہدات اور تجلّیات کی حقیقت پُوری پُوری بیان کی جائے تو یہ ڈر لگتا ہے کہ اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور اور اُن کے شوق میں قصور پڑ جائے گا۔ اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر باوجود علم کے کچھ بھی نہ کہے تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا:

یَا دَلِیْلَ المتحیّرین دُلَّنِیْ بِحُرْمَةِ مَنْ جَعَلْتَهٗ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ عَلیه وَعَلٰی اٰله الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ۔

" اے سرگشتہ اور حیرانوں کے راہ دکھانے والے ہم کو اُس وجودِ پاک کی حرمت سے سیدھے راہ کی ہدایت کر جس کو تُو نے رحمۃ للعلمین بنایا ہے صلّی اللہ علیہ وسلم۔

مکتوب نمبر ۲۰۹

رسالہ " مبداء و معاد " کی بعض عبارتوں کا حل اور بعض عبارات سے حضرت مجددؒ کا رجوع

مکتوب ۲۰۹، دفتر اوّل، از صد ۳۴۳ تا صد ۳۴۹ ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب نمبر ۲۱

مکتوبِ نصیحت اتباعِ شریعت، محبتِ صحابہؓ اور صحبتِ اولیاء اللہ

میرے مخدوم! عمر کا بہتر اور قیمتی حصّہ ہوا و ہوس میں گزر گیا اور اللہ تعالےٰ کے دشمنوں کی رضامندی میں بسر ہوا اور عمر کا تھوڑا حصّہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر آج ہم اس کو اللہ تعالےٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں صرف نہ کریں اور اشرف کی تلافی ارذل سے نہ کریں اور تھوڑی محنت کو ہمیشہ کے آرام کا وسیلہ نہ بنائیں اور تھوڑی نیکیوں سے بہت سی برائیوں کا کفّارہ نہ کریں۔ کل کونسا منہ لے کر ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جائیں گے اور کیا حیلہ پیش کریں گے۔ یہ خوابِ خرگوش کب تک رہے گا۔ اور غفلت کی رُوئی کب تک کانوں میں پڑی رہے گی۔ آخر ایک دن بینائی سے پردے اُٹھا دیں گے اور غفلت کی رُوئی کانوں سے دُور کر دیں گے لیکن پھر کچھ فائدہ نہ ہوگا اور سوائے حسرت و ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ موت کے آنے سے پہلے ہی اپنا کام بنا لینا چاہیئے۔ اور وا شوقا کہتے ہُوئے مرنا چاہیئے۔

اوّل عقائد کا درست کرنا ضروری ہے اور اس امر کی تصدیق سے جو تواتر و ضرورت کے طور پر دین سے معلوم ہُوا ہے چارہ نہیں ہے۔

دوسرے ان باتوں کا علم و عمل ضروری ہے جن کا متکفل علم فقہ ہے۔

اور تیسرے طریقہ صوفیہ کا سلوک بھی درکار ہے۔

نہ اس غرض کے لئے کہ غیبی صُورتیں اور شکلیں مشاہدہ کریں اور نوروں اور رنگوں کا معائنہ کریں حسّی صورتیں اور انوار کیا کم ہیں کہ کوئی ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں سے غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کرے۔ حالانکہ یہ حسّی صورتیں اور انوار اور وہ غیبی صورتیں اور انوار دونوں حق تعالےٰ کی مخلوق ہیں اور حق تعالےٰ کے صانع ہونے پر روشن دلیلیں ہیں۔ چاند و سورج کا نور جو عالمِ شہادت سے ہے

اُن انوار سے جو عالمِ مثال میں دیکھیں کئی گنا زیادہ ہے۔ لیکن چونکہ یہ دید دائمی ہے اور خاص و عام اس میں شریک ہیں اس لئے اس کو نظر اور اعتبار میں نہ لاکر انوار غیبی کی ہوس کرتے ہیں۔ ہاں ع

آبے کہ رود پیش درت تیرہ نماید

ترجمہ:- "سیاہ پانی نظر آئے تجھے در پر جو جاری ہے"

بلکہ طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ میں یقین زیادہ حاصل ہو جائے تاکہ استدلال کی تنگی سے کشف کے میدان میں آجائیں۔

مثلاً واجب الوجود تعالےٰ و تقدس کا وجود جو اول استدلال یا تقلید کے طور پر معلوم ہوا تھا اور اس کے اندازہ کے موافق یقین حاصل ہوا تھا جب طریق صوفیہ کا سلوک میسّر ہو۔ تو یہ استدلال و تقلید کشف شہود سے بدل جاتا ہے اور یقین اکمل حاصل ہو جاتا ہے۔ سب اعتقادی امور میں یہی قیاس ہے اور نیز طریق صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود ہے کہ احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو جائے اور وہ مشکل دُور ہو جائے جو نفس کی امّارگی سے پیدا ہوتی ہے اور اس فقیر کا یہ یقین ہے کہ طریق صوفیہ حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے نہ شریعت کے مخالف کچھ اور امر۔ اور اپنی کتابوں اور رسالوں میں اس معنی کی تحقیق کی ہے۔

اور اس غرض کے حاصل ہونے کے لئے تمام طریقوں میں سے طریقہ علیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے سُنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر متابعت کی دولت ان کو حاصل ہو اور احوال کچھ نہ رکھتے ہوں تو خوش ہیں اور اگر باوجود احوال کے متابعت میں قصور معلوم کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ اگر تمام احوال و مواجید ہمیں دیدیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے اعتقاد سے نوازش نہ فرمائیں تو سوائے خرابی کے ہم کچھ نہیں جانتے۔ اور اگر اہل سنت و جماعت کا اعتقاد ہم کو دے دیں اور احوال کچھ نہ دیں تو پھر کچھ غم نہیں ہے اور نیز اس طریق میں نہایت بدایت میں مندرج ہے۔ پس یہ بزرگ پہلے قدم میں وہ کچھ حاصل کر

لیتے ہیں جو دوسروں کو نہایت میں جا کر حاصل ہوتا ہے۔

اگر فرق ہے تو صرف اجمال و تفصیل اور شمول و عدم شمول کا ہے۔ یہ نسبت بعینہ اصحاب کرام علیہم الرضوان کی نسبت ہے۔ کیونکہ اصحاب حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی صحبت میں وہ کچھ حاصل کر لیتے تھے جو اولیائے اُمت کو نہایت میں بھی شاید ہی حاصل ہو۔

یہی وجہ ہے کہ خواجہ اویس قرنی قدس سرہٗ جو خیر التابعین ہیں، حضرت حمزہ رضؓ کے قاتل وحشی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتے جس کو صرف ایک ہی دفعہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی۔ کیونکہ صحبت کی بزرگی تمام فضیلتوں اور کمالوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے ان کا ایمان شہودی ہے اور دوسروں کو یہ دولت ہرگز نصیب نہیں ہوئی۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

یہی وجہ ہے کہ اُن کا ایک مُد جو خرچ کرنا دوسروں کے پہاڑ جتنا سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے اور تمام اصحاب اس فضیلت میں برابر ہیں۔

پس سب کو بزرگ جاننا چاہیئے اور نیکی سے یاد کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اصحاب سب کے سب عادل ہیں اور روایت اور تبلیغ احکام میں سب برابر ہیں۔ ایک کی روایت کو دوسرے کی روایت پر کوئی زیادتی نہیں ہے۔ قرآن مجید کے اُٹھانے والے یہی لوگ ہیں۔ اور آیاتِ متفرقہ کو ان کے عادل ہونے کے بھروسہ پر ہر ایک سے دو آیتیں یا تین آیتیں کم و بیش اخذ کر کے جمع کیا ہے۔ اگر اصحاب میں سے کسی ایک پر طعن کریں تو وہ طعن قرآن مجید کے طعن تک پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض آیات کا حامل وہی ہو۔ اور ان کی مخالفتوں اور جھگڑوں کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے جو صحابہ کے احوال کو بخوبی جانتے ہیں فرمایا ہے کہ :-

تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا اَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا۔

"یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا۔"

پس ہمیں چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں۔ اور اسی قسم کا مقولہ امام اجل حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ سے بھی منقول ہے۔

والسلام اوّلاً و آخراً ❖

مکتوب ۲۱۱

ایک مجاز کے نام مکتوب نصیحت

جاننا چاہیئے کہ جب کوئی طالب آپ کے پاس ارادت سے آئے۔ اس کو طریقہ سکھانے میں بڑا تامل کریں۔ شاید اس امر میں آپ کا استدراج مطلوب ہو اور خرابی منظور ہو۔ خاص کر جب کسی مُرید کے آنے میں خوشی و سرور پیدا ہو تو چاہیئے کہ اس بارہ میں التجا و تضرع کا طریق اختیار کر کے بہت سے استخارے کریں تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کو طریقہ سکھانا چاہیئے اور استدراج و خرابی مراد نہیں۔ کیونکہ حق تعالےٰ کے بندوں میں تصرّف کرنا اور اپنے وقت کو اُن کے پیچھے ضائع کرنا اللہ تعالےٰ کے اذن کے بغیر جائز نہیں۔ آیت کریمہ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (تاکہ تو لوگوں کو اندھیرے سے نور کی طرف نکالے اللہ کے اِذن سے) اسی مطلب پر دلالت کرتی ہے۔

ایک بزرگ فوت ہو گیا اس کو خطاب ہُوا کہ تو وہی ہے کہ جس نے میرے دین میں میرے بندوں پر زرہ بیچی تھی۔ اُس نے کہا ہاں! فرمایا کہ تُو نے میری خلق کو میری طرف کیوں نہ چھوڑا اور دل کو کیوں نہ میری طرف متوجہ کیا۔

اور وہ اجازت جو آپ کو اور دوسروں کو دی گئی ہے چند شرائط پر مشروط ہے اور حق تعالےٰ کی رضامندی کا علم حاصل کرنے پر وابستہ ہے۔ ابھی وقت نہیں آیا کہ مطلق اجازت دی جائے۔ اس وقت کے آنے تک شرائط کو اچھی طرح مدِنظر رکھیں۔ اطلاع دینا شرط ہے اور میر نعمان کی طرف بھی یہی لکھا گیا ہے وہاں سے معلوم کر لیں۔ غرض کوشش کریں تاکہ وہ وقت آ جائے اور شرائط کی تنگی سے چھوٹ جائیں۔

والسلام ❖

مکتوب نمبر ۲۱۳

اہل سنت والجماعت کا اتباع اور دُنیا طلب علماء سے اجتناب

اے شرافت و نجابت کے مرتبہ والے تمام نصیحتوں کا خلاصہ دینداروں اور شریعت کے پابندوں کے ساتھ میل جول رکھنا ہے اور دین و شریعت کا پابند ہونا تمام اسلامی فرقوں میں سے فرقہ ناجیہ یعنی اہل سُنت و جماعت کے طریقہ حقہ کے سلوک پر وابستہ ہے۔ ان بزرگواروں کی متابعت کے بغیر نجات محال ہے۔ اور اُن کے عقائد کے اتباع کے بغیر خلاصی دشوار ہے۔ تمام عقلی اور نقلی اور کشفی دلیلیں اس بات پر شاہد ہیں۔ ان میں سے کسی میں خلاف کا احتمال نہیں ہے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص ان بزرگواروں کے سیدھے راستہ سے ایک رائی کے برابر بھی الگ ہو گیا تو اس کی صحبت کو زہرِ قاتل جاننا چاہیئے اور اُس کی ہم نشینی کو زہر مار خیال کرنا چاہیئے۔

بے باک طالب علم خواہ کسی فرقہ سے ہوں دین کے چور ہیں۔ اُن کی صحبت سے بھی بچنا ضروری ہے۔ یہ سب فتنہ و فساد جو دین میں پیدا ہوا ہے، انہی لوگوں کی کم بختی سے ہے کہ انھوں نے دُنیاوی اسباب کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۔

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی۔ بس اُن کی اس تجارت نے اُن کو نفع نہ دیا اور نہ ہی انھوں نے ہدایت پائی"۔

کسی شخص نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ آسودہ اور فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے ہاتھ کوتاہ کیا ہوا ہے۔ اُس نے اس کا سبب پوچھا۔ لعین نے کہا کہ اس وقت کے بُرے علماء میرا کام کر رہے ہیں اور گمراہ کرنے اور بہکانے کے ذمہ دار ہوئے ہیں۔

مکتوب ۲۱۵

دُنیا حق تعالےٰ کی مبغوضہ اور تمام نجاستوں سے زیادہ مُردار ہے

اے فرزند! دُنیا دار اور دولتمند بڑی بلا میں گرفتار ہیں اور ابتلائے عظیم میں مُبتلا ہیں۔ کیونکہ دُنیا کو جو حق تعالےٰ کی مبغوضہ ہے اور تمام نجاستوں سے زیادہ مردار ہے اُن کی نظروں میں آراستہ اور پیراستہ ظاہر کیا ہے جس طرح کہ نجاست کو سونے سے مُلمع کریں اور زہر کو شکر میں ملا دیں۔ حالانکہ عقل دُور اندیش کو اس کمینی کی بُرائی سے آگاہ کر دیا ہے اور اس ناپسندیدہ کی قباحت پر ہدایت و دلالت فرمائی ہے۔ اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال زمانہ کے عقلمند کو دیں تو زاہد کو دینا چاہیئے جو دُنیا سے بے رغبت ہے اور اس کی وہ بے رغبتی اُس کی کمال عقل سے ہے۔

اس کے علاوہ صرف عقل کے ایک گواہ پر کفایت نہیں کی، نقل کا دوسرا گواہ بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے جو اہلِ جہان کے لئے سراسر رحمت ہیں، اس کھوٹے اسباب کی حقیقت پر اطلاع بخشی ہے اور اس فاحشہ مکّار کی محبت و تعلق سے بہت منع فرمایا ہے۔

ان دو عادل گواہوں کے موجود ہوتے بھی اگر کوئی شکر موہوم کی طمع پر زہر کھالے اور خیالی سونے کی امید پر نجاست اختیار کرلے۔ تو وہ شخص بڑا ہی بیوقوف اور احمق بالطبع ہے بلکہ انبیاء[1] کی اخبار کا منکر ہے۔ ایسا شخص منافق کا حکم رکھتا ہے کہ اس کا ظاہری ایمان آخرت میں اُس کو کچھ فائدہ نہ دے گا اور اس کا نتیجہ دنیاوی خون اور مال کے بچاؤ کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔ آج غفلت کی رُوئی کانوں سے نکالنی چاہیئے ورنہ کل حسرت و ندامت کے سوا کچھ سرمایہ حاصل نہ ہو گا۔ خبر کرنا ضروری ہے ؎

ہمہ اندر زمن بتو ایں است ۔۔۔ کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

ترجمہ: نصیحت میری تجھ سے ساری یہی ہے ۔۔۔ منقش ہے گھر اور تو لڑکا ابھی ہے

مکتوب ۲۱۶

کراماتِ اولیاء کے بارے میں حضرت مجددؒ کی تحقیق

میرے مخدوم! چونکہ ولایت کی بحث درمیان ہے اور عوام کی نظر خوارق کے ظاہر ہونے پر لگی ہے۔ اس لئے اس قسم کی بعض باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ذرا غور سے سُنئے گا۔

ولایت فناء و بقاء سے مراد ہے کہ خوارق اور کشف خواہ کم ہوں یا زیادہ اس کے لوازم سے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ جس سے خوارق زیادہ ظاہر ہوں اس کی ولایت بھی اتم ہو۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خوارق بہت کم ظاہر ہوتے ہیں، مگر ولایت اکمل ہوتی ہے۔

خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے۔ عروج کے وقت زیادہ بلند جانا اور نزول کے وقت بہت کم نیچے اُترنا۔ بلکہ کثرت خوارق کے ظہور میں اصل عظیم قلت نزول یعنی بہت کم نزول کرنا ہے۔ عروج کی جانب خواہ کسی کیفیت سے ہو۔ کیونکہ صاحب نزول عالمِ اسباب میں اُتر آتا ہے اور اشیاء کے وجود کو اسباب سے وابستہ معلوم کرتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے کے پیچھے دیکھتا ہے اور وہ شخص کہ جس نے نزول نہیں کیا، یا نزول کر کے اسباب تک نہیں پہنچا۔ اُس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے۔ کیونکہ مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث تمام اسباب اس کی نظر سے مرتفع ہو گئے ہیں۔

پس حق تعالےٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اُس کے ظن کے موافق علیحدہ علیحدہ معاملہ کرتا ہے۔ اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے۔ اور وہ جو اسباب کو نہیں دیکھتا اس کا کام اسباب کے وسیلہ کے بغیر مہیا کر دیتا ہے۔ حدیث قدسی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ بِیْ عَبْدِیْ اس مطلب کی گواہ ہے۔

بہت مدت تک دل میں کھٹکتا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ اس اُمت میں اکمل اولیاء

بہت گزرے ہیں۔ مگر جس قدر خوارق حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ سے ظاہر ہوئے ہیں۔ ویسے خوارق اُن میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ آخر کار حق تعالیٰ نے اس معمہ کا بھید ظاہر کر دیا اور جتلا دیا کہ ان کا عروج اکثر اولیاء اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے اور نزول کی جانب میں مقامِ رُوح تک نیچے اُترے ہیں جو عالمِ اسباب سے بلند تر ہے۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حبیب عجمی قدس سرہٗ ہما کی حکایت اسی مقام کے مناسب ہے۔ منقول ہے کہ ایک دن حسن بصریؒ دریا کے کنارے پر کھڑے ہوئے کشتی کا انتظار کر رہے تھے کہ دریا سے پار ہوں۔ اسی اثناء میں خواجہ حبیب عجمیؒ بھی آنکلے۔ پوچھا آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ عرض کیا کہ کشتی کا انتظار کر رہا ہوں حضرت حبیب عجمیؒ نے فرمایا کہ کشتی کی کیا حاجت ہے؟ کیا آپ یقین نہیں رکھتے؟ خواجہ حسن بصریؒ نے کہا کہ آپ علم نہیں رکھتے۔ غرض خواجہ حبیب عجمیؒ کشتی کی مدد کے بغیر دریا سے گزر گئے اور خواجہ حسن بصریؒ کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے۔

خواجہ حسن بصریؒ نے چونکہ عالمِ اسباب میں نزول کیا ہوا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ اسباب کے وسیلہ سے معاملہ کرتے تھے اور حبیب عجمی نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر سے دُور کر دیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اسباب کے وسیلہ کے بغیر زندگانی بسر کرتے تھے۔ لیکن فضیلت حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے لئے ہے جو صاحبِ علم ہے اور جس نے عین الیقین کو علم الیقین کے ساتھ جمع کیا ہے اور اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں جانا ہے۔ کیونکہ قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت کے پیچھے پوشیدہ کیا ہے۔ اور حبیب عجمیؒ صاحبِ سُکر ہے اور فاعل حقیقی پر یقین رکھتا ہے بغیر اس بات کے کہ اسباب کا درمیان میں دخل ہو۔

یہ دید نفسِ امر کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ اسباب کا وسیلہ واقع کے اعتبار سے ثابت و کائن ہے۔ لیکن تکمیل و ارشاد کا معاملہ ظہور خوارق کے معاملہ کے برعکس ہے۔ کیونکہ مقام ارشاد میں جس کا نزول جس قدر زیادہ تر ہو گا اسی قدر وہ زیادہ کامل ہو گا۔ کیونکہ ارشاد کے لئے مرشد و مسترشد کے درمیان اس مناسبت کا حاصل ہونا ضروری ہے جو نزول سے وابستہ ہے۔

اور جاننا چاہیئے کہ جس قدر کوئی اُوپر جاتا ہے اُسی قدر نیچے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اُوپر گئے اور نزول کے وقت سب سے نیچے آ گئے۔ اسی واسطے آپ کی دعوت اتم ہوئی اور آپ تمام خلق کی طرف بھیجے گئے۔ کیونکہ نہایت نزول کے باعث سب کے ساتھ مناسبت پیدا کی اور افادہ کا راستہ کامل تر ہو گیا۔ اور بسا اوقات اس راہ کے متوسطوں سے اس قدر طالبوں کا فائدہ وقوع میں آتا ہے۔ جو غیر مرجوع منتہیوں سے میسّر نہیں ہوتا۔ کیونکہ متوسط غیر مرجوع منتہیوں کی نسبت مبتدیوں کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

اسی سبب سے شیخ الاسلام ہروی قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ اگر خرقانیؒ اور محمد قصاب موجود ہوتے تو میں تم کو محمد قصابؒ کے پاس بھیجتا اور خرقانیؒ کی طرف نہ جانے دیتا۔ کیونکہ وہ خرقانیؒ کی نسبت تمہارے لئے زیادہ فائدہ مند ہوتا۔ یعنی خرقانی منتہی تھے۔ مرید آپ سے بہت کم فائدہ حاصل کرتے تھے یعنی منتہی غیر مرجوع تھے نہ کہ مطلق منتہی۔ کیونکہ کامل افادہ کا نہ ہونا اس کے حق میں غیر واقع ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ منتہی تھے۔ حالانکہ آپ کا افادہ سب سے زیادہ تھا۔ پس افادہ کے کم یا زیادہ ہونے کا مدار رجوع اور ہبوط پر ہے نہ کہ انتہا اور عدم انتہا پر۔

یہاں ایک نکتہ ہے جس کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس طرح نفس ولایت کے حاصل ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے جیسے کہ مشہور ہے۔ اسی طرح اس کو اپنے خوارق کے وجود کا علم ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے خوارق نقل کرتے ہیں اور اس کو ان خوارق کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی اور وہ اولیاء جو صاحب علم اور کشف ہیں اُن کے لئے جائز ہے کہ اپنے بعض خوارق پر اس کو اطلاع دے دیں۔ بلکہ ان کی مثالیہ صورتوں کو متعدد مکانوں میں ظاہر کریں اور دُور دراز جگہوں میں ان صُورتوں سے ایسے عجیب و غریب کام ظہور میں لائیں جن کی اس صورتوں والے کو ہرگز اطلاع نہیں ہے۔ ع

از ما و شما بہانہ ساختہ اند

ترجمہ: "بہانہ ہے ہمارا اور تمہارا درمیاں ہیں"

حضرت مخدوم قبلہ گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کہتے تھے کہ عجیب کاروبار ہے کہ لوگ اطراف و جوانب سے آتے ہیں بعض کہتے ہیں ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے اور موسمِ حج میں حاضر پایا ہے اور ہم نے آپ سے مل کر حج کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا ہے اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں؛ اور میں ہرگز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں۔ اور نہ ہی کبھی اس قسم کے آدمیوں کو دیکھا ہے۔ کتنی بڑی تہمت ہے جو ناحق مجھ پہ لگاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا -

"سب کاموں کی حقیقت کو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے"۔

اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔

مکتوب ۲۱۷

طویل مکتوبِ تصوّف

۱۔ انتہائے نسبت میں حیرانی ہونا ۲۔ کشف کونی میں غلطی کا امکان
۳۔ قضائے مبرم اور قضائے معلق ۴۔ الہامی علم میں بھی غلطی ہوسکتی ہے
۵۔ مقصودِ سلوک اعمال ہیں احوال نہیں ۶۔ مہمانہ کو اپنی فکر سے غافل ہونا جائز نہیں۔

مُدت گزری ہے کہ اپنے احوال و اوضاع سے آپ نے اطلاع نہیں دی۔ ہر حال میں استقامت مطلوب ہے نکوشش کریں کہ از روئے عمل اور اعتقاد کے سرِ مو خلاف شریعت سرزد نہ ہو اور باطنی نسبت کی حفاظت نہایت ہی ضروری ہے۔

۱۔ اور باطنی نسبت جس قدر جہالت کی طرف جائے اسی قدر زیبا ہے اور جس قدر حیرت تک پہنچے اُسی قدر بہتر ہے۔ کیونکہ کشوفِ الٰہی اور ظہوراتِ اسمائی

سب راستہ کے درمیان ہیں۔ وصول کے بعد یہ سب کم ہو جاتے ہیں۔ اور جہالت اور مطلوب کے نہ پانے کے سوا کچھ نہیں رہتا۔

۲۔ کشوف کونی کی نسبت کیا لکھا جائے۔ کیونکہ ان میں خطار کی مجال بہت ہے اور غلطی کا گمان غالب ہے۔ ان کے عدم و وجود کو یکساں جاننا چاہیئے۔ اگر پوچھیں کہ کیا سبب ہے کہ بعض کونی کشوف میں جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور ان کے برخلاف ظہور میں آتا ہے۔

مثلاً خبر دی کہ فلاں آدمی ایک ماہ کے بعد مر جائے گا یا سفر سے واپس وطن میں آئے گا۔ اتفاقاً ایک ماہ کے بعد ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی وقوع میں نہ آئی تو اس کا یہ جواب ہے کہ وہ چیز جس کا کشف ہوا ہے اور اس کی خبر دی گئی ہے اس کا حاصل ہونا شرائط پر مشروط تھا کہ صاحبِ کشف نے اُس وقت ان شرائط سے مفصل طور پر اطلاع نہیں پائی اور مطلق طور پر اس شئے کے حاصل ہونے کا حکم کیا ہے۔ یا یہ وجہ ہے کہ لوحِ محفوظ کے احکام میں سے کوئی حکم عارف پر ظاہر ہوا ہے کہ وہ حکم فی نفسہٖ محو و اثبات کے قابل ہے۔ اور قضاء معلّق کی قسم ہے لیکن اس عارف کو اس حکم کے محو و اثبات کی تعلیق اور قابلیت سے کچھ خبر نہیں ہے۔ اس صُورت میں اگر اپنے علم کے موافق حکم کرے گا تو اس میں ضرور ہی خلاف کا احتمال ہو گا۔

لکھا ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک شخص کے حق میں یہ خبر دی کہ یہ جوان کل صبح ہوتے ہی مر جائے گا۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس جوان کے حال پر رحم آیا۔ اس سے پوچھا کہ تُو دنیا سے کیا آرزو رکھتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ دو چیزیں۔ ایک کنواری بیوی، دوسرے حلوہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزیں مہیا کرنے کا حکم فرمایا۔ وہ جوان اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ حلوے کا طبق ان کے آگے رکھا تھا کہ اسی اثناء میں ایک سائل محتاج نے دروازہ پر آ کر اپنی حاجت کو ظاہر کیا۔ اس جوان نے وہ حلوے کا طبق اُٹھا کر اس فقیر کو دے دیا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جوان کے مرنے کی خبر کا انتظار کرنے لگے۔ جب دیر ہوگئی تو فرمایا کہ اس جوان کی خبر لاؤ کہ کیا حال ہے؟ معلوم ہوا کہ خوش و خرم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حیران رہ گئے۔ اسی اثناء میں حضرت جبرئیلؑ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس حلوے کے صدقہ نے اس جوان کی بلا کو دفع کیا۔ جب اس کے بستر کو دیکھا تو اس کے نیچے ایک بڑا سانپ مُردہ پایا اور اس کے پیٹ میں اس قدر حلوا پڑا ہوا دیکھا کہ حلوے کی زیادتی سے جان دے دی۔ لیکن یہ فقیر اس نقل کو پسند نہیں کرتا اور جبرئیل علیہ السلام پر خطا تجویز نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ وحی قطعی کا حامل ہے اور وحی کے حامل پر خطا کا احتمال بُرا جانتا ہے۔

ہاں اگر یہ کہیں کہ اس کی عصمت و امانت اور خطا کا احتمال نہ ہونا اس وحی سے مخصوص ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے صرف تبلیغ پر موقوف ہے اور اس خبر میں اس قسم کی وحی نہیں ہے بلکہ علمی اخبار ہے اور لوح محفوظ سے مستفاد ہے۔ جو محو و اثبات کا محل ہے تو اس خبر میں خطا کی مجال ہو سکتی ہے۔ برخلاف وحی کے جو مجرد تبلیغ ہے۔ پس دونوں میں فرق ظاہر ہوگیا۔ جیسے کہ شہادت اور اخبار کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ اول شرع میں معتبر ہے اور دوسرا غیر معتبر۔

۳۔ قضائے مبرم اور قضائے معلق :

اے میرے سعادت مند بھائی! آپ کو معلوم کرنا چاہیئے کہ قضاء دو قسم پر ہے (۱) قضائے معلق (۲) قضائے مبرم۔

قضائے معلق میں تغیّر و تبدل کا احتمال ہے اور قضائے مبرم میں تغیّر و تبدل کی مجال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ "میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا"۔

یہ قضائے مبرم کے بارے میں ہے۔ اور قضائے معلق کے بارے میں فرماتا ہے :۔

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ۔

"جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس اُم الکتاب ہے"۔

میرے حضرت قبلہ گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانیؒ

نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے۔ اگر چاہوں تو میں اس میں بھی تصرّف کروں۔ اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے۔

یہ نقل بہت مُدّت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی۔ یہاں تک کہ حضرت حق تعالےٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا۔ ایک دن ایک بلیّہ کے دفع کرنے کے دَرپے ہُوا۔ جو کسی دوست کے حق میں مقرر ہو چکی تھی۔ اس وقت بڑی التجا اور عاجزی اور نیاز وخشوع کی، تو معلوم ہُوا کہ لوحِ محفوظ میں اس امر کی قضاء کسی امر سے معلق اور کسی شرط پر مشروط نہیں ہے۔ اس بات سے بڑی یاس و ناامیدی حاصل ہُوئی اور حضرت سید محی الدین قدس سرّہٗ کی بات یاد آئی۔ دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہُوا اور بڑی عجز و نیاز سے متوجہ ہُوا۔ تب محض فضل وکرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح پر ہے۔ ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ میں ظاہر ہُوا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دی ہے۔ اور دوسری وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا صرف اللہ تعالےٰ ہی کے پاس ہے اور لوحِ محفوظ میں قضائے مبرم کی صُورت رکھتی ہے اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔

پھر معلوم ہُوا کہ حضرت سید قدس سرّہٗ کی بات بھی اسی اخیر قسم پر موقوف ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے۔ نہ اس قضاء پر جو حقیقت میں مبرم ہے۔ کیونکہ اس میں تصرف وتبدیل عقلی اور شرعی طور پر محال ہے۔ اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی نہیں ہے تو پھر اس میں تصرف کیسے کر سکے؟ اور اس آفت ومصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی قسم اخیر میں پایا۔ اور معلوم ہُوا کہ حق تعالےٰ نے اس بلیّہ کو دفع فرما دیا ہے۔

۴۔ الہامی علم میں بھی غلطی ہوسکتی ہے:

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض اوقات بعض علوم الہامی میں بھی جو خطا ہو جاتی ہے اُس کا سبب یہ ہے کہ بعض مسلمہ مقدمات جو صاحبِ الہام کے نزدیک ثابت اور حقیقت میں کاذب ہیں، علوم الہامی کے

ساتھ اس طرح مل جاتے ہیں کہ صاحب الہام تمیز نہیں کر سکتا بلکہ تمام علوم کو الہامی خیال کرتا ہے۔

پس ان علوم کے بعض اجزاء میں خطا ہونے کے باعث مجموع علوم میں خطا واقع ہو جاتا ہے اور نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کشف اور واقعات میں امور غیبی کو دیکھتا اور خیال کرتا ہے کہ ظاہر پر محمول ہیں اور صورت پر منحصر ہیں تو اس خیال کے موافق حکم کرتا ہے اور خطا واقع ہو جاتی ہے۔ اور نہیں جانتا کہ وہ امور ظاہر کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں۔ اور تاویل و تعبیر پر محمول ہیں۔ اس مقام پر تمام کشف غلط واقع ہوتے ہیں۔

غرض جو کچھ قطعی اور اعتبار کے لائق ہے وہ صرف کتاب وسنت ہے جو وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں اور فرشتہ کے نازل ہونے سے مقرر ہوئے ہیں۔ اور علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد بھی انہی دو اصلوں کی طرف راجع ہے۔ ان چار شرعی اصول کے سوا اور جو کچھ ہو خواہ صوفیہ کے علوم و معارف ہوں اور خواہ ان کے کشف والہام۔ اگر ان اصول کے موافق ہیں تو مقبول ہیں ورنہ مردود۔ وہاں وجد و حال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تول لیں، نیم جو سے بھی نہیں خریدتے اور کشوف والہامات کو جب تک کتاب وسنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں ہم چیتل کے برابر بھی پسند نہیں کرتے۔

۵۔ مقصودِ سلوک اعمال ہیں احوال نہیں:

طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ کی حقیقت پر جو ایمان کی حقیقت ہیں یقین زیادہ ہو جائے اور احکام شرعیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو نہ کچھ اور امراس کے سوا، کیونکہ رویت کا وعدہ آخرت کو ہے۔ اور دنیا میں ثابت نہیں ہے۔ اور وہ مشاہدے اور تجلیات جن پر صوفیہ خوش ہیں وہ ظلال سے آرام اور شبہ و مثال کے ساتھ تسلی کئے بیٹھے ہیں حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر ان مشاہدوں اور تجلیوں کی پوری پوری حقیقت بیان کروں تو اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور پڑ جاوے گا اور ان کے شوق میں قصور واقع ہو جاتے گا اور اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ اگر باوجود

علم کے کچھ نہ کہوں تو حق باطل سے ملا رہے گا۔ البتہ اس قدر ضرور ظاہر کرتا ہوں کہ اس راہ کی تجلیات و مشاہدات کو موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہاڑ کی تجلی و شہود کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیئے۔ اگر درست نہ ہوں تو ناچار ظلال اور شبہ و مثال پر محمول کرنے چاہئیں۔ تو پھر شاید درست ہوں۔ کیونکہ تجلی سے مقصود دک و فک یعنی پارہ پارہ ہونا ہے اور دنیا میں اس سے چارہ نہیں ہے۔ خواہ باطن پر متجلی ہو خواہ ظاہر پر۔ دک و فک ضرور ہے۔ لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس داغ سے پاک ہیں۔ آپ کو دنیا میں رویت میسّر ہوئی اور سر مو اپنی جگہ سے نہ ہلے اور آپ کے کامل تابعداروں کو جو اس مقام سے نصیب رکھتے ہیں۔ وہ رویت ظلال میں سے کسی ظل کے پردے کے بغیر نہ ہوگی۔ صاحب تجلی سمجھے یا نہ سمجھے۔ جب کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حال کے مشاہدے سے بغیر اس بات کے کہ تجلی ہو، بیہوش ہو گئے تو پھر اوروں کا کیا حال ہے؟

۶ - مجاز کو اپنی فکر سے غافل ہونا جائز نہیں :

دوسرے یہ ہے کہ جاننا چاہیئے کہ بعض مخلصوں کو اجازت دینے سے مقصود یہ تھا کہ اس وجہ سے لوگوں کو گمراہی کے بھنور سے حق تعالیٰ کے راستہ کی طرف راہنمائی کریں اور آپ بھی ان طالبوں کے ساتھ مل کر مشغولی کریں اور ترقیات حاصل کریں اور اس سررشتہ کو نگاہ رکھ کر کوشش کریں کہ اُن کی اپنی بقیہ بُری خصلتیں دُور ہو جائیں اور مرید و مسترشد بھی اس دولت سے مشرف ہو جائیں۔ نہ یہ کہ یہ اجازت کمال و تکمیل کے وہم میں ڈال دے اور مقصود سے ہٹا رکھے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ اِلَّا الْبَلَاغُ "قاصد کا کام حکم پہنچانا ہے"۔

والسلام

مکتوب نمبر ۲۲

راہِ سلوک میں اشتباہ اور سلوک میں گمراہی کا پیش آنا

اس درویش کو بھی اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوئے تھے اور اس قسم کی

خیالی باتیں بہت پیدا ہوئی تھیں اور مدتوں تک یہ حالت رہی لیکن باوجود اس کے فضلِ خداوندی شاملِ حال رہا کہ پہلے دائمی یقین میں تذبذب پیدا نہ ہُوا اور متفق علیہ اعتقاد میں فتور واقع نہ ہُوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الحمد وَالمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نَعْمَائِہٖ"۔ "اس نعمت پر اور تمام نعمتوں پر اللہ تعالےٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے"۔

اور جو کچھ مجمع علیہ کے خلاف ظاہر ہوتا تھا۔ اس کا کچھ اعتبار نہ کرتا تھا اور اس کو نیک توجیہ کی طرف پھیرتا تھا۔ اور مجمل طور پر اتنا جانتا تھا کہ اس کشف کے صحیح ہونے پر بھی یہ زیادتی جزئی فضیلت پر ہوگی۔ اگرچہ یہ وسوسہ بھی پیش آتا تھا کہ فضیلت کا مدار قربِ الٰہی پر ہے اور یہ زیادتی اسی قرب میں ہے۔ پھر جزئی کیوں ہوگی۔ لیکن پہلے یقین کے مقابلہ میں یہ وسوسہ گرد کی طرح اُڑ جاتا تھا اور کچھ اعتبار نہ رکھتا تھا بلکہ توبہ واستغفار وانابت سے التجا کرتا تھا۔ اور عاجزی اور زاری سے دعا کرتا تھا کہ اس قسم کے کشف ظاہر نہ ہوں۔ اور اہلِ سنت وجماعت کے معتقدات کے خلاف سرِ مو منکشف نہ ہو۔

ایک دن یہ خوف غالب ہُوا کہ مبادا ان کشفوں پر مواخذہ کریں۔ اور ان وہمی باتوں کی نسبت پوچھیں۔ اس خوف کے غلبہ نے بڑا بے قرار اور بے آرام کیا اور بارگاہِ الٰہی میں بڑی التجا اور زاری کا باعث ہُوا۔ یہ حالت بہت مدت تک رہی۔ اتفاقاً اسی حالت میں ایک بزرگ کے مزار پر گزر ہُوا اور اس معاملہ میں اس عزیز کو اپنا مددگار بنایا۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ کی عنایات شاملِ حال ہوئی اور معاملہ کی حقیقت کماحقہٗ ظاہر کردی گئی۔

اور حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمت عالمیان ہیں، ان کی روح مبارک نے حضور فرمایا اور غمناک دل کی تسلی کی اور معلوم ہُوا کہ بے شک قربِ الٰہی ہی فضلِ کُلی کا موجب ہے۔ لیکن یہ قرب جو تجھے حاصل ہُوا ہے الوہیت کے ان مراتب کے ظلال میں سے ایک ظل کا قرب ہے، جو اس اسم سے مخصوص ہیں جو تیرا رب ہے۔ پس فضلِ کُلی کا موجب نہ ہوگا۔ اور اس مقام کی مثالی صورت کو اس طرح پر منکشف کیا کہ کوئی شک وشبہ نہ رہا اور اس اشتباہ کا محل بالکل

دُور ہو گیا۔ اور بعض وہ علوم جو اشتباہ کا محل رکھتے ہیں اور ان میں تاویل و توجیہ کی گنجائش ہے اور جو اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھی تھی زیادہ منکشف ہوئی۔

اس فقیر نے چاہا کہ ان علوم کے اغلاط کا منشاء جو محض فضلِ خداوندی جل شانہ سے ظاہر ہوا ہے لکھے اور شائع کر دے۔ کیونکہ گناہ مشتہر کے لئے توبہ کا اشتہار ضروری ہے تاکہ لوگ ان علوم سے خلافِ شریعت نہ سمجھ لیں اور تقلید کر کے گمراہی میں نہ جا پڑیں۔ یا تکلف و تعصب سے گمراہی و جہالت اختیار نہ کریں۔ کیونکہ اس اندھا دھند رستہ میں اس قسم کی عجیب باتیں بہت ظاہر ہوتی ہیں جو بعض کو ہدایت کی طرف لے جاتی ہیں اور بعض کو گمراہی میں ڈال دیتی ہیں۔

اس فقیر نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ سے سُنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ۷۲ بہتر گروہوں میں سے اکثر جو گمراہ ہو گئے ہیں اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں، اُن کا باعث طریق صوفیہ میں داخل ہونا ہے کہ اُنھوں نے کام کو انجام تک نہ پہنچا کر غلط راہ اختیار کی اور گمراہ ہو گئے۔

والسّلام

مکتوب ۲۲۱

طالبِ سلوک کے لئے ہدایات

جاننا چاہیئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہٗ کی طرف رہنمائی کرنے۔ یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے۔ کیونکہ پیر تعلیم شریعت کا اُستاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی ہے برخلاف پیر خرقہ کے۔ پس پیر تعلیم کے آداب کی زیادہ تر رعایت کرنی چاہیئے اور پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے اور اس طریق میں ریاضتیں اور مجاہدے نفس امارہ کے ساتھ احکام شرعی کے بجالانے اور سُنّت سنیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کی متابعت کو لازم پکڑنے سے ہیں۔ کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے نفس امارہ کی خواہشوں کو دُور کرنا مقصود ہے جو اپنے مولائے جل شانہٗ کی دُشمنی میں قائم ہے۔ پس نفسانی

خواہشوں کا دُور ہونا احکامِ شرعی کے بجالانے پر وابستہ ہے۔ جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اُسی قدر ہوائے نفس سے دُور تر ہوگا کیونکہ نفس پر شریعت کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں ہے اور صاحبِ شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصوّر نہیں ہے۔ وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنّت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ معتبر نہیں ہیں۔ کیونکہ جوگی اور ہندو برہمن اور یونان کے فلسفی اس امر میں شریک ہیں۔ اور وہ ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتیں اور سوائے خسارہ کے کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ اور اس طریقہ میں طالب کا سلوک شیخ مقتدار کی تقلید پر منحصر ہے۔ اس کے تصرّف کے بغیر کچھ کام نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ابتدا میں نہایت کا درج ہونا اسی کی شریف توجہ کا اثر ہے اور بے چونی اور بے چگونی کا حاصل ہونا اسی کے کمال تصرّف کا نتیجہ ہے۔ بیخودی کی وہ کیفیت جس کے لئے انہوں نے مختص راستہ اختیار کیا ہے اس کا حاصل ہونا مبتدی کے اختیار میں نہیں ہے اور وہ توجہ جو شش جہت سے معرّا ہے۔ اس کا وجود طالب کے حوصلہ سے باہر ہے ؎

نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار انند | کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

ترجمہ: عجب ہی قافلہ سالار ہیں یہ نقشبندی
کہ لے جاتے ہیں پوشیدہ حرم تک قافلے کو

یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور و آگاہی بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحبِ نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔ ہاں سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیائے کرام کے غضب سے بچائے۔

اور اس طریقہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔ ان بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ جس کو ہماری خاموشی سے نفع حاصل نہ ہوا وہ ہمارے کلام سے کیا نفع حاصل کرے گا۔ اور اس خاموشی کو انہوں نے تکلّف کے ساتھ اختیار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کے طریق کے لوازم اور ضروریات سے ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں کی

توجہ ابتدا ہی سے احدیت مجردہ کی طرف ہے اور اسم و صفت سے سوائے ذات کے کچھ نہیں چاہتے اور معلوم ہے کہ اس توجہ کے مناسب اور اس مقام کے موافق خاموشی اور گونگا ہونا ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ "جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہو گئی"۔ اس بات کی مصداق ہے۔

مکتوب نمبر ۲۲۳

مُرید کے لئے اطلاعِ احوال لازم ہے

برادرم خواجہ جمال الدین حسین نے مدت سے اپنے احوال کی کیفیت سے اطلاع نہیں دی۔ آپ نے نہیں سُنا کہ مشائخ کبرویہ، اُس مرید کو جو تین روز تک اپنے احوال و واقعات کو اپنے شیخ کی خدمت میں عرض نہ کرے، کفِ پا فرماتے ہیں۔ خیر جو کچھ ہُوا سو ہُوا، پھر ایسا نہ کریں۔ اور جو کچھ ظاہر ہوتا ہے لکھتے رہا کریں۔ میرے بزرگ بھائی کا مبارک آنا غنیمت سمجھیں اور ان کی خدمت و دلجوئی میں کوشش کریں اور اُن کی بزرگ صحبت کو بڑا عزیز جانیں ع

دادیم ترا از گنج مقصود نشاں

ترجمہ: "بتایا تجھے گنجِ مقصود ہم نے"

والسّلام

مکتوب نمبر ۲۲۴

مجازِ بیعت بنانے سے قبل ایک قسم کی اجازت دیدینا

حاصلِ کلام یہ ہے کہ طریقت کے بزرگوار قدس سرہم بعض مریدوں کو پیشتر اس کے کہ وہ مقامِ شیخی تک پہنچیں کسی مصلحت اور بہتری کے لئے ایک قسم کی اجازت دے دیتے ہیں اور ایک طرح تجویز فرماتے ہیں کہ طالبوں کو طریقہ دکھائیں تاکہ احوال و واقعات پر اطلاع پائیں۔

اس قسم کی تجویز میں شیخ مقتدا کو لازم ہے کہ اس مرید مجاز کو اس کام میں بڑی احتیاط سے کام کرنے کا امر کرے اور تاکید کے ساتھ غلطی کے مواد کو ظاہر کر دے اور بار بار اُن کے نقص پر اطلاع دے اور مبالغہ کے ساتھ ان کا نقص ہونا ظاہر کر دے۔ اس صورت میں اگر شیخ حق کے ظاہر کرنے میں سستی کرے تو خیانتی ہے۔ اور اگر مرید کو وہ باتیں بُری معلوم ہوں تو بد قسمت ہے۔ کیا نہیں جانتا کہ حق تعالےٰ کی رضامندی شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے۔ اور حق تعالےٰ کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے۔ اُس پر کیا بلا آپڑی وہ نہیں سمجھتا کہ ہم سے قطع کرنا اُس کو کہاں تک پہنچا دے گا۔ اور اگر ہم سے قطع کرے گا تو اور کس سے جا ملے گا۔ اور اگر نعوذ باللہ اس قسم کا کوئی امر اس کے دل میں راہ پا گیا ہو، تو بے توقف اس کو کہہ دیں کہ توبہ و استغفار کرے اور حق تعالےٰ کی بارگاہ میں عاجزی اور زاری کرے کہ اس ابتلاء و فتنہ عظیم میں اس کو مبتلا نہ کرے اور اس خطرناک بلا و آزمائش میں اس کو گرفتار نہ کرے۔

مکتوب نمبر ۲۲۷

شیخ کے لئے ہدایات

اے بھائی! حق تعالےٰ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے۔ اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کریں اور محافظت کریں کہ کوئی ایسا امر صادر نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو۔ کیونکہ اس میں بڑی خرابی ہے۔ خلق کی نفرت اس ملامتی گروہ کے حال کے مناسب ہے جن کا دعوت اور شیخی سے کچھ واسطہ نہیں ہے بلکہ ملامت کا مقام شیخی کے مقام کے برخلاف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان دونوں مقام کو آپس میں ملا دیں اور عین شیخی میں ملامت کی آرزو کریں کہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے اور مریدوں کی نظر میں اپنے آپ کو متجمل یعنی رُعب و داب سے آراستہ پیراستہ رکھیں اور مریدوں کے ساتھ کثرت سے میل جول اور انس اختیار نہ کریں کہ خفت اور سُبکی کا موجب ہے اور افادہ اور استفادہ کے منافی ہے اور حدودِ شرعیہ کی اچھی طرح محافظت کریں

اور جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل نہ کریں کہ یہ بھی اس طریقہ علیہ کے منافی اور سنت سنیہ کی تابعداری کے دعویٰ کے مخالف ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ رِیَاءُ الْعَارِفِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ "عارفوں کا ریاء مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے"

کیونکہ عارفوں کا ریا طالبوں کے دلوں کو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف کھینچنے کے لئے ہوتا ہے۔ پس ضرور مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہوگا اور نیز عارفوں کے اعمال طالبوں کے لئے اعمال بجالانے میں موجب تقلید ہیں۔ اگر عارف خود عمل نہ کریں تو طالب محروم رہیں گے۔

پس عارف اس واسطے ریا کرتے ہیں تاکہ طالب اُن کی اقتدار کریں۔ یہ ریا عین اخلاص ہے۔ بلکہ اُس اخلاص سے بہتر ہے جو اپنے نفع کے لئے ہو۔

اس بات سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ عارفوں کے عمل محض طالبوں کی تقلید کے لئے ہیں اور عارفوں کو عمل کی حاجت نہیں ہے۔ نعوذ باللہ منہا یہ الحاد و زندقہ ہے۔ بلکہ عارف اعمال کے بجالانے میں عام طالبوں کے ساتھ برابر ہیں اور اعمال کے بجالانے سے کسی کو چارہ نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بسا اوقات عارفوں کے اعمال میں طالبوں کا نفع مدنظر ہوتا ہے جو تقلید پر وابستہ ہے۔ اس اعتبار سے اس کو ریا کہتے ہیں۔

غرض قول و فعل میں بڑی محافظت کریں کیونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ فساد و ہنگامہ کے درپے ہیں۔ کوئی ایسا کام سرزد نہ ہونے پائے جو اس مقام کے منافی ہو۔ اور جاہل لوگوں کو بزرگوں کے طعن کا موقع مل جائے اور حضرت حق تعالےٰ سے استقامت طلب کرتے رہا کریں۔

مکتوب ۲۳۱

سُنن عبادت اور سُنن عادت کا فرق

میرے مخدوم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے۔ ایک عبادت

کے طریق پر اور دُوسرا عرف اور عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اُس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے۔ اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو بدعتِ منکرہ نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر۔ کیونکہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے برخلاف ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے۔ البتہ عادی سنت کو مدِنظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔

مکتوب ۲۳۵

اہل اللہ کی محبّت اور احکامِ شرعیہ کا اتباع

حمد و صلوٰت اور دعوات کے بعد دوستانِ حقیقی اور مشتاقانِ تحقیقی کو معلوم ہو کہ آپ کے مکتوباتِ شریفہ جو فرطِ محبت اور کمال اشتیاق سے بھرے ہُوئے تھے۔ اُن کے پہنچنے سے بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اسی محبت پر ثابت قدم رکھے۔ اس محبّت کو دُنیا اور آخرت کی سعادت کا سرمایہ جان کر حق سبحانہٗ و تعالےٰ سے اس پر ثابت اور قائم رہنے کی دُعا مانگتے رہا کریں۔ اور احکامِ شرعیہ کے بجالانے کی توفیق اسی محبّت کا نتیجہ ہے اور باطنی جمعیت کا حاصل ہونا اسی دوستی کا ثمرہ ہے۔ اگر تمام جہان جتنی ظلمتیں اور کدورتیں باطن میں گرا دیں لیکن اس محبت کو قائم رکھیں تو کچھ غم نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ امیدوار رہنا چاہیئے۔ اور اگر تمام پہاڑوں کے برابر انوار و احوال کو باطن میں زیادہ کر دیں لیکن اس محبت سے بال کے برابر بھی دُور کر دیں تو سوائے خرابی کے کچھ نہ جاننا چاہیئے اور اس کو استدراج شمار کرنا چاہیئے۔ اس سر رشتہ کو مضبوط پکڑ کر اپنے کام میں متوجہ رہیں اور قیمتی عمر کو بے فائدہ کاموں میں ضائع نہ کریں۔

مکتوب نمبر ۲۳۷

اصل اتباعِ سنت ہے ورنہ کیفیات و احوال سے اللہ کی پناہ

میرے سعادتمند بھائی! طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس سرہم کے بزرگواروں نے سنت سنیہ کو لازم پکڑا ہے اور عزیمت پر عمل اختیار کیا ہے۔ اگر اس التزام اور اختیار کے ساتھ ان کو احوال و مواجید سے مشرف کریں تو ان کو نعمتِ عظیم جانتے ہیں۔ اور اگر احوال و مواجید ان کو بخشیں اور اس التزام اور اختیار میں فتور معلوم کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے اور ان مواجید کو نہیں چاہتے اور اس فتور میں اپنی سراسر خرابی جانتے ہیں۔ کیونکہ برہمنوں اور ہندو جوگیوں اور یونانی فلاسفروں کو علم توحید کی بہت قسم کی تجلیات صوری اور مکاشفات مثالی ہوئی ہیں۔ لیکن سوائے خرابی اور رسوائی کے اُن سے کچھ نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ اور سوائے بُعد و حرمان کے اُن کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

اے بھائی! جب آپ نے اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کے فضل سے ان بزرگواروں کی ارادت کے ملک میں داخل کیا ہے تو چاہیئے کہ اُن کی متابعت کو لازم پکڑیں اور سرِ مُو ان کی مخالفت نہ کریں۔ تاکہ اُن کے کمالات سے فائدہ مند اور برخوردار ہوں۔ اول اپنے عقائد کو اہلِ سنت و جماعت کثرہم اللہ تعالےٰ کے عقائد کے موافق درست کریں۔ دوسرے فرض و سنت و واجب و مندوب و حلال و حرام و مکروہ و مشتبہ کا علم جو فقہ میں مذکور ہے حاصل کریں اور اس علم کے موافق عمل درست کریں۔

تیسرے درجہ پر علوم صوفیہ کی نوبت پہنچتی ہے جب تک وہ دو پَر درست نہ کرلیں عالم قدس میں اُڑنا محال ہے اور اگر ان دو کاموں کے حاصل ہونے کے بغیر احوال و مواجید میسر ہوں تو ان میں اپنی سراسر خرابی جاننی چاہیئے۔ اور ایسے احوال و مواجید سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ ع کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: "اصل مطلب ہے یہی باقی ہے ہیچ"

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ۔ "رسول کا کام حکم پہنچا دینا ہے۔"

مکتوب ۲۴۲

ذکر سے مقصود غفلت عن اللہ کو دُور کرنا ہے

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے عزیز بھائی کو معلوم ہو کہ درویش کمال نے آپ کا مکتوب شریف پہنچایا۔ بڑی خوشی کا موجب ہُوا۔ آپ نے اپنے اعمال کو قاصر اور نیتوں کو کوتاہ سمجھنے کے بارے میں لکھا ہُوا تھا، واضع ہُوا۔ حق تعالیٰ سے التجا ہے کہ اس دید کو زیادہ کرے اور اس الہام کو کامل کرے۔ کیونکہ اس راہ میں یہ دونوں دولتیں اصل مقصود میں سے ہیں۔

آپ نے لکھا اور دریافت کیا تھا کہ اسم ذات کا شغل کہاں تک ہے؟ اور اس مبارک کی مداومت سے کس قدر پردے دور ہوتے ہیں اور نفی و اثبات کی نہایت کہاں تک ہے اور اس کلمۂ متبرکہ سے کیا وسعت حاصل ہوتی ہے اور کس قدر حجاب دُور ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دُور کرنا ہے اور چونکہ ظاہر کو غفلت سے چارہ نہیں ہے خواہ ابتدار میں ہو، خواہ انتہا میں، اس لئے ظاہر سب وقت ذکر کا محتاج ہے۔

حاصل کلام یہ کہ بعض اوقات ذکر اسم ذات نفع دیتا ہے اور بعض اوقات ذکر نفی و اثبات مناسب ہوتا ہے۔ باقی رہا معاملہ باطن کا، وہاں بھی جب تک بالکل غفلت دُور نہ ہو جائے۔ بالکل غفلت دُور نہ ہو جائے تب تک ذکر کرنے سے چارہ نہیں ہے۔

ہاں اس قدر ہے کہ ابتدار میں یہ دونوں ذکر متعین ہیں اور توسط و انتہا میں یہ دونوں ذکر متعین نہیں ہیں۔ اگر قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کے ادا کرنے سے غفلت دُور ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی تلاوت متوسط کے حال کے مناسب ہے۔ اور نماز نوافل کا ادا کرنا منتہی کے حال کے مناسب ہے۔

❖

مکتوب نمبر ۲۵

افضلیت شیخین رضؓ، فضائل خلفائے راشدین رضؓ اور

مشاجرات صحابہ رضؓ سے متعلق تفصیلی مکتوب (۲۵۱) صـ۳۴۳ جلد ۱ پر مراجعت فرمائیں۔

مکتوب نمبر ۲۶

نوافل سے پہلے فرائض واجبات کا اہتمام ضروری ہے

صوفیاء خام ذکر وفکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سُنتوں کے بجالانے میں سُستی کرتے ہیں اور چلہ اور ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا اُن کے ہزاروں چِلّوں سے بہتر ہے۔ ہاں آدابِ شرعیہ کو مدِ نظر رکھ کر ذکر و فکر میں مشغول ہونا بہت ہی بہتر اور ضروری ہے۔

اور علماء بے سرانجام بھی نوافل کی ترویج میں سعی کرتے ہیں اور فرائض کو خراب و ابتر کرتے ہیں۔ مثلاً نماز عاشورا کو جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحت تک نہیں پہنچی، جماعت اور جمعیت تمام سے ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ فقہ کی روایتیں نفلی جماعت کی کراہت پر ناطق ہیں اور فرضوں کے ادا کرنے میں سُستی کرتے ہیں۔ ایسا کم ہے کہ فرض کو مستحب وقت میں ادا کریں بلکہ اصل وقت سے تجاوز کر جاتے ہیں اور جماعت کی بھی چنداں قید نہیں رکھتے۔ جماعت میں ایک یا دو آدمیوں پر قناعت کرتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات تنہا ہی کفایت کرتے ہیں۔

جب اسلام کے پیشواؤں کا یہ حال ہو تو پھر عوام کا کیا حال بیان کیا جائے۔ اس عمل کی کم بختی سے اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا ہے اور اسی فعل کی ظلمت سے بدعت و ہوا ظاہر ہو گئی ہے۔

اندکے تو پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم　　　　که دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ : غمِ دل اس لئے تھوڑا کیا ہے تجھ سے ایجاناں
که آزردہ نہ ہو جائے بہت سُن سُن کے دل تیرا

نیز نوافل کا ادا کرنا ظلی قرب بخشتا ہے اور فرائض کا ادا کرنا قرب اصلی جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے۔ ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لئے ادا کئے جائیں وہ بھی قربِ اصل کے ممد و معاون ہیں اور فرض کے ملحقات میں سے ہیں۔ پس ناچار فرائض کا ادا کرنا عالمِ خلق کے مناسب ہے جو اصل کی طرف متوجہ ہے اور نوافل کا ادا کرنا عالمِ امر کے مناسب ہے جس کا مُنہ ظل کی طرف ہے۔ فرائض اگرچہ سب کے سب اصلی قرب بخشتے ہیں لیکن ان میں سے افضل و اکمل نماز ہے۔

حدیث : اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ "نماز مومنوں کا معراج ہے"۔ اور اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ (بندے کو زیادہ قرب نماز میں ہوتا ہے) تُو نے سُنا ہوگا۔ وہ وقت خاص جو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا جس کی تعبیر لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ سے کی ہے۔ فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہُوا ہے۔ نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے اور نماز ہی فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔ وہ نماز ہی ہے جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی راحت ڈھونڈتے تھے۔ جیسے کہ آپ فرمایا کرتے تھے: اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ (اے بلال مجھے آرام دے) اور نماز ہی دین کا ستون ہے، اور نماز ہی کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے۔ ؂

مکتوب نمبر ۲۶۰

بدعات کے اندھیروں سے نکل کر سُنت کے نور میں آؤ

سُنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے اور ملتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی رونق کو امورِ مُحدثہ کی کدورتوں نے ضائع کر دیا ہے۔ پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ اُن محدثات کو امورِ مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال

کرتے ہیں اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم ڈھونڈتے ہیں اور ان امور کے بجالانے میں ترغیبیں دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔

دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل اور نعمت تمام ہو چکی ہے اور حق تعالےٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے جیسے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

"آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔"

پس ان محدثات سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیت کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم | کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ: غم دل اس لئے تھوڑا کہا ہے تجھ سے اے دلبر!
کہ آزردہ نہ ہو جائے بہت سخن سن کے دل تیرا

علمائے مجتہدین نے احکام دین کو ظاہر کیا ہے اور از سر نو کسی ایسے امر کو ظاہر نہیں کیا جو دین میں سے نہیں ہے۔ پس احکام اجتہادیہ امور محدثہ میں سے نہیں ہیں بلکہ اصول دین میں سے ہیں۔ کیونکہ اصل چہارم یہی قیاس ہے۔

مکتوب ۲۶۱

الف ثانی کی اہمیت اور یہ کہ طریقت اور حقیقت شریعت کے خادم ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَلْاِسْلَامُ بَدَاءَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَءَ فَطُوْبیٰ لِلْغُرَبَاءِ۔

"اسلام غریب شروع ہوا اور پھر ویسا ہی غریب ہو جائیگا۔ پس غرباء کو خوشخبری ہے۔"

اور اس امت کی آخریت کا شروع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرما جانے کے بعد الف ثانی یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتدا ہے۔ کیونکہ الف یعنی ہزار سال کے گزرنے کو امور کے تغیر میں بڑی خاصیت ہے اور اشیاء کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے اور چونکہ اس اُمت میں نسخ و تبدیل نہیں ہے اس لئے سابقین کی نسبت اسی تر و تازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور الف ثانی میں از سر نو شریعت کی تجدید اور ملت کی ترقی فرمائی ہے۔ اس معنی پر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید　　　دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ترجمہ :　گر مدد روح القدس فرمائے تو پھر اور بھی
　　　　کر دکھائیں کام جو کچھ کہ مسیحا نے کیا

اے برادر! یہ بات آج اکثر لوگوں کو ناگوار اور اُن کے فہم سے دور معلوم ہوتی ہے لیکن اگر انصاف کریں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ کریں اور احوال کی صحت و سُقم کا علوم شرعیہ کی مطابقت اور عدم مطابقت سے ملاحظہ کریں اور شریعت و نبوت کی تعظیم و توقیر دیکھیں کہ ان میں سے کس میں زیادہ تر ہے؟ تو امید ہے کہ یہ تعجب اُن کا جاتا رہے گا۔ اور یہ بات اُن کو فہم سے دور معلوم نہ ہو۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں اور نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اس نبی کی ولایت ہو۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ کمالاتِ ولایت کو نبوت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے۔ کاش کہ اُن کے درمیان قطرہ اور دریا کی سی نسبت ہوتی۔ اس قسم کی بہت سی باتیں اس مکتوب میں جو طریقہ کے بیان میں اپنے فرزند کی طرف لکھا ہے خاص طور پر لکھی گئی ہیں۔ وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

؎

مکتوب ۲۶۵

گوشہ نشینی کے آداب

آپ نے گوشہ نشینی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ہاں بے شک گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے۔ آپ کو مبارک ہو۔ آپ عزلت و گوشہ نشینی اختیار کریں لیکن مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ہاتھ سے نہ دیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَتُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ ۔

"مسلمان کے حق مسلمان پر پانچ ہیں۔ سلام کا جواب دینا، بیمار پرسی کرنا، جنازہ کے پیچھے چلنا، دعوت کا قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا"۔

لیکن دعوت کے قبول کرنے میں چند شرائط ہیں :۔

"احیاء العلوم" میں لکھا ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال نہ ہو۔ یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں یا چھت یا دیوار پر حیوانوں کی تصویریں ہوں، یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو۔ یا کسی قسم کی لہو ولعب اور کھیل کود کا شغل ہو۔ یا غیبت اور بہتان اور جھوٹ کی مجلس ہو۔ تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے۔ بلکہ یہ سب امور اس کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں۔ اور ایسے ہی اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا مبتدع یا شریر یا تکلف کرنے والا یا فخر و مباہات کا طالب ہے تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

اور "شرعۃ الاسلام" میں ہے کہ ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریا و سمعہ کے لئے تیار کیا گیا ہو۔

اور "محیط" میں ہے کہ جس بساط پر لہو ولعب یا سرود کا سامان ہو یا لوگ غیبت کرتے اور شراب پیتے ہوں تو وہاں بیٹھنا نہیں چاہیئے۔ جیسا کہ مطالب المومنین میں بھی مذکور ہے۔

اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت کے قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے لیکن اس زمانہ میں ان موانع کا مفقود ہونا دشوار ہے۔ اور نیز جان لیں کہ ع

عزلت از اغیار باید نہ زیار

ترجمہ: "غیر سے عزلت ہے بہتر ہے یار سے اچھی نہیں۔

کیونکہ ہمرازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اس طریقہ علیہ کی سُنّت مؤکدہ ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریق صحبت ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت اور صحبت سے مُراد موافقانِ طریقت کی صحبت ہے نہ کہ مخالفانِ طریقت کی صحبت۔ کیونکہ ایک کا دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط ہے۔ جو بغیر موافقت کے میتسر نہیں ہوتا اور مریض کی عیادت سُنّت ہے۔ اگر اس مریض کا کوئی شخص خبر گیر ہے اور اس کی بیمار پُرسی کرتا ہے ورنہ اس بیمار کی بیمار پُرسی واجب ہے جیسا کہ حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے۔

اور نمازِ جنازہ میں حاضر ہونے کے لئے کم از کم چند قدم جنازہ کے پیچھے چلنا چاہئے تاکہ میت کا حق ادا ہو جائے اور جمعہ و جماعت و نماز پنجگانہ اور نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریاتِ اسلام سے ہے ان سے چارہ نہیں۔ اور باقی اوقات کو تبتّل و انقطاع میں بسر کریں لیکن چاہیئے کہ اوّل نیت کو درست کریں اور گوشہ نشینی کو دُنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں اور حق تعالٰے کے ذکر کے ساتھ باطنی جمعیت کے حاصل ہونے اور لاطائل اور بے فائدہ اشغال سے مُنہ موڑنے کے سوا عزلت سے اور کچھ مقصود نہ ہو۔ اور نیت کے درست کرنے میں بڑی احتیاط کریں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے ضمن میں کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو۔ اور نیت کے درست کرنے میں التجا و تضرع اور عجز و انکسار بہت کریں تاکہ نیت کی حقیقت میتسر ہو جائے اور سات استخارے ادا کر کے درست نیت کے ساتھ عزلت اختیار کریں۔ امید ہے کہ بڑے بڑے فائدے اس پر مترتب ہوں گے۔ باقی احوال کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۶۶

عقائد کا تفصیلی بیان

از صہ ۴۹۸ تا ۵۲۲ ج ۱ ملاحظہ کریں۔

مکتوب ۲۶۶

عقائد کی درستگی کے بعد احکامِ فقہ کا سیکھنا ضروری ہے

عقائد کے درست کرنے کے بعد احکامِ فقہ کا سیکھنا ضروری ہے اور فرض و واجب و حلال و حرام و سُنّت و مندوب و مشتبہ و مکروہ کے جاننے سے چارہ نہیں ہے۔ اور ایسے ہی اس علم کے موافق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروری سمجھیں اور اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں بڑی کوشش مدِ نظر رکھیں۔ نماز دین کا ستون ہے اس کے تھوڑے فضائل اور ارکان بیان کئے جاتے ہیں، غور سے سُنیں۔

اوّل وضو کے کامل اور پورے طور پر کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ ہر عضو کو تین بار تمام و کمال طور پر دھونا چاہیئے تاکہ وضو بروجہ سنت ادا ہو۔ اور سر کا مسح بالاستیعاب (یعنی سارے سر کا مسح) کرنا چاہیئے اور کانوں اور گردن کے مسح میں احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور بائیں ہاتھ کی خنصر یعنی چھنگلی سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا لکھا ہے اس کی رعایت رکھیں اور مستحب کے بجالانے کو تھوڑا نہ جانیں مستحب اللہ تعالےٰ کے نزدیک پسندیدہ اور دوست ہے۔ اگر تمام دُنیا کے عوض اللہ تعالےٰ کا ایک پسندیدہ فعل معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق عمل میسّر ہو جائے تو بھی غنیمت ہے۔ اس کا بعینہ یہی حکم ہے کہ کوئی خزف ریزوں یعنی ٹھیکروں سے قیمتی موتی خرید لے یا بیہودہ اور بے فائدہ جماد یعنی پتھر سے روح کو حاصل کرلے۔

کمال طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہیئے۔ جو مومن کا معراج ہے۔ اور کوشش کرنا چاہیئے کہ فرض نماز جماعت کے بغیر ادا نہ ہونے پائے بلکہ امام کے ساتھ تکبیرِ اولیٰ ترک نہ کرنی چاہیئے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہیئے اور قرأت میں قدرِ مسنون کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے اور رکوع و سجود

میں طمانینت ضروری ہے۔ کیونکہ بقول مختار طمانینت فرض ہے یا واجب۔ اور قومہ میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہیئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں اور سیدھا کھڑا ہونے کے بعد طمانینت درکار ہے۔ کیونکہ فرض ہے یا واجب یا سنت علیٰ اختلاف الاقوال۔

ایسے ہی جلسہ میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے، درست بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے جیسے کہ قومہ میں۔ اور رکوع و سجود کی کمتر تسبیحیں تین بار ہیں اور زیادہ سے زیادہ سات بار یا گیارہ بار ہیں۔ علیٰ اختلاف الاقوال۔ اور امام کی تسبیح مقتدیوں کے حال کے موافق ہے۔ شرم کی بات ہے کہ انسان اکیلا ہونے کی حالت میں باوجود طاقت کے اقل تسبیحات پر کفایت کرے۔ اگر زیادہ نہ ہو سکے تو پانچ یا سات بار تو کہے۔ اور سجدہ کرنے کے وقت اول وہ اعضاء زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں۔

پس اوّل دونوں زانو زمین پر رکھے پھر دو ہاتھ، پھر ناک، پھر پیشانی، اور زانو اور ہاتھ رکھنے کے وقت دائیں طرف سے شروع کرنا چاہیئے اور سر کے اُٹھانے کے وقت اول ان اعضاء کو اُٹھانا چاہیئے جو آسمان سے نزدیک ہیں۔ پس پہلے پیشانی اٹھانی چاہیئے الخ۔ اور قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر اور سجدہ کے وقت اپنے پاؤں پر اور سجدہ کے وقت نوک بینی پر اور جلوس کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا دونوں بغلوں کی طرف رکھنا چاہیئے۔ جب نظر کو پراگندہ ہونے سے روک رکھیں اور مذکورہ بالا جگہوں پر لگائے رکھیں۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ نماز جمعیت کے ساتھ میسّر ہو گئی اور خشوع والی نماز حاصل ہو گئی۔ جس طرح کہ نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے۔ اور ایسے ہی رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا کھلا رکھنا اور سجود کے وقت انگلیوں کا ملانا سنت ہے۔ اس کو بھی مدِنظر رکھنا چاہیئے۔ انگلیوں کا کھلا رکھنا یا ملانا بے تقریب اور بے فائدہ نہیں ہے۔

صاحبِ شرع میں اس میں کئی قسم کے فائدے ملاحظہ کر کے اس پر عمل کیا ہے ہمارے لئے صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے برابر کوئی فائدہ

نہیں ہے۔

یہ سب احکام مفصّل اور واضح طور پر کتبِ فقیہہ میں مذکور ہیں۔ یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ علم فقہ کے مطابق عمل بجالانے پر ترغیب ہو۔

مکتوب ایضاً

علم عقائد اور علم فقہ کے بعد تصوّف کا درجہ ہے

ان اعتقادی اور عملی دو پروں کے حاصل ہونے کے بعد اگر اللہ جل سُلطانہٗ کی توفیق رہنمائی کرے تو صُوفیہ کے طریق علیہ کا سلوک کرے۔ نہ اس غرض کے لئے کہ اس اعتقاد اور عمل سے بڑھ کر کچھ چیز حاصل ہو اور کوئی نئی بات ہاتھ آئے بلکہ مقصود یہ ہے کہ معتقدات کی نسبت ایسا یقین اور اعتماد حاصل کریں جو ہرگز کسی مشکک سے زائل نہ ہو۔ اور کسی شُبہ کے وارد ہونے سے باطل نہ ہو۔ کیونکہ استدلال کے چوپاؤں ہوتے ہیں اور مُستدل بے تمکین ہوتا ہے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (خبردار اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) اور اعمال کی نسبت آسانی اور سہولت حاصل کریں اور سرکشی کو جو نفس امارہ سے پیدا ہوتی ہے دُور کریں۔

اور طریقہ صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود نہیں ہے کہ غیبی صُورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کریں اور الوان و انوار کا معائنہ کریں۔ یہ بات خود لہو ولعب میں داخل ہے۔ کیا حسّی صُورتیں اور شکلیں کم ہیں کہ ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ساتھ غیبی صورتوں اور انوار کی تمنّا کریں۔ یہ صورتیں اور وہ صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار سب حق جل وعلیٰ کے مخلوق اور اس کے وجود پر دلالت کرنے والے نشانات ہیں۔

اور طرق صُوفیہ میں سے طریقۂ علیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے سُنّت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو اور احوال کچھ بھی نہ ہوں تو خوش ہیں۔ اور اگر احوال کے باوجود متابعت میں فتور

جائیں تو احوال کو پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے سماع و رقص کو جائز نہیں سمجھا اور ان احوال کا جو اُن پر مترتب ہوتے ہیں کچھ اعتبار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ذکر جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع کیا ہے اور وہ فائدے اور ثمرے جو اس پر مترتب ہوتے ہیں ان کی طرف التفات نہیں کی۔

مکتوب ۲۶۸

اصل عالم وہ ہے جو فقہ اور تصوّف کا جامع ہو

اخبار میں آیا ہے کہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ "علماء انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں"۔ وہ علم جو انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات سے باقی رہا ہے، دو قسم کا ہے۔ ایک علم احکام، دوسرے علم اسرار۔ اور عالم وارث وہ شخص ہے جس کو ان دونوں علموں سے حصّہ حاصل ہو۔ نہ کہ وہ شخص جس کو ایک ہی قسم کا علم نصیب ہو۔ اور دوسرا علم اس کے نصیب نہ ہو کہ یہ بات وراثت کے منافی ہے کیونکہ وارث کو مورث کے سب قسم کے ترکہ سے حصّہ حاصل ہوتا ہے نہ کہ بعض کو چھوڑ کر بعض سے۔ اور وہ شخص جس کو بعض معین سے حصّہ ملتا ہے۔ وہ غرماء یعنی قرض خواہوں میں داخل ہے کہ جس کا حصّہ اس کے حق کی جنس سے متعلق ہے۔ اور ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ "میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں"۔

ان علماء سے مراد علمائے وارث ہیں نہ کہ غرماء کہ جنہوں نے بعض ترکہ سے حصّہ لیا ہے۔ کیونکہ وارث کو قرب و جنسیت کے لحاظ سے مورث کی مانند کہہ سکتے ہیں۔ برخلاف غریم کے کہ اس علاقہ سے خالی ہے۔

پس جو شخص وارث نہ ہو وہ عالم بھی نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ اُس کے علم کو ایک نوع کے ساتھ مقید کریں اور مثال کے طور پر یوں کہیں کہ علم احکام کا عالم ہے اور عالِمِ مطلق وہ ہے جو وارث ہو اور اس کے دونوں قسم کے علم سے پورا حصّہ حاصل ہو۔

مکتوب ۲۶۹

"أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ" کا نمونہ بننا

ہر شخص کے دل میں کسی نہ کسی امر کی تمنا ضرور ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس فقیر کی تمنا یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ اور اُس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ سختی کی جائے۔ اور ان بدبختوں کی اہانت کی جائے اور اُن کے جھوٹے خداؤں کو ذلیل و خوار کیا جائے۔ یہ فقیر یقیناً جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس عمل سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب اور کوئی عمل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بار بار آپ کو اس عمل پسندیدہ کے لئے ترغیب دیتا ہے اور اس کام کا بجالانا نہایت ضروری سمجھتا ہے۔ چونکہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف لے گئے ہیں اور اس گندے مقام اور وہاں کے رہنے والوں کی تحقیر و اہانت کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ اس لئے اوّل اسی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بہت لوگ اس مقام اور وہاں کے رہنے والوں کی تعظیم و توقیر کے لئے وہاں جاتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کی حمد اور اُس کا احسان ہے کہ اُس نے ہم کو اس بلا میں مبتلا نہ کیا۔ اس نعمت عظمیٰ کے شکر ادا کرنے کے بعد ان بدبختوں اور ان کے جھوٹے خداؤں کی تحقیر اور توہین میں بہت کوشش کرنی چاہیئے۔ اور ظاہر و باطن میں جس قدر ہو سکے ان لوگوں کی بربادی میں کوشش کرنی چاہیئے اور اس تراشیدہ اور ناتراشیدہ بُت کی ہر طرح اہانت کرنی چاہیئے۔

اُمید ہے کہ بعض سستیاں جو آپ سے وقوع میں آئی ہیں، اس عمل سے اُن کی تلافی اور کفارہ ہو جائے گا۔ بدن کی کمزوری اور سردی کی شدت مانع ہیں۔ ورنہ فقیر خود حاضر خدمت ہو کر اس امر کی ترغیب دیتا۔ اور اس تقریب سے اس پتھر پر تھوک ڈالتا اور اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جانتا۔ اس سے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔

ﷺ

مکتوب نمبر ۲۷۴

توحید شہودی اور توحید وجودی کی بحث

از صفحہ ۵۴۵ تا ۵۶۲ ملاحظہ کریں۔

مکتوب نمبر ۲۷۵

علم فقہ اور شرائع میں مصروف رہنے کی تاکید

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ آپ کے دونوں مبارک نوازنامے جو شیخ حسن وغیرہ کے ہمراہ ارسال کئے تھے، پہنچے۔ اور بہت خوشی حاصل ہوئی۔ ایک خط میں خواجہ اویس رحمۃ اللہ علیہ کا احوال لکھا تھا اور دوسرے خط میں اپنی قبولیت کی نسبت استفسار فرمایا تھا۔ اسی اثناء میں آپ کے حال پر توجہ کی۔ دیکھا کہ اس گرد و نواح کے لوگ آپ کی طرف دوڑتے آتے ہیں اور آپ کی طرف التجا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کو اس زمین کا مدار بنایا گیا ہے اور ان حدود و اطراف کے لوگوں کو آپ کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ (اس امر پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے) اس معاملہ کے ظہور کو واقعات سے نہ خیال کریں۔ کیونکہ واقعات میں شک و شبہ کا گمان ہوتا ہے بلکہ مشاہدات اور محسوسات سے جانیں۔

اس دولت کے حاصل کرنے کے لئے آپ کے واسطے عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ آپ اس محبت و اخلاص کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دوستوں کے واسطے محض اپنی عنایت سے عطا فرمائی ہے۔ ایسے مقامات میں جہاں کہ کفر متمکن ہو اور بدعتیں جاری ہوں، علوم شرعیہ کی تعلیم دیں اور احکام فقہیہ کو پھیلائیں۔

فَعَلَیْکُمْ بِتَعْلِیْمِ الْعُلُوْمِ الدِّیْنِیَّۃِ وَنَشْرِ الْاَحْکَامِ الْفِقْہِیَّۃِ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّہُمَا مِلَاکُ الْاَمْرِ وَمَنَاطُ الْاِرْتِقَاءِ وَمَدَارُ النَّجَاۃِ۔

"آپ کو لازم ہے کہ علومِ دینی کی تعلیم دیں اور جہاں تک ہو سکے احکامِ فقہیّہ کو پھیلائیں۔ کیونکہ یہی دونوں اصل مقصود ہیں اور انہی پر ترقی کا نجات کا مدار ہے۔"

اپنی کمرِ ہمت کو مضبوط باندھ کر علماء کے گروہ میں داخل رہیں۔ اور امرِ معروف اور نہی منکر کر کے خلق کو حق تعالےٰ کے راستہ کی طرف راہنمائی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۔

"یہ قرآن وعظ و نصیحت ہے جو شخص چاہے اللہ کی طرف راستہ حاصل کر لے۔"

ذکرِ قلبی بھی کہ جس کے ساتھ آپ مجاز ہیں احکامِ شرعیہ کے بجالانے میں مدد دینے والا اور نفسِ امارہ کی سرکشی کو دُور کرنے والا ہے۔ اس طریق کو بھی جاری رکھیں اور اپنے یاروں کے احوال سے اطلاع نہ پانے پر آزردہ نہ ہوں۔ اور اس امر کو اپنی بے حاصلی کی دلیل نہ جانیں۔ یاروں کے احوال آپ کے کمالات کی آئینہ داری میں کافی ہیں۔ یہ بھی آپ ہی کے احوال ہیں جو بطریق انعکاس یاروں میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

مکتوب ۲۷۶

علمائے راسخین کی افضلیت

غرض تمام ظاہری باطنی کمالات ان بزرگواروں کے نزدیک کمالاتِ شرعیہ میں منحصر ہیں۔ اور علوم و معارفِ الٰہیہ ان عقائدِ کلامیہ پر وابستہ ہیں جو اہلِ سنت والجماعت کے لئے ثابت ہو چکے ہیں۔ ہزار ہا شہود اور مشاہدات کو حق تعالےٰ کی بےچونی اور بیچگونی کے ایک مسئلہ کے (جو مسائل کلامیہ میں سے ہے) برابر نہیں جانتے۔ اور ان احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کو جو احکامِ شرعیہ کے کسی حکم کے برخلاف ظاہر ہوں ہم جو کے برابر نہیں خریدتے اور ایسے ظہور کو استدراج خیال کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ۔ "یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت دی ہے۔ پس تو

بھی اُن کی ہدایت پر چل"۔

یہ لوگ علمائے راسخین ہیں جن کو حقیقتِ معاملہ پر اطلاع دی گئی ہے اور آدابِ شریعت کو مدِ نظر رکھنے کی برکت سے ان کو شریعت کی حقیقت تک پہنچا دیا گیا ہے۔ برخلاف فرقہ ثانیہ کے کہ اگرچہ وہ بھی حقیقت کی طرف متوجہ اور اُس کے ساتھ گرفتار ہیں اور حتی المقدور شریعت کے بجالانے میں سرِ مُو تجاوز نہیں کرتے۔ لیکن چونکہ اُنھوں نے حقیقت کو شریعت کے ماسوا جانا ہے اور شریعت کو اس حقیقت کا پوست تصور کیا ہے۔ اس لئے اس حقیقت کے ظلال میں سے کسی ظل میں رہ گئے ہیں اور اس حقیقت کے اصل معاملہ تک پہنچنے کی راہ نہیں پائی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی ولایت ظلّی ہے اور ان کا قرب صفاتی۔ برخلاف علمائے راسخین کی ولایت کے کہ اصلی ہے اور اُنھوں نے اصل تک پہنچنے کا راستہ پالیا ہے اور ظلال کے تمام حجابوں اور پردوں سے گزر گئے ہیں۔ پس ان کی ولایت حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے اور ان اولیاء کی ولایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت کا ظل ہے۔

٭

مکتوب نمبر ۲۷۸

حصولِ تصوّف کا طریق

برادرِ عزیز کا مکتوب مرغوب پہنچا۔ بہت خوشی حاصل ہوئی۔ وہ نصیحتیں جو آگے یاروں کو کی گئی ہیں۔ اور اب بھی کرنے کے لائق ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اوّل اہلِ سُنّت والجماعت "شکر اللہ تعالےٰ سعیہم" کی کلامیہ کتابوں کے موافق اپنے عقائد کو درست کریں۔ پھر احکام فقہیہ یعنی فرض و واجب و سنت و مندوب و حلال و حرام و مکروہ و مشتبہ علمی اور عملی طور پر بجالائیں۔ اس کے بعد لازم ہے کہ اپنے دل کو ماسوائے حق کی گرفتاری سے سلامت رکھیں۔ اور دل کی سلامت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ دل میں ماسوائے حق کا گزر نہ رہے۔ یعنی اگر بالفرض ہزار سال تک زندگی وفا کرے تو بھی حق تعالےٰ کے سوا اور کچھ دل میں نہ گزرے۔ نہ اس معنے

سے کہ اشیاء دل میں گزریں اور ان کو غیر حق نہ جانیں۔ کیونکہ یہ بات ابتدا میں توحید کے مراقبہ کرنے والوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس معنیٰ سے کہ اشیاء ہرگز دل میں نہ آنے پائیں۔ اور اشیاء کا دل پر گزر نہ ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ دل ماسوائے حق کو اس طرح بھول جائے کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی اشیاء اُسے یاد دلائیں تو اس کو یاد نہ آئیں۔ اس دولت کو فنائے قلب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس راہ میں یہ پہلا قدم ہے۔ اور باقی جتنے ولایت کے کمالات ہیں سب اسی دولت کی فرع ہیں۔ ؎

نیست رہ در بارگاہِ کبریا　　ہیچ کس را تا نگردد او فناء

ترجمہ: ”جب تلک کوئی نہ ہو جائے فنا
رہ نہیں ملتی اُسے سوئے خدا“

مکتوب ۲۸۰

اتباعِ شریعت اور محبّتِ شیخ سب سے بڑی نعمت ہے

دو چیزوں کی محافظت ضروری ہے۔ ایک صاحبِ شریعت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محافظت۔ دوسرے شیخ مقتدا کی محبت و اخلاص۔ ان دو چیزوں کے ساتھ اور جو کچھ دے دیں، سب نعمت ہی نعمت ہے۔ اور اگر کچھ بھی نہ دیں لیکن یہ دو چیزیں راسخ اور مضبوط ہوں تو پھر کچھ غم نہیں۔ آخر ایک دن دے دیں گے۔ اور اگر نعوذ باللہ ان دو چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل پڑ جائے اور احوال و اذواق بھی بدستور اپنے حال پر رہیں تو ان کو استدراج جاننا چاہیئے اور اپنی خرابی اور بربادی خیال کرنی چاہیئے۔ استقامت کا طریق یہی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ۔ (اللہ تعالےٰ ہی توفیق دینے والا ہے)

والسّلام

مکتوب ۲۸۲

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تفصیل

یار مُدت سے حضرت خضر علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے۔ چونکہ فقیر کو اُن کے حال پر پُوری پُوری اطلاع نہ دی گئی تھی، اس لئے جواب میں توقف کیا کرتا تھا۔ آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس و حضرت خضر علیٰ نبیّنا و علیہما الصلوٰۃ والسلام رُوحانیوں کی صُورت میں حاضر ہُوئے اور تلقی روحانی یعنی روحانی ملاقات سے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالمِ ارواح میں سے ہیں۔ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صُورت میں متمثل ہو کر وہ کام جو جسموں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات و سکنات اور جسدی طاعات و عبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں۔

اس اثناء میں پوچھا کہ آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم شرائع کے ساتھ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سُپرد ہیں اور قطب مدار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ہے، اس لئے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔

اس وقت یہ بھی معلوم ہُوا کہ ان کی اطاعت پر کوئی جزا مترتب نہیں ہے صرف طاعت کے ادا کرنے میں اہل طاعت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور عبادت کی صُورت کو مدِّ نظر رکھتے ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالات نبوت کی مناسبت فقہ حنفی کے ساتھ ہے۔ اگر بالفرض اس اُمت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو فقہ حنفی کے موافق عمل کرتا۔

اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کے اس سخن کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی جو اُنہوں نے فصول ستہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ السلام

نزول کے بعد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔
اس وقت دل میں گزرا کہ ان دونوں بزرگواروں سے کچھ سوال کیے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کے حال پر اللہ تعالےٰ کی عنایت شامل ہو وہاں ہمارا کیا دخل ہے؟ گویا انہوں نے اپنے آپ کو درمیان سے نکال کیا اور حضرت الیاس علیٰ نبینا والسلام نے اس گفتگو میں کوئی بات نہ فرمائی۔ والسلام

مکتوب ۲۸۴

عالمِ خلق، عالمِ امر اور احوالِ راہِ سلوک کا علم اور شیخ محقّق کا مقام

جاننا چاہیئے کہ انسان مرکب ہے عالمِ خلق سے جو اس کا ظاہر ہے اور عالمِ امر سے جو اس کا باطن ہے۔ وہ احوال و مواجید اور مشاہدات و تجلیات جو ابتدا اور توسط میں ظاہر ہوتے ہیں۔ عالمِ امر کا نصیب ہیں جو انسان کا باطن ہے اور ایسے ہی حیرت و جہالت اور عجز و یاس جو انتہا میں حاصل ہوتے ہیں وہ بھی عالمِ امر ہی کا حصہ ہیں۔ اور لِلْاَرْضِ مِنْ کَاسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٌ (سخیوں کے کاسہ سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے) کے موافق ظاہر بھی حالاتِ واردہ کے قوی ہونے کے وقت اس ماجرا سے حصہ پا لیتا ہے۔ اگرچہ ثبات و استقامت نہیں رکھتا لیکن اس عالم سے کچھ تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اور اصل معاملہ جو ظاہر سے تعلق رکھتا ہے ان احوال کا علم ہے۔ کیونکہ باطن کو احوال ہوتے ہیں اور ان احوال کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ظاہر نہ ہوتا دانش و تمیز کا راستہ نہ کھلتا۔ مثالیہ صورتوں اور کمالات کے عروج کا ظہور ظاہر ہے ادراک کے لئے ہے۔ پس حال باطن کے لئے ہے اور ان احوال کا علم ظاہر کے لئے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ اولیاء جو صاحب علم ہیں اور وہ جو علم سے بے نصیب ہیں، احوال کے نفس حصول میں کچھ فرق نہیں رکھتے۔ اگر کچھ فرق ہے تو ان احوال کے علم یا عدمِ علم کے باعث ہے۔

مثلاً ایک شخص پر بھوک کی حالت غالب ہے اور وہ بھوک کے باعث بے قرار و بے آرام ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ شخص جانتا ہے کہ اس حالت کو بھوک کہتے ہیں۔ اور ایک اور شخص ہے جس پر یہی حالت طاری ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس حالت کو بھوک سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس یہ دونوں شخص نفس حصول میں برابر ہیں۔ فرق صرف علم اور عدم علم میں ہے۔

جاننا چاہیئے کہ وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جو احوال کے نفس حصول کا علم نہیں رکھتے اور ان کی تلوینات سے ہرگز واقف نہیں ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو احوال کی تلوینات کی خبر رکھتے ہیں۔ لیکن احوال کی تشخیص نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ اگرچہ احوال کی تشخیص نہیں کر سکتے لیکن ارباب علم میں داخل ہیں اور مشیخت یعنی شیخی اور پیشوائی کے لائق ہیں۔ اور احوال کا تشخیص کرنا ہر شیخ کا کام نہیں ہے بلکہ یہ دولت بے شمار زمانوں کے بعد ظہور میں آتی ہے۔ اور ایک کو اس دولت سے سرفراز فرماتے ہیں اور دوسروں کو اس کے علم کے حوالہ کر کے اس کے طفیلی بنا دیتے ہیں۔

اولوالعزم پیغمبر صلوٰت اللہ وتسلیماتہ علیہم اجمعین بڑی مدت کے بعد مبعوث ہوا کرتے تھے اور اُن میں سے ہر ایک پیغمبر اپنے اپنے احکام متمیزہ کے ساتھ مخصوص ہوتا تھا اور دوسرے انبیائے علیہم السلام ان کی تبعیت کے ساتھ مامور ہوتے تھے اور دعوت میں انہی کے احکام پر کفایت کیا کرتے تھے۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحت عام را

ترجمہ: "خاص کر لیتا ہے بندہ تا بھلا ہو عام کا"

والسلام

مکتوب ۲۸۶

اپنے کشف و الہام کو علمائے حق کے کلام پر پرکھنا ضروری ہے

تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ طریق سلوک کی جملہ ضروریات میں سے ایک اعتقاد صحیح ہے جس کو علمائے اہل سنت والجماعت نے کتاب و سنت اور آثار سلف سے

استنباط فرمایا ہے اور کتاب وسنت کو ان معانی پر محمول رکھنا بھی ضروری ہے۔ جن معانی کو تمام علمائے اہلِ حق یعنی اہل سنت والجماعت نے اس کتاب وسنت سے سمجھا ہے۔ اور اگر بالفرض کشف والہام کے ساتھ ان معانی مفہومہ کے برخلاف کوئی امر ظاہر ہو تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے اور اس سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ مثلاً وہ آیات واحادیث جن کے ظاہر سے توحید سمجھی جاتی ہے اور ایسے ہی احاطہ اور سریان اور قرب اور معیت ذاتیہ معلوم ہوتے ہیں۔ جب علمائے حق نے ان آیات و احادیث سے یہ معنی نہیں سمجھے ہیں تو اگر اثنائے راہ میں سالک پر یہ معانی منکشف ہو جائیں اور سوائے ایک کو اور کو موجود نہ پائے اور اس کو محیط بالذات جانے اور از روئے ذات کے قریب جانے۔ اگرچہ اس وقت وہ غلبہ حال اور سُکر وقت کے باعث معذور ہے۔ لیکن اس کو چاہیئے کہ ہمیشہ حق تعالےٰ کی بارگاہ میں التجا اور زاری کرتا رہے تاکہ اس کو اس بھنور سے نکال کر وہ امور جو علمائے اہلِ حق کی آرائے صائبہ کے مطابق ہیں اس پر منکشف کرے اور ان کے معتقدات حقّہ کے برخلاف سرمُو ظاہر نہ کرے۔

غرض علمائے اہلِ حق کے معانی مفہومہ کو اپنے کشف کا مصداق اور اپنے الہام کی کسوٹی بنانا چاہیئے۔ کیونکہ وہ معانی جو اُن کے مفہومہ معانی کے برخلاف ہیں محل اعتبار سے ساقط ہیں۔ کیونکہ ہر مُبتدع یعنی بدعتی اور ضال یعنی گمراہ کتاب وسُنت ہی کو اپنے معتقدات کا مقتدا جانتا ہے اور اپنے ناقص فہم کے موافق اسی سے معانی غیر مطابقہ سمجھ لیتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۔

وہ اکثر کو ہدایت دیتا ہے اور اکثر کو گمراہ کرتا ہے "

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ علمائے اہلِ حق کے معانی مفہومہ معتبر ہیں اور اُن کے برخلاف معتبر نہیں ہے۔ وہ اس سبب سے کہ انھوں نے ان معانی کو آثارِ صحابہ وسلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چشمہ سے اخذ کیا ہے اور ان کے نجومِ ہدایت کے انوار سے اقتباس فرمایا ہے۔ اسی واسطے نجات ابدی انہی پر مخصوص ہے اور فلاح سرمدی انہی کے نصیب ہے۔

اُولٰئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔

"یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں، خبردار یہی اللہ تعالےٰ کا گروہ خلاصی پانے والا ہے"۔

اور اگر بعض عُلماء اعتقادِ حقہ کے باوجود فرعیات میں سُستی کریں اور تقصیرات کے مرتکب ہوں تو عملیات میں مطلق علماء کا انکار کرنا اور سب کو مطعون کرنا محض بے انصافی اور صرف مکابرہ یعنی ہٹ دھرمی ہے۔ بلکہ اس میں دین کی اکثر ضروریات کا انکار ہے۔ کیونکہ ان ضروریات کے ناقل اور اُن کے کھوٹے کھرے کو پہچاننے والے یہی لوگ ہیں ۔

لَوْلَا نُوْرُ ھِدَایَتِھِمْ لَمَا اھْتَدَیْنَا وَلَوْلَا تَمْیِیْزُھُمُ الصَّوَابَ عَنِ الْخَطَاءِ لَغَوَیْنَا وَھُمُ الَّذِیْنَ بَذَلُوْا جُھْدَھُمْ فِیْ اِعْلَاءِ کَلِمَۃِ الدِّیْنِ الْقَوِیْمِ وَسَلَکُوْا طَرِیْقَ کَثِیْرًا مِنَ النَّاسِ عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ فَمَنْ تَابَعَھُمْ اَفْلَحَ وَنَجٰی وَمَنْ خَالَفَھُمْ ضَلَّ وَاَضَلَّ ۔

"اگر ان لوگوں کا نورِ ہدایت ہم کو نہ پہنچتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے اور اگر یہ لوگ صواب کو خطا سے الگ نہ کر دیتے تو ہم گمراہ رہتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ساری کوشش کو دینِ قویم کے کلمہ کے بلند کرنے میں لگایا اور اکثر لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلایا۔ جس نے ان کی متابعت کی وہ بچ گیا اور نجات پا گیا اور جس نے اُن کی مخالفت کی وہ خود بھی گمراہ ہُوا اور اُس نے اوروں کو بھی گمراہ کیا"۔

مکتوب ۲۸۶ ایضاً

علمائے حق کا اتباع ہر حال میں لازم ہے

پس سالک کو چاہیئے کہ حقیقتِ حال تک پہنچنے سے پہلے اپنے کشف و الہام کے برخلاف علمائے اہلِ حق کی تقلید کو لازم جانے۔ اور علماء کو حق پر اور اپنے آپ کو

خطا پر خیال کرے۔ کیونکہ علماء کی مسند انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید ہے جن کی تائید وحی قطعی سے کی گئی ہے اور خطاء وغلط سے معصوم ہیں اور کشف والہام وحی کے ساتھ ثابت ہوئے احکام کے مخالف ہونے کی صورت میں سراسر غلط ہیں۔

پس اپنے کشف کو علماء کے قول پر مقدم کرنا درحقیقت احکام قطعیہ مُنزّلہ پر مقدم کرنا ہے۔ اور یہ عین گمراہی اور محض خسارہ ہے۔ اور نیز جس طرح کتاب و سُنت کے موافق اعتقاد کا درست کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ان کے موافق جیسے کہ علمائے مجتہدین نے کتاب وسنت سے استنباط فرمایا ہے۔ اور احکام حلال وحرام وفرض وواجب ومستحب ومکروہ ومشتبہ ان سے نکالے ہیں، ان کا علم وعمل بھی ضروری ہے۔ مُقلد کو لائق نہیں کہ مجتہد کی رائے کے برعلاف کتاب وسنت سے احکام اخذ کرے اور اُن پر عمل کرے۔ اور عمل کرنے میں اس مجتہد کے مذہب سے جس کا وہ تابع ہے قول مختار کو اختیار کرے۔ اور رخصت سے اجتناب کر کے عزیمت پر عمل کرے اور جہاں تک ہو سکے مجتہدین کے اقوال جمع کرنے میں کوشش کرے۔ تاکہ متفق علیہ قول پر عمل واقع ہو۔

مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وضو میں نیت کو فرض کہتے ہیں۔ نیت کے بغیر وضو نہ کرے اور ایسے ہی ترتیب اور اعضاء کے دھونے اور تواتر کو بھی لازم جانتے ہیں۔ ترتیب وتواتر کی بھی رعایت کرنی چاہیئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اعضاء کے دھونے میں دلک یعنی مَلنے کو فرض کہتے ہیں، اعضاء کو مَلنا بھی چاہیئے۔

ایسے ہی لمس نساء، اور مس ذکر کو وضو کا ناقض یعنی توڑنے والا کہتے ہیں۔ لمس نساء اور مس ذکر کے واقع ہونے کی صورت میں از سر نو وضو کرے۔ علیٰ ہذا القیاس

ان دو اعتقادی وعملی پَروں کے حاصل ہونے کے بعد قرب ایزدی جل شانہ کے مدارج عروج کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور منازل ظلمانی اور مسالک نورانی کے قطع کرنے کا طالب ہونا چاہیئے۔

مکتوب ۲۸۶ ایضاً

شیخ کی تلاش

لیکن جاننا چاہیئے کہ ان منازل کا قطع کرنا اور ان مدارج پر عروج کرنا شیخ کامل مکمل راہ دان، راہ بین، راہنما کی توجہ و تصرف پر وابستہ ہے جس کی نظر امراض قلبی کو شفا بخشنے والی ہے اور اس کی توجہ ناپسندیدہ ردی اخلاق کو دور کرنے والی ہے۔ پس طالب کو چاہیئے کہ اوّل شیخ کی طلب کرے۔ اگر محض فضل خداوندی سے اس کو شیخ کا پتہ بتلادیں تو شیخ کی معرفت کو نعمت عظمیٰ تصور کر کے اپنے آپ کو اس کو ملازم بنائے اور ہمہ تن اس کے تصرف کے تابع ہوجائے۔

شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے کہ جس نے اُن کو پہچانا اُس نے تجھ کو پا لیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہ پہچانا۔ اور اپنے اختیار کو کلی طور پر شیخ کے اختیار میں گم کردے۔ اور اپنے آپ کو تمام مرادوں سے خالی کر کے کر ہمت کو اس کی خدمت میں باندھے۔ اور جو کچھ شیخ اُس کو فرمائے اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جان کر اس کے بجالانے میں جان سے کوشش کرے۔ شیخ مقتدار اگر ذکر کو اس کی استعداد کے مناسب دیکھے گا تو اس کی طرف اشارہ کرے گا اور اگر صرف صحبت ہی میں رہنا اس کے لئے کافی دیکھے گا تو اس کا امر کرے گا۔

غرض شیخ کی صحبت کے حاصل ہونے کے باوجود ذکر اور شرائط راہ میں سے کسی شرط کی حاجت نہیں ہے۔ جو کچھ طالب کے حال کے مناسب دیکھے گا فرما دے گا۔ اور اگر راستہ کی بعض شرائط میں تقصیر واقع ہوگی تو شیخ کی صحبت اس کا تدارک کردے گی اور اس کی توجہ اس کی کمی کو پورا کردے گی۔ اور اگر ایسے شیخ مقتدار کی شرفِ صحبت سے مشرف نہ ہو تو پھر اگر مرادوں میں سے ہے تو اُس کو اپنی طرف جذب کرلیں گے اور محض عنایت بیغایت سے اس کا کام کردیں گے۔ اور جو شرط و ادب کہ اُن کے لئے درکار ہوگا اس کو جتلادیں گے اور منازل سلوک کے

قطع کرنے میں بعض بزرگواروں کی روحانیت کو اس کے راستہ کا وسیلہ بنائیں گے کیونکہ عادی اسی طرح جاری ہے کہ راہ سلوک کے طے کرنے میں مشائخ کی روحانیت کا وسیلہ درکار ہے۔

اور اگر مریدوں میں سے ہے تو اس کا کام شیخ مقتدا کے وسیلہ کے بغیر مشکل ہے۔ جب شیخ مقتدا نہ ملے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و زاری کرتا رہے تاکہ اس کو شیخ مقتدا تک پہنچا دیں۔ اور نیز چاہیئے کہ شرائط راہ کی رعایت کو لازم جانے۔ شرائط مشائخ کی کتابوں میں مفصل طور پر بیان ہو چکی ہیں۔ وہاں سے ملاحظہ کر کے ان کو مدنظر رکھیں۔

مکتوب ۲۸۶ ایضاً

سلوک کی شرطِ اوّل، نفس کی مخالفت اور گناہوں سے اجتناب ہے

شرائط راہ میں سے اعلیٰ اور اعظم شرط نفس کی مخالفت ہے اور وہ مقام ورع و تقوےٰ کی رعایت پر موقوف ہے۔ جو محارم یعنی حرام سے ہٹ جانے سے مراد ہے اور محرمات و حرام سے نہیں بچ سکتے جب تک فضول مباحات سے پرہیز نہ کریں۔ کیونکہ مباحات کے ارتکاب میں نفس کی باگ کا ڈھیلا کرنا مشتبہات تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے اور حرام میں گر پڑنے کا احتمال قوی ہے۔ مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِکُ اَنْ یَّقَعَ فِیْہِ "جو شخص چراگاہ کے گرد پھرا وہ بے شک اس میں جا پڑے گا۔"

پس محرمات سے بچنا فضول مباحات سے بچنے پر موقوف ہوا۔ پس ورع میں فضول مباحات سے بچنا بھی ضروری ہوا۔ اور ترقی و عروج ورع پر وابستہ ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ اعمال کے دو جزو ہیں۔ ایک امتثال اوامر یعنی امر کا بجالانا، دوسرا انتہا از مناہی یعنی منہیات سے بچنا۔ امتثال امر میں قدسی یعنی فرشتے بھی شامل ہیں۔ اگر امتثال امر میں ترقی واقع ہوتی تو قدسیوں کو بھی واقع ہوتی اور مناہی سے بچ رہنا قدسیوں میں

نہیں ہے کیونکہ وہ بالذات معصوم ہیں اور مخالفت کی مجال نہیں رکھتے تاکہ اس سے نہی کی جائے۔ پس معلوم ہُوا کہ ترقی اسی جزو پر وابستہ ہے اور یہ اجتناب سراسر نفس کی مخالفت ہے۔ کیونکہ شریعت ہوائے نفسانی اور رسوم ظلمانی کے دفع کرنے اور مٹانے کے لئے وارد ہوئی ہے چونکہ نفس کی طبعی خواہش محرم کا ارتکاب یا فضول امر کا ارتکاب ہے جو محرم کے ارتکاب تک پہنچا دیتا ہے اس لئے محرم وفضول کے اجتناب میں نفس کی عین مخالفت ہے۔

مکتوب ۲۸۷

شیخ کامل اختیار نہ کرنے کے نقصانات

دیکھنے میں آتا ہے کہ طالب اپنی کم ہمتی اور پست فطرتی اور شیخ کامل مکمل کی صحبت نہ پانے کے باعث دراز راستہ اور بلند مطلب کو چھوٹے راستہ اور ادنیٰ مطلب پر لے آئے ہیں۔ اور جو کچھ ان کو راستہ میں حقیر و فقیر یعنی ہیچ پوچ حاصل ہُوا ہے اسی پر کفایت کر کے اسی کو اصل مقصد خیال کئے بیٹھے ہیں۔ اور اس کے حاصل ہونے سے اپنے آپ کو کامل اور منتہی سمجھے بیٹھے ہیں۔ اور وہ احوال جو راہ کے منتہیوں اور درگاہ کے واصلوں نے اپنے کام کے انجام اور اپنے روزگار کے نہایت کی نسبت بیان فرمائے ہیں، یہ پست فطرت لوگ اپنی قوت متخیلہ کے غلبہ کے باعث ان احوالِ کاملہ کو اپنے احوالِ ناقصہ کے مطابق کرتے ہیں۔ ان کا بعینہٖ یہی قصہ ہے۔ ع

بخواب اندر مگر مُوشے شتر شد

ترجمہ : " خواب میں موش بن گیا اشتر

انھوں نے بحرِ عمیق سے قطرہ بلکہ قطرہ کی صورت پر اور دریائے عمان سے بُوند بلکہ بُوند کی صورت پر قناعت کی ہے۔ اور چون کو بیچون تصور کر کے بیچون سے آرام حاصل کیا ہے اور مانند کو بے مانند خیال کر کے بے مانند کو چھوڑ کر مانند کے ساتھ گرفتار ہوئے ہیں۔ ان سالکوں کے احوال سے جنہوں نے ابھی سلوک کو تمام نہیں کیا اور ان پیاسوں کے حالات سے جنہوں نے سراب کے ساتھ آرام حاصل

کیا ہوا ہے۔ ان لوگوں کے احوال جو تقلید کے ساتھ بے چون پر ایمان لائے ہیں اور بے مانند کے گرفتار ہیں کئی درجے بہتر ہے۔ محق اور مبطل (یعنی سچے اور جھوٹے) اور مصیب اور مخطی (یعنی باصواب اور خطاکار) کے درمیان بہت فرق ہے۔

ان طالبوں کو جو ابھی مطلب تک نہیں پہنچے اور حادث کو قدیم جانتے ہیں اور چون کو بے چون سمجھتے ہیں۔ اگر غیر صحیح کشف پر معذور نہ رکھیں اور اس غلط اور خطا پر مواخذہ کریں تو ان کا حال نہایت ہی افسوس کے قابل ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔

"یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر۔"

مثلاً ایک شخص کعبہ کا طالب ہوا اور شوق سے اس کی طرف پہنچنے کے لئے متوجہ ہوا۔ اتفاقاً اثنائے راہ میں خانہ کعبہ جیسا ایک اور خانہ اس کے سامنے آیا۔ صورت کی مشابہت کے باعث اس شخص نے خیال کیا کہ یہی کعبہ ہے اور وہیں معتکف ہو کر بیٹھ گیا۔ اور دوسرے شخص نے کعبہ کے خواص کو کعبہ کے واصلوں سے معلوم کر کے کعبہ کی تصدیق کی۔ اس شخص نے اگرچہ طلب سے کعبہ کی راہ میں قدم نہیں رکھا۔ لیکن اس نے غیر کعبہ کو کعبہ نہیں جانا ہے۔ یہ شخص اپنی تصدیق میں محق یعنی سچا ہے اور اس کا حال طالب خطاکار مذکور سے بہتر ہے۔ لیکن اس طالب کا حال جو ہر چند مقصد تک نہیں پہنچا ہے۔ لیکن اس نے غیر مطلب کو مطلب نہیں سمجھا ہے۔ اس مقلد محق کے حال سے جس نے ابھی راہ مطلب میں قدم نہیں رکھا بہتر ہے۔ کیونکہ اس نے مطلوب کے تصدیق کی حقیقت کے باوجود مطلوب کے راہ کی مسافت کو مجمل طور پر قطع کیا ہے۔ پس زیادت و برتری اس کے لئے متحقق و ثابت ہوگی۔

اور ان میں سے ایک گروہ کے لوگ اپنے اس خیالی کمال اور وہمی وصال سے شیخی اور خلق کی اقتدار کی مسند پر بیٹھے ہیں اور اپنی منقصت کے باعث کمالات کے بہت سے مستعدوں کی استعداد کو ضائع کر دیا ہے اور اپنی صحبت کی سردی کی شومی سے طالبوں کی طلب کی حرارت کو دُور کر دیا ہے۔

ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا ضَاعُوْا فَاَضَاعُوْا "یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو

بھی گمراہ کیا"
اور آپ بھی ضائع ہوئے اور دوسروں کو بھی ضائع کیا ۔

⁘

مکتوب نمبر ۲۸۷ ایضاً

بعض شرائط کے ساتھ کسی کو مجاز بنانا

اور اگر بالفرض شیخ مقتدا اس کی بہتری اجازت میں دیکھے اور افادہ کے معنی اس میں معلوم کرے تو چاہیئے کہ اس کے افادہ کو بعض قیود اور شرائط کے ساتھ مقید کرے۔ مثلاً اس کے افادہ کے طریق پر طالب کی مناسبت کا ظاہر ہونا اور اس کی صحبت میں اس کی استعداد کا ضائع نہ ہونا۔ اور اس ریاست میں اس کے نفس کا سرکش نہ ہونا۔ کیونکہ تزکیۂ نفس نہ ہونے کے باعث اس سے ہوائے نفسانی کی اقتدا زائل نہیں ہوتی ۔ اور جب معلوم کرے کہ طالب اس سے اس کے نہایت افادہ تک پہنچ گیا ہے اور طالب کی استعداد میں ابھی ترقی کی قابلیت ہے تو اس کو چاہیئے کہ یہ بات اُس پر ظاہر کردے اور اس کو رخصت دیدے تاکہ وہ اپنے کام کو دوسرے شیخ سے کامل و تمام کرے اور اپنے آپ کو مُنتہی نہ سمجھ لے۔ اور اس حیلہ سے لوگوں کی رہزنی نہ کرے اور اس قسم کی شرائط جو اس کے حال کے مناسب جانے اُس کے سامنے ذکر کر دے ۔ اور ان کی وصیت کر کے رخصت و اجازت دے دے ۔ لیکن مُنتہی مرجوع افادہ و تکمیل میں ان قیود و شرائط کا محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو جامعیت کے باعث تمام طریقوں اور استعدادوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی استعداد و مناسبت کے موافق اس سے فائدہ حاصل کر لیتا ہے ۔

اگرچہ مشائخ اور مقتداؤں کی صحبت میں مناسبت کے قوی یا ضعیف ہونے کے باعث سرعت و بطوء یعنی دیری اور جلدی میں تفاوت ہے لیکن اصل افادہ میں متساوی الاقدام یعنی رُتبہ میں برابر ہیں۔ شیخ مقتدا کو لازم ہے کہ طالب کے

افادہ کے وقت حق سبحانہٗ کی بارگاہ میں التجا کرتا رہے اور اس کے حبل متین یعنی مضبوط رسی سے پنجہ مارے کہ مبادا اس اشتہار کے ضمن میں مکر و استدراج پوشیدہ ہو۔ اور یہ التجا اس امر میں کیا بلکہ تمام امور میں ہر وقت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کو عطا فرمائی ہوتی ہے اور کسی فعل میں کسی وقت اس سے جدا نہیں ہوتی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔"

مکتوب ۲۸۸

فرائض باجماعت ادا کرنے کا اہتمام لازم ہے اور نوافل باجماعت بدعت ہیں

جاننا چاہیئے کہ اکثر خاص و عام لوگ اس زمانہ میں نوافل کے ادا کرنے میں بڑا اہتمام کرتے ہیں اور مکتوبات یعنی فرضی نمازوں میں سستی کرتے ہیں اور ان میں سنتوں اور مستحبوں کی رعایت کم کرتے ہیں۔ نوافل کو عزیز جانتے ہیں اور فرائض کو ذلیل و خوار۔ فرائض کو اوقات مستحبہ میں بمشکل ادا کرتے ہیں اور جماعت مسنونہ کی تکثیر بلکہ نفس جماعت میں کوئی تقید نہیں رکھتے۔ نفس فرائض کو غفلت و سستی سے ادا کرنا غنیمت سمجھتے ہیں اور روز عاشورہ اور شب برات اور ماہ رجب کی ستائیسویں رات اور ماہ رجب کے اول جمعہ کی رات کو جس کا نام انہوں نے لیلۃ الرغائب رکھا ہے، بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اور نوافل کو بڑی جمعیت کے ساتھ جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اس کو نیک و مستحسن خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ شیطان کے تسویلات یعنی مکر و فریب ہیں جو سیئات کو حسنات کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ نوافل کو جماعت سے ادا کرنا اور فرض کی جماعت کو ترک کرنا شیطان کا مکر و فریب ہے۔

جاننا چاہیئے کہ نوافل کو جمعیت تمام کے ساتھ ادا کرنا، ان مکروہ اور مذمومہ بدعتوں میں سے ہے جن کے حق میں رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔
مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا ھٰذَا فَھُوَ رَدٌّ
"جس نے ہمارے اس دین میں نئی بات نکالی وہ رَد ہے"

جاننا چاہیئے کہ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا فقہ کی بعض روایات میں مطلق طور پر مکروہ ہے اور بعض روایات میں کراہت تداعی اور تجمیع (یعنی بلانے اور جمعیت پر) مشروط ہے۔ پس اگر بغیر تداعی کے ایک دو آدمی مسجد کے گوشہ میں نفل کو جماعت سے ادا کریں تو بغیر کراہت کے روا ہے۔ اور تین آدمیوں میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اور بعض روایات میں چار آدمیوں کی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں اور بعض روایات میں اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ تراویح اور کسوف کی نماز کے سوا اور نوافل کو جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے۔

اور فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ شیخ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا کرنا جب کہ تداعی کے طریق پر ہو، مکروہ ہے۔ لیکن جب ایک یا دو اقتدار کریں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بلا خلاف کراہیت ہے۔

اور خلاصہ میں ہے کہ نفلوں کی جماعت جب تداعی کے طریق پر ہو تو مکروہ ہے۔ لیکن جب اذان واقامت کے بغیر گوشہ مسجد میں ادا کیئے جائیں تو مکروہ نہیں ہیں۔

اور شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہے کہ جب امام کے سوا تین آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے اور چار میں اختلاف ہے اور اصح یہی ہے کہ مکروہ ہے۔

اور فتاویٰ شافعیہ میں ہے کہ ماہ رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا نہ کریں اور نوافل کو تداعی کے طور پر یعنی اذان و اقامت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ایک یا دو اقتدار کریں جو تداعی کے طور پر نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ اور اگر تین اقتدار کریں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اگر چار اقتدا کریں تو

بالاتفاق مکروہ ہے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں اور فقہ کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں۔ اور اگر کوئی ایسی روایت پیدا ہو جائے جو عدد کے ذکر سے ساکت ہو۔ اور اس سے مطلق طور پر نفل کو جماعت سے ادا کرنا جائز ہوتا ہو تو اس کو مقید پر محمول کرنا چاہیئے جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہیئے اور جواز کو دو یا تین پر منحصر کرنا چاہیئے کیونکہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو مقید پر حمل نہیں کرتے لیکن روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز بلکہ لازم جانتے ہیں اور اگر بفرض محال حمل نہ کریں اور اطلاق پر ہی رہنے دیں تو یہ مطلق اس مقید کا معارض ہوگا۔ اگرچہ قوت میں برابر ہوں۔ اور مساوات ممنوع ہو کیونکہ کراہت کی روایتیں باوجود کثرت کے مختار اور مفتیٰ بہا ہیں، برخلاف اباحت کے روایتوں کے۔ اور اگر مساوات کو مان بھی لیں تو ہم کہتے ہیں کہ کراہت و اباحت کے دلائل متعارض ہونے کی صورت میں کراہت کی جانب کو ترجیح ہے۔ کیونکہ احتیاط کی رعایت اسی میں ہے جیسے کہ اصولِ فقہ کے جاننے والوں کے نزدیک مقرر ہے۔

پس وہ نماز جو روز عاشورہ اور شب برات اور لیلۃ الرغائب میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے زیادہ آدمی مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو مستحسن خیال کرتے ہیں۔ ایسے لوگ فقہاء کے اتفاق سے امر مکروہ کے مرتکب ہیں۔ اور مکروہ کو مستحسن جاننا بڑا بھاری گناہ ہے۔ کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو احسن سمجھنا ایک درجہ اس سے کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملاحظہ کرنا چاہیئے۔

اور کراہیت کے دفع کرنے میں اُن کے پاس سند عدم تداعی ہے۔ ہاں عدم تداعی بعض روایات میں کراہت کو دفع کرتی ہے لیکن ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ گوشہ مسجد میں ہو۔ وَبِدُوْنِہِمَا خَرْطُ الْقَتَادِ۔ اس کے علاوہ بے فائدہ رنج ہے۔

تداعی سے مُراد ہے نماز نفل کے ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے کو خبر دینا اور یہ معنی اس جماعت میں متحقق ہیں کہ قبیلہ قبیلہ عاشورہ کے دن ایک دوسرے کو خبر کرتے اور جتلاتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں جانا چاہیئے اور نماز کو جمعیت سے ادا کرنا چاہیئے اور اس فعل کو معتبر جاننا چاہیئے۔ اس قسم کا اعلان اذان و اقامت سے بھی ابلغ ہے۔ پس تداعی بھی ثابت ہو گئی۔ اگر تداعی کو اذان و اقامت پر ہی مخصوص کہیں۔ جیسے کہ بعض روایات میں واقع ہے اور اس سے اذان و اقامت کی حقیقت مُراد لیں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو اُوپر گزر چکا کہ ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسری شرط کے ساتھ جو اوپر مذکور ہو چکی۔

جاننا چاہیئے کہ ادائے نوافل کی بنیاد اخفا و تستر یعنی پوشیدگی پر ہے تاکہ سُمعہ و ریا کا گمان نہ گزرے اور جماعت اس کی منافی ہے۔ اور فرائض کے ادا کرنے میں اظہار و اعلان مطلوب ہے۔ کیونکہ ریا و سمعہ کی آمیزش سے پاک ہے۔ پس ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مناسب ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ کثرت اجتماع فتنہ پیدا ہونے کا محل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نماز جمعہ کے ادا کرنے کے لئے سلطان یا اُس کے نائب کا حاضر ہونا شرط ہے تاکہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن رہے اور ان مکروہ جماعت میں بھی فتنہ پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے۔ پس یہ اجتماع بھی مشروع نہ ہو گا۔ بلکہ مُنکر ہو گا۔

حدیث نبویؐ میں ہے:

اَلْفِتْنَۃُ نَائِمَۃٌ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اَیْقَظَھَا۔

"فتنہ سویا ہوتا ہے جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے"۔

پس اسلام کے والیوں اور قاضیوں اور محتسبوں کو لازم ہے کہ اس اجتماع سے منع کریں اور اس بارہ میں بہت ہی زجر و تنبیہ کریں۔ تاکہ یہ بدعت جس سے فتنہ برپا ہو جڑ سے اُکھڑ جائے۔

وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔

"اللہ تعالیٰ حق ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راہ کی ہدایت دیتا ہے"۔ ؎

مکتوب نمبر ۲۹۲

شیخ کے پاس رہنے کے آداب

جاننا چاہیئے کہ صحبت کے آداب اور شرائط کو مدنظر رکھنا اس راہ کی ضروریات میں سے ہے تاکہ افادہ اور استفادہ کا راستہ کھل جائے ورنہ صحبت سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور مجلس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا یعض ضروری آداب و شرائط لکھے جاتے ہیں گوش ہوش سے سُننے چاہئیں۔

طالب کو چاہیئے کہ اپنے دل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی خدمت میں اُس کے اِذن کے بغیر نوافل واذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے اور بالکل اسی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے۔ حتیٰ کہ جب تک وہ امر نہ کرے ذکر میں بھی مشغول نہ ہو اور اس کے حضور میں نماز فرض وسنت کے سوا کچھ ادا نہ کرے۔

کسی بادشاہ کی نقل کرتے ہیں کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اتفاقاً وزیر کی نظر اس کے اپنے کپڑے پر جا پڑی اور اس کے بند کو اپنے ہاتھ سے درست کرنے لگا۔ اس حال میں جب بادشاہ نے اس کو دیکھا کہ میرے سوا غیر کی طرف متوجہ ہے تو جھڑک کر فرمایا کہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تو میرا وزیر ہو کر میرے حضور میں اپنے کپڑے کے بند کی طرف متوجہ کرے۔

تو سوچنا چاہیئے کہ جب دُنیا کمینی کے وسائل کے لئے چھوٹے چھوٹے آداب ضروری ہیں تو وصول الی اللہ کے وسائل کے لئے ان آداب کی رعایت نہایت ہی کامل طور پر ضروری ہوگی اور جہاں تک ہو سکے ایسی جگہ بھی کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا سایہ پر پڑتا ہو۔ اور اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اُس کے وضو کی جگہ میں طہارت نہ کرے اور اُس کے خاص برتنوں کو استعمال نہ کرے اور اس کے حضور میں پانی نہ پئے۔ کھانا نہ کھائے اور کسی سے گفتگو نہ کرے بلکہ کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو اور پیر کی غیبت یعنی عدم موجودگی میں جہاں کہ وہ رہتا ہے اس طرف پاؤں دراز نہ کرے۔

اور تھوک بھی اس طرف نہ پھینکے اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اس کو صواب و بہتر جانے۔ اگرچہ بظاہر بہتر معلوم نہ ہو۔ کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کام کرتا ہے۔ اس تقدیر پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا کا ہونا ممکن ہے لیکن خطائے الہامی خطائے اجتہادی کی طرح ہے اور ملامت و اعتراض اس پر جائز نہیں اور نیز جب اس کو اپنے پیر سے محبت ہے تو جو کچھ محبوب سے صادر ہوتا ہے محب کی نظروں میں محبوب ہی دکھائی دیتا ہے پھر اعتراض کی کیا مجال ہے؟ اور کھانے پینے پہننے اور طاعت کے چھوٹے بڑے بڑے کاموں میں پیر ہی کی اقتدار کرنی چاہیئے اور نماز کو بھی اسی طرز پر ادا کرنا چاہیئے اور رفقہ بھی اسی کے طریق عمل سے سیکھنی چاہیئے۔ ؎

آں لاکہ در سرائے نگار یست فارغ است | از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

ترجمہ :- "وہ شخص جس کے گھر میں گلزار خود اُگا ہو
غیروں کے باغ دیکھنے حاجت نہیں ہے اُسکو

اور اس کے حرکات و سکنات میں کسی قسم کا اعتراض نہ کرے۔ اگرچہ وہ اعتراض رائی کے دانہ جتنا ہو۔ کیونکہ اعتراض سے سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور تمام مخلوقات میں سے بدبخت وہ شخص ہے جو اس بزرگ گروہ کا عیب بین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلائے عظیم سے بچائے اور اپنے پیر سے خوارق و کرامات طلب نہ کرے اگرچہ وہ طلب خطرات اور وساوس کے طریق پر ہو۔ کیا تم نے نہیں سُنا کہ کسی مومن نے پیغمبر سے مُعجزہ طلب نہیں کیا۔ معجزہ طلب کرنا کافروں اور منکروں کا کام ہے ؎

معجزات از بہر قہر دشمن است | بُوئے جنسیت پے دل بردن است

موجب ایماں نہ باشد معجزات | بوئے جنسیت کند جذب صفات

ترجمہ : "قہرِ دشمن کے لیئے ہیں مُعجزے
بُوئے جنسیت دلوں کو کھینچ لے
مُوجب ایمان نہیں ہیں مُعجزے
بُوئے جنسیت صفت کو کھینچ لے

اگر دل میں کوئی شُبہ پیدا ہوے تو فقت عرض کردے۔ اگر حل نہ ہو اپنی تقصیر

سمجھے اور پیر کی طرف کسی قسم کی کوتاہی یا عیب نہ کرے۔ اور جو واقع ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے۔ اور واقعات تعبیر اسی سے دریافت کرے اور جو تعبیر طالب پر ظاہر ہو، وہ بھی عرض کر دے اور صواب و خطا کو اسی سے طلب کرے اور اپنے کشف پر ہرگز بھروسہ نہ کرے۔ کیونکہ اس جہان میں حق باطل کے ساتھ اور خطا صواب کے ساتھ ملا جُلا ہے۔ اور بے ضرورت و بے اِذن اس سے جُدا نہ ہو۔ کیونکہ اس کے غیر کو اس کے اُوپر اختیار کرنا ارادت کے برخلاف ہے اور اپنی آواز کو اس کی آواز سے بلند نہ کرے۔ اور بلند آواز سے اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے کہ بے ادبی میں داخل ہے اور جو فیض و فتوح اس کو پہنچے اُس کو اپنے پیر کے ذریعے سمجھے۔ اور اگر واقع میں دیکھے کہ فیض اور مشائخ سے پہنچا ہے اُس کو بھی اپنے پیر ہی سے جانے۔

اور جان لے کہ جب پیر تمام کمالات و فیوض کا جامع ہے۔ پیر کا خاص فیض پیر کی خاص استعداد کے مناسب اس شیخ کے کمال کے موافق جس سے یہ صورت افاضہ ظاہر ہوئی ہے مُرید کو پہنچا ہے اور وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جس کے مناسب وہ فیض رکھتا ہے اور اُس شیخ کی صورت میں ظاہر ہُوا ہے۔ محبت کے غلبہ کے باعث مرید نے اس کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض اس سے جانا ہے۔ یہ بڑا بھاری مغالطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ لغزش سے نگاہ رکھے۔ اور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل پیر کے اعتقاد اور محبت پر ثابت قدم رکھے۔

غرض اَلطَّرِیْقُ کُلُّہٗ اَدَبٌ، مثل مشہور ہے کہ کوئی بے ادب اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچتا۔

اور اگر مرید بعض آداب کے بجالانے میں اپنے آپ کو قصور وار جانے اور اس کو کما حقہٗ ادا نہ کر سکے۔ اور کوشش کرنے کے بعد بھی اس سے عہدہ بر آنہ ہو سکے تو معاف ہے، لیکن اس کو اپنے قصور کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ اور اگر نعوذ باللہ آداب کی رعایت بھی نہ کرے اور اپنے آپ کو قصور وار بھی نہ جانے تو وہ ان بزرگواروں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔

مکتوب ۲۹۳

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مقام اور انکا کلام

اور یہ جو حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:
قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ عَلٰی وَلِیِّ اللّٰہِ اَوْ جَمِیْعِ الْاَوْلِیَآءِ ۔
"میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے"

"عوارف المعارف" والا جو شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے محرموں اور مصاحبوں سے ہے) کا مرید اور تربیت یافتہ ہے اس کلمہ کو ان کلمات سے بیان کرتا ہے جو عجب پر مشتمل ہے جو ابتدائے احوال میں بقیہ سُکر کے باعث مشائخ سے سرزد ہوتے ہیں۔ اور "نفحات" میں شیخ حماد دباس سے جو حضرت شیخ کے مشائخ میں سے ہیں منقول ہے کہ انہوں نے بطریق فراست فرمایا تھا کہ اس عجمی کا ایک ایسا قدم ہے کہ اس کے وقت میں تمام اولیاء کی گردنوں پر ہوگا اور اس بات کے کہنے پر مامور ہوگا کہ قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ ۔ اور جس وقت یہ بات کہے گا تمام اولیاء اپنی گردنیں جھکا دیں گے"۔

بہرصورت شیخ اس کلام میں سچے ہیں خواہ یہ کلام ان سے بقیہ سُکر کے باعث سرزد ہوا ہو خواہ اس کلام کے اظہار پر مامور ہوئے ہوں۔ کیونکہ ان کا قدم اس وقت کے تمام اولیاء کی گردنوں پر ہوا ہے اور اس وقت کے تمام اولیاء ان کے قدم کے نیچے ہوئے ہیں۔ لیکن جاننا چاہیئے کہ یہ حکم اس وقت کے اولیاء کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اولیائے متقدمین اور متاخرین اس حکم سے خارج ہیں۔ جیسے کہ شیخ حمادؒ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس کا قدم اس کے وقت میں تمام اولیاء کی گردنوں پر ہوگا۔

اور نیز ایک غوث نے جو بغداد میں ہوا ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر اور ابن سقاؒ اور عبداللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس کی زیارت کے لئے گئے تھے بطریق فراست حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کہا تھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تو بغداد میں منبر پر چڑھا ہوا ہے

اور کہہ رہا ہے :

قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ ۔

اور میں دیکھتا ہوں کے اس وقت کے تمام اولیاء نے تیرے جلال واکرام کے باعث اپنی گردنوں کو پست کیا ہوا ہے ۔

اس بزرگ کے کلام سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس وقت کے اولیاء کے ساتھ ہی مخصوص تھا۔ اس وقت بھی اگر خدا تعالےٰ کسی کو چشم بصیرت عطا فرمائے تو دیکھ سکتا ہے۔ جیسے کہ اس غوث نے دیکھا تھا کہ اُس وقت کے اولیاء کی گردنیں اس کے قدم کے نیچے ہیں اور یہ حکم اُس وقت کے اولیاء تک نہیں پہنچا۔ اولیائے متقدمین کے حق میں یہ حکم کیسے جائز ہو سکتا ہے جن میں اصحاب کرامؓ بھی شامل ہیں جو یقیناً حضرت شیخؒ سے افضل ہیں اور اولیائے متاخرین میں بھی کیسے جائز ہو سکتا ہے جن میں حضرت مہدیؑ شامل ہیں جن کے آنے کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے بشارت دی ہے اور اُمت کو ان کے وجود کی خوشخبری دی ہے اور ان کے حق میں خلیفہ اللہ فرمایا ہے۔

ایسے ہی حضرت عیسےٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جو اولوالعزم نبی ہیں ان کے اصحاب سابقین میں سے ہیں اور اس شریعت کی متابعت کے باعث حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے ملحق ہیں۔ متاخرین کی اس بزرگی کے باعث ممکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہو۔

لَا یُدْرٰی اَوَّلُهُمْ خَیْرًا اَمْ اٰخِرُهُمْ ۔

" نہیں معلوم اُن کے اول بہتر ہیں یا آخیر کے "

غرض حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ ولایت میں شانِ عظیم اور درجہ بلند رکھتے ہیں۔ ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام والتحیۃ کو سیر کی راہ سے آخر نقطہ تک پہنچایا ہے اور اس دائرہ کے سر حلقہ ہوئے ہیں۔

اس بیان سے کوئی یہ وہم نہ کرے کہ جب حضرت شیخ دائرہ ولایت محمدیہ کے سر حلقہ ہیں تو چاہیئے کہ سب اولیاء سے افضل ہوں، کیونکہ ولایت محمدی تمام انبیاء کی ولایت سے برتر ہے۔ کیونکہ میں کہتا ہو کہ اس ولایت محمدی کے سر حلقہ ہیں جو راہِ سیر سے حاصل ہوئی ہے جیسے کہ اُوپر گزر چکا، نہ کہ مطلق اس ولایت کے سر

حلقہ ہیں جس سے افضلیت لازم آئے۔ یا دوسرا اس کا جواب یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ مطلق ولایت محمدیہ کا سرحلقہ ہونا افضلیت کو مستلزم نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور بھی کمالاتِ نبوتِ محمدیہ میں تبعیت اور وراثت کے طریق پر قدم آگے رکھتا ہو اور ان کمالات کی راہ سے افضلیت اس کے لئے ثابت ہو۔

حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر مرید شیخ کے حق میں بہت غلو کرتے ہیں اور محبت کی جانب میں افراط سے کام لیتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے محبّ اُن کے محبت میں افراط کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ شیخ کو تمام اگلے پچھلے اولیاء سے افضل جانتے ہیں اور انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا تمام نہیں کہ کسی اور کو حضرت شیخ سے افضل جانتے ہوں۔ یہ کلام افراطِ محبت سے ہے۔

اگر کہیں کہ جس قدر خوارق و کرامات شیخ سے ظاہر ہوئے ہیں اور کسی ولی سے ظاہر نہیں ہوئے اس لحاظ سے فضیلت انہی کے لئے ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ خوارق و کرامات کا بکثرت ظاہر ہونا افضلیت پر دلالت نہیں کرتا۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص جس سے کوئی بھی خرق عادت ظاہر نہ ہوئی ہو اس شخص سے کہ جس سے خوارق و کرامات بکثرت ظاہر ہوئے ہوں، افضل ہو۔

شیخ الشیوخ نے عوارف میں خوارق و کرامات کے ذکر کے بعد فرمایا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی بخششیں اور مہربانیاں ہیں جو بعض لوگوں کو عطا فرماتا ہے اور ان کے ساتھ ان کی عزت بڑھاتا ہے۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو رتبہ اور فضیلت میں اُن سے بڑھ کر ہوتے ہیں لیکن ان کرامات میں سے اُن کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ کرامات یقین کی تقویت کا باعث ہیں۔ اور جس کو صرف یقین عطا کیا گیا ہو اس کو ذکرِ قلبی اور ذکرِ ذات کے سوا ان کرامات کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کو افضلیت کی دلیل بنانا ایسا ہے جیسے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے بکثرت فضائل و مناقب کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر ان کے افضل ہونے کی دلیل بنائیں کیونکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے اس قدر فضائل و مناقب ظہور میں نہیں آئے جس قدر کہ حضرت کرم اللہ وجہہ سے۔

مکتوب ایضاً

کشف کی دو قسمیں، اور پہلی قسم کا اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص ہونا

اے برادر! غور سے سُن کہ خرق عادات دو قسم پر ہیں :-

نوعِ اوّل : وہ علوم و معارف الہٰی جل شانہٗ ہیں جو حق تعالےٰ کی ذات و صفات و افعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ عقل کے ماسوا اور معارف و معتاد کے برخلاف ہیں، جن کے ساتھ اپنے خاص بندوں کو ممتاز کرتا ہے۔

نوعِ دوم : مخلوقات کی صورتوں کا کشف ہونا اور پوشیدہ چیزوں پر اطلاع پانا اور ان کی خبر دینا جو اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

نوعِ اول، اہلِ حق اور باب معرفت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور نوعِ ثانی محقق اور مبطل یعنی جھوٹے اور سچے میں شامل ہے۔ کیونکہ استدراج والوں کو بھی نوعِ ثانی حاصل ہے۔

نوعِ اوّل، حق تعالےٰ کے نزدیک شرافت و اعتبار رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کو اپنے دوستوں ہی سے مخصوص کیا ہے اور دشمنوں کو اس میں شریک نہیں کیا۔ اور نوعِ دوم عام مخلوقات کے نزدیک معتبر ہے۔ اور ان کی نظروں میں بہت معزز و محترم ہے۔ یہی باتیں اگر استدراج والوں سے ظاہر ہوں تو عجب نہیں کہ نادانی کے باعث اس کی پرستش کرنے لگ جائیں اور رطب و یابس پر کہ ان کو تکلیف دے۔ اس کے مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں۔ بلکہ محجوب نوعِ اوّل کو خوارق و کرامات سے نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک خوارق نوعِ دوم میں منحصر ہیں۔ اور کرامات ان محجوبوں کے خیال میں مخلوقات کی صورتوں کے کشف اور پوشیدہ چیزوں کی خبر دینے پر مخصوص ہیں۔ یہ لوگ عجب بے وقوف ہیں۔ اتنا نہیں جانتے کہ وہ علم جو حاضر یا غائب مخلوقات کے احوال سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں کون سی شرافت و

کرامت حاصل ہے۔ بلکہ یہ علم تو اس بات کے لائق ہے کہ جہالت سے بدل جائے تاکہ مخلوقات اور اُن کے احوال بھول جائیں اور وہ حق تعالےٰ کی معرفت ہی ہے جو شرافت و کرامت اور اعزاز و احترام کے لائق ہے۔

مکتوب ۲۹۵

نظر بر قدم، ہوش در دم، سفر در وطن، خلوت در انجمن

جاننا چاہیئے کہ طریقہ علیہ نقشبندیہ کے اصول مقررہ میں سے ایک نظر بر قدم ہے۔ نظر بر قدم سے مراد یہ نہیں کہ نظر قدم سے تجاوز نہ کرے۔ اور قدم سے زیادہ بلندی کی خواہش نہ کرے۔ کیونکہ یہ بات خلاف واقع ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ نظر ہمیشہ قدم سے بلندی کی طرف چڑھے۔ اور قدم کو اپنا ردیف بنائے۔ کیونکہ بلندی کے زینوں پر پہلے نظر چڑھتی ہے۔ اس کے بعد قدم صعود کرتا ہے۔ اور جب قدم مرتبۂ نظر میں پہنچتا ہے۔ نظر اس سے اوپر کے زینہ پر آجاتی ہے اور قدم بھی اس کی تبعیت میں اس زینہ پر چڑھ آتا ہے۔ بعد ازاں نظر پھر اس مقام سے ترقی کرتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

اور اگر مراد یہ ہے کہ نظر اس مقام تک ترقی کرے جہاں قدم کی گنجائش نہ ہو۔ یہ بات بھی غیر واقع ہے۔ کیونکہ قدم کے تمام ہونے کے بعد اگر نظر تنہا نہ ہو تو بہت سے مراتب فوت ہو جاتے ہیں۔

اس کا بیان یہ ہے کہ قدم کی نہایت سالک کی استعداد کے مراتب کی نہایت تک ہے بلکہ اس نبی کی استعداد کے نہایت تک ہے جس کے قدم پر وہ سالک ہے۔ لیکن قدم اول بالاصالت ہے اور دوسرا قدم اس نبی کی تبعیت ہے اور اس استعداد کے مراتب سے اوپر اس کا قدم نہیں لیکن نظر ہے۔ اور یہ نظر جب تیزی حاصل کر لے تو اس کا منتہا اس نبی کی نظر کے مراتب کی نہایت ہے جس کے قدم پر وہ سالک ہے کیونکہ نبی کے کامل تابعداروں کو اس کے تمام کمالات سے حصہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن مراتب استعداد کی نہایت تک جو سالک کی اصالت اور تبعیت سے ہے۔ قدم و نظر موافقت رکھتے ہیں۔ بعد ازاں قدم کوتاہی کرتا ہے۔ اور نظر تنہا صعود کرتی

ہے اور اس ہی کے مراتب نظر کی نہایت تک ترقیاں کرتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نظر بھی ان کے قدم پر صعود کرتی ہے اور ان بزرگواروں کے کامل تابعداروں کو بھی اُن کے نظر کے مقام سے حصّہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے کہ اُن کے قدم کے مقام سے نصیب حاصل ہے۔ اور حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے اوپر مقام رویت ہے جس کا وعدہ دوسروں کو آخرت پر دیا گیا ہے۔ جو کچھ دوسروں کے لئے ادھار ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نقد ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو اس مقام سے بھی حصّہ حاصل ہے اگرچہ رویت نہیں ہے ؎

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ غریب وحدیثِ عجیب ہست

ترجمہ: نہیں بے فائدہ حافظ کی فریاد — بہت عمدہ ہے اس کا ماجرا سب

اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر نظر بر قدم سے مراد یہ ہو کہ قدم نظر سے تخلف نہ کرے اس طرح پر کہ کسی وقت مقام نظر تک نہ پہنچے تو نیک ہے کیونکہ یہ معنی ترقی کے مانع ہیں۔ ایسے ہی اگر نظر و قدم سے مراد ظاہری نظر و قدم لئے جائیں تو بھی گنجائش ہے۔ کیونکہ راستہ میں چلنے کے وقت نظر پراگندہ ہو جاتی ہے اور ہر طرح کے محسوسات کی طرف لگ جاتی ہے۔ اگر نظر کو قدم پہ لگایا جائے تو جمعیت کے اقرب ہے اور یہ مراد دوسرے کلمہ کے معنے کے مناسب ہے جو اس کا قرین ہے اور وہ کلمہ ہوش در دم ہے۔

غرض اول اس تفرقہ کے دفع کرنے کے لئے ہے جو آفاق سے پیدا ہوتا ہے۔ اور کلمہ دوسرا انفس کے تفرقہ کو دفع کرتا ہے۔

اور کلمہ تیسرا جو ان دو کلموں کے قرین ہے سفر در وطن ہے۔ اور وہ انفس میں سیر کرنے سے مراد ہے جو اندراج النہایت فی البدایت کے حاصل ہونے کا باعث ہے۔ جو اس طریقہ علیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگرچہ سیر انفسی تمام طریقوں میں ہے لیکن سیر آفاقی کے وصول کے بعد ہے۔ اور اس طریق میں اسی سیر سے شروع کرتے ہیں اور سیر آفاقی اسی سیر کے ضمن میں مندرج ہے۔ اگر اس اعتبار سے

بھی کہہ دیں کہ اس طریقہ علیہ میں نہایت بدایت میں مندرج ہے تو ہو سکتا ہے۔

اور چوتھا کلمہ جو ان تینوں کلموں کے ساتھ ہے خلوت در انجمن ہے۔ جب سفر در وطن میسر ہو جائے تو انجمن میں بھی خلوت خانہ وطن میں سفر کرتا ہے اور آفاق کا تفرقہ انفس کے حجرہ میں راہ نہیں پاتا۔ یہ بھی اس صورت میں ہے کہ حجرہ کے دروازوں اور روزنوں کو بند کریں۔

پس چاہیئے کہ انجمن میں متکلم و مخاطب کا تفرقہ نہ ہو۔ اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ سب تکلفات اور حیلے بہانے ابتدار اور وسط ہی میں ہیں اور انتہا میں ان میں سے کچھ بھی درکار نہیں۔ عین تفرقہ میں جمعیت کے ساتھ اور نفس غفلت میں حاضر رہتے ہیں۔

اس بیان سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ جمعیت میں تفرقہ و عدم تفرقہ منتہی کے حق میں مطلق طور پر مساوی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تفرقہ اور عدم تفرقہ اسکی باطن کی جمعیت میں برابر ہیں۔ اس کے باوجود اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کرلے اور تفرقہ کو ظاہر سے بھی دفع کر دے تو بہت ہی بہتر اور مناسب ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔

"اپنے رب کا نام یاد کر اور سب سے توڑ کر اُس کے ساتھ جوڑ"

جاننا چاہیئے کہ بعض اوقات ظاہری تفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا تاکہ خلق کے حقوق ادا ہوں۔ پس تفرقہ ظاہر بھی بعض اوقات اچھا ہوتا ہے لیکن تفرقہ باطن کسی وقت بھی اچھا نہیں۔ کیونکہ وہ خالص حق تعالےٰ کے لئے ہے۔

پس عبادت سے تین حصے حق تعالےٰ کے لئے مسلّم ہوں گے۔ باطن سب کا سب اور ظاہر کا نصف حصہ۔ اور ظاہر کا دوسرا حصہ خلق کے حقوق ادا کرنے کے لئے رہا۔ چونکہ ان حقوق کے ادا کرنے میں بھی حق تعالےٰ کے حکم کی بجا آوری ہے اس لئے ظاہر کا دوسرا نصف بھی حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

إِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ۔

"تمام امور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس اسی کی عبادت کر"

❖

مکتوب ۲۹۹

زمانہ طاعون میں مصائب پر صبر کی ترغیب

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔ آپ نے مصیبتوں کا حال لکھا ہوا تھا، واضح ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ صبر و تحمل کرنا چاہیئے اور قضا پر راضی ہونا چاہیئے۔

مَن از تو روے نہ پیچم گرم بیازاری   کہ خوش بود ز عزیزاں تحمّل و خواری

ترجمہ :   تُو خواہ کتنا ستائے پھروں نہ تجھ سے کبھی
کہ تیری سختی و خواری ہے لگتی مجھ کو بھلی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ۔

"جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث پہنچتی ہے اور اللہ تعالےٰ بہت کچھ معاف کرتا ہے۔"

اور فرماتا ہے :-

ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ۔

"برّ و بحر میں لوگوں کے اعمال کے باعث فساد مچ گیا۔"

اس مُلک میں ہمارے اعمال کی شومی سے اوّل جو ہے ہلاک ہوئے جو ہم سے زیادہ اختلاط رکھتے تھے اور پھر عورتیں جن کے وجود پر نوع انسانی کی نسل و بقا کا مدار ہے، مَردوں کی نسبت زیادہ مرگئیں۔ اور جو کوئی اس وباء میں مرنے سے بھاگا اور سلامت رہا اُس نے اپنی زندگی پر خاک ڈالی۔ اور جو شخص نہ بھاگا اور مَر گیا اس کو موت شہادت کی مبارکبادی اور خوشخبری ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "بذل الماعون فی فضل الطاعون" میں تحقیق سے لکھا ہے کہ جو شخص طاعون سے مَر جائے اس سے کوئی سوال نہیں ہوتا کیونکہ وہ ایسا ہے جیسے لڑائی میں قتل ہُوا۔ اور جو شخص طاعون میں طلبِ اجر کی نیت سے

صبر کرتا ہے اور جانتا ہے کہ مجھے وہی کچھ پہنچے گا جو میرے لئے اللہ تعالیٰ نے لکھا اور مقدر کیا ہے۔ تو وہ شخص اگر طاعون کے سوا کسی اور بیماری سے بھی مر جائے تو اس صورت میں بھی اُس کو عذاب نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ مُرابط یعنی جہاد کے مستعد اور تیار شُدہ کی مانند ہے۔

اسی طرح شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شرح الصدور فی حال الموتیٰ والقبور" میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بڑی اعلیٰ حجت ہے اور جو شخص کہ نہ بھاگا اور نہ مَرا وہ غازیوں اور مجاہدوں اور صابروں اور بلاکشوں میں سے ہے کیونکہ ہر شخص کے لئے اجل مقرر ہے جو ہرگز آگے پیچھے نہیں ہو سکتی اور اکثر بھاگنے والے جو سلامت رہے ہیں اسی واسطے رہے ہیں کہ ابھی ان کی اجل نہ آئی تھی نہ کہ یہ بھاگ کر مرگ سے بچ گئے اور اکثر صابر لوگ جو ہلاک ہو گئے وہ بھی اپنی اجل ہی سے ہلاک ہُوئے ہیں۔

پس نہ ہی بھاگنا بچا سکتا ہے اور نہ ہی ٹھہرنا ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ طاعون سے بھاگنا یومِ زحف یعنی جنگ کفار کے بھاگنے کی طرح ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے مکر و استدراج ہے کہ بھاگنے والے سلامت رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا۔

"اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے۔"

آپ کے صبر و تحمّل اور مسلمانوں کے ساتھ آپ کی امداد و اعانت کی نسبت سُنا جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ آپ کو اس کام پر جزائے خیر دے۔ بچوں کی تربیت اور ان کی تکلیف برداشت کرنے سے دل تنگ نہ ہوں۔ کیونکہ بہت سے اجر کی امید اسی پر مترتب ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔

والسّلام

مکتوب ۳۰۲

آخرت کا طلب کرنا ہی اتباعِ نبوّت ہے

امام داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِنْ اَرَدْتَ السَّلَامَۃَ سَلِّمْ عَلَی الدُّنْیَا وَاِنْ اَرَدْتَ الْکَرَامَۃَ کَبِّرْ عَلَی الْاٰخِرَۃِ۔ "اگر تو بچاؤ چاہتا ہے تو دُنیا کو سلام کہدے اور اگر تو کرامت چاہتا ہے تو آخرت پر تکبیر کہہ دے۔"

اور اسی گروہ میں سے کوئی اور بزرگ اس آیت کے موافق فرماتا ہے: مِنْکُمْ مَنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ۔ "بعض تم میں سے دُنیا چاہتے ہیں اور بعض تم میں سے آخرت"۔ گویا فریقین سے شکایت ہے۔

غرض فنا جو ماسوا حق کے نسیان سے مُراد ہے دُنیا و آخرت کو شامل ہے اور فنا و بقا دونوں ولایت کے اجزا ہیں۔ پس ولایت میں آخرت کا نسیان ضرور ہے اور کمالاتِ نبوت کے مرتبہ میں آخرت کی گرفتاری بہتر اور محمود ہے اور دار آخرت کا درد پسندیدہ اور مقبول ہے۔ بلکہ اس مقام میں آخرت کا درد اور آخرت کی گرفتاری ہے۔

آیت کریمہ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا (اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارتے ہیں) اور آیت کریمہ: وَیَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ (اپنے اللہ سے ڈرتے اور اس کے عذاب سے خوف کرتے ہیں) اور آیت کریمہ: اَلَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ وَمِنَ السَّاعَۃِ مُشْفِقُوْنَ (اپنے اللہ تعالیٰ سے غیب کے ساتھ ڈرتے ہیں اور قیامت کے ڈر سے کانپتے ہیں) اس مقام والوں کے لئے نقد وقت ہے۔ ان کا نالہ وگریہ احوال آخرت کے یاد کرنے سے ہے اور ان کا الم و اندوہ احوالِ قیامت کے ڈر سے ہے۔ ہمیشہ قبر کے فتنے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے اور زاری کرتے ہیں۔ حق تعالےٰ کا درد اُن کے نزدیک دردِ آخرت ہے اور اُن کا شوق ومحبت آخرت کا شوق ومحبت ہے۔ کیونکہ اگر تھا ہے تو اس کا وعدہ بھی آخرت پر ہے اور اگر رضا ہے تو اس کا کمال بھی آخرت پر

موقوف ہے۔ دنیا حق تعالےٰ کی مبغوضہ اور آخرت حق تعالےٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ ہے۔ مبغوضہ کو مرضیہ کے ساتھ کسی امر میں برابر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مبغوضہ کی طرف سے مُنہ پھیر لینا چاہیئے اور مرضیہ کی طرف شوق سے بڑھنا چاہیئے۔ مرضیہ کی طرف سے منہ پھیرنا عین سکر اور حق تعالیٰ کی مرضی موعود کے برخلاف ہے۔ آیت کریمہ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (اللہ تعالےٰ دارالسلام کی طرف بلاتا ہے) ان معنوں پر شاہد ہے۔ حضرت حق سُبحانہٗ و تعالےٰ بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ آخرت کی ترغیب فرماتا ہے۔ پس آخرت کی طرف سے مُنہ پھیرنا درحقیقت حق تعالےٰ کے ساتھ معارضہ یعنی لڑائی کرنا اور اس کی مرضی کے رفع کرنے میں کوشش کرنا ہے۔

امام داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اس بزرگی کے کہ ولایت میں قدم راسخ رکھتے تھے، ترکِ آخرت کو کرامت کہا۔ مگر نہ جانا کہ اصحابؓ کرام سب کے سب دردِ آخرت میں مُبتلا تھے اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے تھے۔

ایک دن حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُونٹ پر سوار ہُوئے ایک کوچہ میں سے گزر رہے تھے کہ کسی قاری نے اس آیت کو پڑھا: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ (بے شک تیرے رب کا عذاب آنے والا ہے اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں) اِس کو سُنتے ہی آپ کے ہوش جاتے رہے اور اُونٹ سے بےخود ہو کر زمین پر گر پڑے۔ وہاں سے اُٹھا کر ان کو گھر لے گئے اور مدت تک اسی درد سے بیمار رہے۔ اور لوگ اُن کی بیمار پُرسی کو آتے رہے۔

ہاں احوال کے درمیان مقام فنا میں دنیا و آخرت کا نسیان میسّر ہو جاتا ہے اور آخرت کی گرفتاری کو دُنیا کی گرفتاری کی طرح سمجھتے ہیں لیکن جب بقا سے مشرف ہو جائیں اور کام کو انجام تک پہنچائیں اور کمالاتِ نبوت اپنا پرتو ڈالیں تو پھر سب دردِ آخرت اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگنا لاحق حال ہوتا ہے۔ بہشت اور اس کے درختوں اور نہروں اور حور و غلمان کو دُنیا کی اشیاء کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے نقیض ہیں جیسے کہ غضب و رضا ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ اشجار و انہار وغیرہ جو بہشت میں ہیں سب اعمالِ صالحہ کے نتائج اور ثمرات ہیں۔

حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بہشت میں کوئی درخت نہیں ہے اس میں خود درخت لگاؤ۔ یاروں نے عرض کیا کہ ہم کس طرح درخت لگائیں؟ فرمایا کہ تسبیح اور تحمید اور تحلیل کے ساتھ یعنی سبحان اللہ کہو تاکہ بہشت میں ایک درخت تمہارے لئے لگ جائے۔ پس بہشت کا درخت تسبیح کا نتیجہ ہے اور جس طرح اس کلمہ میں حروف و اصوات کے لباس میں کمال تنزیہ مندرج ہے اسی طرح ان کمالات کو بہشت میں درخت کے لباس میں پوشیدہ فرمایا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جو کچھ بہشت میں ہے عملِ صالح کا نتیجہ ہے اور جو کمالات و خوبی کہ نہایت تقید میں ہے اور قول و عمل صالح کے لباس میں مندرج ہے، بہشت میں وہی کمالات لذتوں اور نعمتوں کے پردہ میں ظہور کریں گے۔ پس وہ لذت و نعمت ضرور حق تعالےٰ کی پسندیدہ اور مقبول اور بقاء و وصول کے لئے وسیلہ ہوگی۔

رابعہ بیچاری اگر اس سر سے آگاہ ہوتی ہرگز بہشت کے جلانے کا فکر نہ کرتی اور اس کی گرفتاری کو حق تعالےٰ کی گرفتاری کے ماسوا نہ جانتی۔ برخلاف دنیاوی لذتوں اور نعمتوں کے جن کا منشاء خبث و شرارت ہے اور ان کا انجام آخرت میں مایوسی اور ناامیدی ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ۔ یہ لذت و نعمت اگر مباح شرعی ہے تو محاسبہ درپیش ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مرحمت نے دستگیری نہ کی تو پھر افسوس صد افسوس! اور اگر مباح شرعی نہیں تو وعید کا مستحق ہے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

"اے اللہ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم پر مہربانی اور بخشش نہ کرے تو ہم خسارہ والوں میں سے ہوں گے"۔

پس یہ لذت اس لذت کے ساتھ کیا نسبت رکھتی ہے؟ یہ لذت زہر قاتل ہے اور وہ لذت تریاق نافع۔ پس آخرت کا درد یا عام مومنوں کو نصیب ہے یا اخص الخواص کے نصیب۔ خواص اس درد سے پرہیز کرتے ہیں اور کرامت و بزرگی اس کے خلاف میں سمجھتے ہیں۔

ع
آں ایشانند و من چنینم یا رب!

ترجمہ: یہ ایسے ہیں میں ایسا ہوں خدایا

مکتوب ۳۰۴

دین کے پانچ ارکان (کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) میں اپنی پوری توجہ صرف کرنا

خدا تجھے سعادت مند کرے! حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ مدت سے فقیر کو اس بات کا تردد تھا کہ ان اعمالِ صالحہ سے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالےٰ نے اکثر آیاتِ قرآنی میں ان پر بہشت میں داخل ہونا موقوف رکھا ہے، آیا تمام اعمالِ صالح مراد ہیں یا بعض؟ اگر تمام اعمالِ صالحہ مراد ہیں تو یہ امر بہت مشکل ہے، کیونکہ تمام اعمال صالحہ کے بجالانے کی توفیق شاید ہی کسی کو حاصل ہوئی ہو؟ اور اگر بعض مراد ہیں تو مجہول اور نامعلوم ہیں ان کا تعین کسی کو معلوم نہیں۔ آخر محض اللہ تعالےٰ کے فضل سے دل میں آیا کہ اعمالِ صالحہ سے مراد شاید اسلام کے پانچ ارکان ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر اسلام کے یہ اصول پنجگانہ کامل طور پر ادا ہو جائیں تو امید ہے کہ نجات و فلاح حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ فی حد ذاتہٖ اعمال صالحہ ہیں اور تمام برائیوں اور منکرات سے روکنے والے ہیں۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ۔

"نماز تمام بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے"

اس مطلب پر شاہد ہے اور جب اسلام کے ان پنجگانہ ارکان کی بجالانا میسّر ہو گیا تو امید ہے کہ شکر بھی ادا ہو گیا۔ اور جب شکر ادا ہو گیا تو گویا عذاب سے نجات مل گئی۔

مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَ اٰمَنۡتُمۡ۔

"اگر تم اس کا شکر ادا کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالےٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا"

پس ان پنجگانہ ارکان کے بجالانے میں جان سے کوشش کرنی چاہیئے۔

خاص کر نماز کے قائم کرنے میں جو دین کا ستون ہے۔ حتی المقدور اس کے آداب میں سے کسی ادب کے ترک کرنے پر راضی نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر نماز کو کامل طور پر ادا کر لیا تو گویا اسلام کا اصلِ عظیمہ حاصل ہو گیا اور خلاصی کے واسطے حبل متین (یعنی مضبوط رسی) مل گئی۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ نماز میں تکبیر اولیٰ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق تعالےٰ عابدوں کی عبادت اور نمازیوں کی نماز سے مستغنی اور برتر ہے اور وہ تکبیریں جو ارکان کے بعد ہیں وہ اس امر کی رموز و اشارات ہیں کہ یہ رکن جو ادا ہوا ہے حق تعالےٰ کی پاک بارگاہ کی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ رکوع کی تسبیح میں چونکہ تکبیر کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے آخر رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم نہ فرمایا برخلاف دونوں سجدوں کے کہ باوجود ان کی تسبیحوں کے اول و آخر تکبیر کہنے کا امر کیا ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ سجود میں نہایت فروتنی اور پستی اور نہایت ذلت و انکسار ہے۔ حقِ عبادت ادا ہو جاتا ہے اور اسی وہم کے دُور کرنے کے لئے سجود کی تسبیح میں لفظ اعلیٰ کو اختیار کیا اور تکبیر کا تکرار بھی مسنون ہُوا۔ اور چونکہ نماز مومن کا معراج ہے۔ اس لئے آخر نماز میں ان کلمات کے پڑھنے کا حکم فرمایا جن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں مشرف ہوئے تھے پس نمازی کو چاہیئے کہ نماز کو اپنا معراج بنائے اور نہایت قرب نماز میں حاصل کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلٰوةِ۔

"سب سے زیادہ قرب جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے وہ نماز میں ہوتا ہے"۔

اور نمازی چونکہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے اور نماز کے ادا کرتے وقت حق تعالےٰ کی عظمت و جلال کا مشاہدہ کر کے حق تعالےٰ کا رعب و ہیبت اُس پر چھا جاتا ہے اس لئے اُس کی تسلی کے واسطے نماز کو دو سلاموں کو ختم کرنے کا امر فرمایا۔

اور یہ جو حدیث نبوی میں ہر فرض کے بعد سو دفعہ تسبیح اور تحمید اور تکبیر د

تعمیل کا حکم ہے۔ فقیر کے علم میں اس کا بھید یہ ہے کہ ادائے نماز میں جو قصور و کوتاہی واقع ہوتی ہے اس کی تلافی تسبیح و تکبیر کے ساتھ کی جائے اور اپنی عبادت کے ناتمام اور نالائق ہونے کا اقرار کیا جائے اور جب حق تعالےٰ کی توفیق سے عبادت کا ادا کرنا میسر ہو جائے تو اس نعمت کی حمد و شکر بجالانا چاہیئے اور حق تعالےٰ کے سوا اور کسی کو عبادت کا مستحق نہ بنانا چاہیئے۔

جب نماز ان شرائط و آداب کے ساتھ ادا ہو جائے اور بعد ازاں تہ دل سے ان کلماتِ طیبہ کے ساتھ تقصیر و کوتاہی کی تلافی کی جائے اور توفیقِ عبادت کی نعمت کا شکر ادا کیا جائے اور حق تعالےٰ کے سوا کسی غیر کو مستحق عبادت نہ بنایا جائے تو اُمید ہے کہ وہ نماز حق تعالیٰ کے نزدیک قبول کے لائق ہو گی اور وہ نمازی عذاب سے نجات پا جائے گا۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ الْمُفْلِحِیْنَ بِحُرْمَتِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

"یا اللہ! تو ہم کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل خلاصی پانے والے نمازیوں میں سے بنا۔"

مکتوب ۳۰۵

نماز میں خشوع حاصل کرنے کا طریقہ

خدا تجھے ہدایت دے! تجھے واضح ہو کہ نماز کے کامل اور پورے طور پر ادا کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز کے فرائض اور واجبات اور سنت و مستحب جن کی تفصیل کتب فقہ میں بیان ہو چکی ہے سب کے سب ادا کئے جائیں۔ ان چاروں امور کے سوا اور کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کا نماز کے تمام و کامل کرنے میں دخل ہو۔ نماز کا خشوع بھی انہی چار امور میں مندرج ہے اور دل کا خشوع اور خضوع اور حضور بھی انہی پر وابستہ ہے۔

بعض لوگ ان امور کے صرف جان لینے کو کافی سمجھتے ہیں اور عمل میں سستی اور

سہل انگاری کرتے ہیں۔ اس لئے نماز کے کمالات سے بے نصیب رہتے ہیں۔
بعض لوگ حق تعالیٰ کے ساتھ حضورِ قلب میں بڑا اہتمام کرتے ہیں لیکن اعمالِ ادبعہ جوارح میں کم مشغول ہوتے ہیں اور صرف سُنتوں اور فرضوں پر کفایت کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی نماز کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ یہ لوگ نماز کے کمال کو غیر نماز سے ڈھونڈتے ہیں۔ کیونکہ حضورِ قلب کو نماز کے احکام سے نہیں جانتے۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ "نماز حضورِ قلب کے سوا کامل نہیں ہوتی"
ممکن ہے کہ اس حضورِ قلب سے مراد یہ ہو کہ ان امورِ اربعہ کے ادا کرنے میں دل کو حاضر رکھا جائے تاکہ ان امور میں سے کسی امر کے بجالانے میں فتور واقع نہ ہو اور اس حضور کے سوا اور کوئی حضور اس فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا۔

مکتوب ۳۰۶

اپنے تین بیٹوں کے انتقال کے بعد حضرت مجددؒ کا جناب محمد صالح کے نام ایک مکتوب گرامی

اخوی محمد صالح نے اہلِ سرہند کے واقعات کو سن لیا ہوگا۔ میرے فرزند اعظم (محمد صادق) رضی اللہ عنہ نے مع اپنے دو چھوٹے بھائیوں محمد فرخ و محمد عیسےٰ کے آخرت کا سفر اختیار کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اس نے اوّل باقیماندوں کو صبر کی قوت عطا فرمائی۔ اور پھر مصیبت و بلا کو نازل فرمایا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

من از تو روے بہ پیچم گرم بیازاری   کہ خوش بود زعزیزاں تحمل و خواری

ترجمہ:
ستائے لاکھ تُو مجھ کو پھروں گا میں نہ کبھی
پیارے یاروں کی سختی بہت ہے لگتی بھلی

میرا فرزند مرحوم حق تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور رب العٰلمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ چوبیس برس کی عمر میں اس نے وہ کچھ پایا کہ شاید

ہی کسی کے نصیب ہو۔

پایۂ مولویت اور علوم نقلیہ اور عقلیہ کی تدریس کو حدِ کمال تک پہنچایا تھا۔ حتیٰ کہ اُس کے شاگرد بیضاوی اور شرح مواقف وغیرہ کے پڑھانے میں اعلیٰ ملکہ رکھتے ہیں اور معرفت و عرفان کی حکایات اور شہود و کشف کے قصے بیان سے باہر ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آٹھ برس کی عمر میں اس قدر مغلوب الحال ہو گیا تھا کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ ان کے حال کی تسکین کے لئے بازار کی طعام سے جو مشکوک و مشتبہ ہوتا ہے، معالجہ کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو محبت مجھے محمد صادق کے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں۔ اور ایسے ہی جو محبت اس کو ہمارے ساتھ ہے کسی کے ساتھ نہیں۔ اس کلام سے اس کی بزرگی کو معلوم کرنا چاہیئے۔ ولایت موسوی کو لفظ آخر تک پہنچایا اور اس ولایت علیہ کے عجائب و غرائب بیان کیا کرتا تھا اور ہمیشہ خاضع اور خاشع اور ملتجی اور متضرع اور متذلل اور منکسر رہتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہر ایک ولی نے اللہ تعالےٰ سے ایک نہ ایک چیز طلب کی ہے۔ مَیں نے التجا اور تضرع طلب کی ہے۔

محمد فرخ کی نسبت کیا لکھا جائے۔ گیارہ سال کی عمر میں طالب علم اور کافیہ خواں ہو گیا تھا اور بڑی سمجھ سے سبق پڑھا کرتا تھا اور ہمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا اور کانپتا رہتا تھا اور دُعا کیا کرتا تھا کہ بچپن ہی میں دُنیائے کمینی کو چھوڑ جائے تاکہ عذابِ آخرت سے خلاصی ہو جائے۔ مرضِ موت میں جو یار اس کی بیمار پُرسی کو آتے تھے۔ بہت عجائب و غرائب اس سے مشاہدہ کرتے تھے اور محمد عیسےٰ سے آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے اس قدر خوارق کرامات دیکھے کہ بیان سے باہر ہیں۔

غرض قیمتی موتی تھے جو امانت کے طور پر ہمارے سپرد کئے ہُوئے تھے۔ اللہ تعالےٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ بلا جبر و اکراہ امانت والوں کی امانت ادا کر دی گئی۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

"یا اللہ تو ہم کو اُن کے اجر سے محروم نہ کیجئیو اور ان کے بعد فتنہ میں نہ ڈالیو بحرمت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ع

از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است

ترجمہ: "تمام باتوں سے بہتر ہیں یار کی باتیں"

مکتوب نمبر ۳۰۸

حدیث "کلمتان خفیفتان" کی تشریح

خدا تجھے ہدایت دے۔ جاننا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اور میزان میں بھاری ہیں اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک بہت پیارے اور محبوب ہیں وہ سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ ہیں۔

زبان پر اُن کے ہلکا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے حروف کم ہیں اور میزان میں بھاری ہونے اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک محبوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے کلمہ کا پہلا جزو ظاہر کرتا ہے کہ حق تعالےٰ ان تمام باتوں سے جو اس کی پاک بارگاہ کے لائق نہیں ہے منزہ ہے اور اس کی جناب کبریا نقص کے صفات اور حدوث وزوال کے تمام نشانات سے برتر اور پاک ہے۔

اور اسی کلمہ کا دوسرا جزو ثابت کرتا ہے کہ تمام صفات کمال اور شیونات جمال حق تعالےٰ ہی کے لئے ہیں خواہ وہ صفات وشیونات فضائل سے ہوں یا فواضل سے۔ اور دونوں جزوؤں میں اضافت استغراق کے لئے ہے۔ تاکہ تمام تقدیسات وتنزیہات اور تمام صفات کمال وجمال حق تعالےٰ ہی کے لئے ثابت ہونے کا افادہ دے۔

اور دوسرے کلمہ کا حاصل یہ ہے کہ عظمت وکبریا حق تعالےٰ ہی کے لئے ثابت کرنے کے باوجود تمام تنزیہات وتقدیسات اسی کی طرف راجع ہیں اور

اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تمام نقائص حق تعالےٰ سے اس کی عظمت و کبریائی کے باعث مسلوب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کلمے میزان میں بھاری اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں۔

اور نیز تسبیح توبہ کی کنجی بلکہ توبہ کا زبدہ اور خلاصہ ہے۔ جیسے کہ میں نے اپنے بعض مکتوبوں میں تحقیق کیا ہے۔ گویا تسبیح گناہوں کے محو ہونے اور بُرائیوں کے معاف ہونے کا وسیلہ ہے۔ تو اس صورت میں بھی یہ کلمے میزان میں بھاری اور نیکیوں والے پلّے کو جھکانے والے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیارے ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ عفو کو دوست رکھتا ہے اور نیز جب تسبیح اور حمد کرنے والا حق تعالےٰ کی پاک جناب کو ان تمام باتوں سے جو اس کے لائق نہیں ہیں منزہ اور مبرا ظاہر کرتا ہے اور تمام صفات کمال اور جمال کو اسی کے لئے ثابت کرتا ہے۔ تو امید ہے کہ وہ کریم و وہاب جل شانہ بھی تسبیح پڑھنے والے کو ان تمام باتوں سے جو اس کے لائق نہیں ہیں پاک کرے گا۔ اور حمد کرنے والے میں صفات کمال ظاہر کرے گا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ "احسان کا بدلہ احسان ہے"۔

اس لحاظ سے بھی یہ دونوں کلمے میزان میں بھاری ہوں گے۔ کیونکہ اُن کے تکرار کے سبب سے گناہ دُور ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوں گے۔ کیونکہ ان کے ذریعے اخلاقِ حمیدہ حاصل ہوتے ہیں۔ ۞

مکتوب ۳۰۹

رات کو سونے سے پہلے اپنا محاسبہ اور تسبیح

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض ہے کہ اکثر مشائخ قدس سرہم نے محاسبہ کا طریق اختیار کیا ہے۔ یعنی رات کو سونے سے پہلے اپنے افعال و اقوال کے دفتر کو ملاحظہ کرتے ہیں اور مفصّل طور پر ہر ایک کی حقیقت میں غور کرتے ہیں۔ اور توبہ و استغفار اور التجا و تضرع کے ساتھ اپنے گناہوں اور قصوروں کا تدارک

کرتے ہیں اور اپنے اعمال و افعال صالحہ کو حق تعالیٰ کی توفیق کی طرف رجوع کرکے حق تعالےٰ کا حمد و شکر بجالاتے ہیں۔

فتوحاتِ مکّی والا بزرگ قدس سرہٗ محاسبہ کرنے والوں میں سے ہُوا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ مَیں اپنے محاسبہ میں دوسرے مشائخ سے بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ مَیں نے اپنی نیتوں اور خطرات کا بھی محاسبہ کر لیا۔

فقیر کے نزدیک سونے سے پہلے سو بار تسبیح و تحمید و تکبیر کا کہنا جس طرح کہ حضرت مخبر صادق علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ثابت ہے، محاسبہ کا حکم رکھتا ہے اور محاسبہ کا کام کر دیتا ہے۔ گویا کلمہ تسبیح کے تکرار سے جو توبہ کی کنجی ہے، اپنی بلائیوں اور تقصیروں سے عذر خواہی کرتا ہے اور حق تعالےٰ کی پاک بارگاہ کو ان باتوں سے جن کے باعث ان برائیوں کا مرتکب ہُوا ہے، منزہ اور مبرا ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ برائیوں کے مرتکب کو اگر حضرت امرونہی یعنی حق تعالےٰ کی پاک بارگاہ کی عظمت و کبریا ملحوظ اور مدنظر ہوتی تو حق تعالےٰ کے امر کے خلاف کرنے میں ہرگز دلیری نہ کرتا۔ اور جب اُس نے بُرے کام پر دلیری کی تو معلوم ہُوا کہ مرتکب کے نزدیک حق تعالےٰ کے امرونہی کا کچھ اعتبار اور شمار نہ تھا۔ اعاذ نا اللّٰہ من ذٰلک۔ پس اس کلمہ تنزیہ کے تکرار سے اس تقصیر کی تلافی کرتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ استغفار میں گناہ کے ڈھانپنے کی طلب پائی جاتی ہے اور کلمہ تنزیہ کے تکرار میں گناہوں کی بیخ کنی کی طلب ہے۔ فَاَیْنَ ھٰذَا مِنْ ذٰلِکَ (یہ اس کے برابر کس طرح ہو سکتا ہے) سُبْحَانَ اللّٰہِ ایک ایسا کلمہ ہے کہ اس کے الفاظ نہایت ہی کم ہیں۔ لیکن اس کے معانی اور منافع بکثرت ہیں اور کلمہ تمجید کے تکرار سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی پاک بارگاہ اس بات سے بہت ہی بلند ہے کہ یہ عذر خواہی اور یہ شکر اس کے لائق ہو۔ کیونکہ اس کی عذر خواہی اور استغفار بہت سی عذر خواہی اور استغفار کی محتاج ہے اور اس کی حمد اس کے اپنے نفس کی طرف راجع ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

"پاک ہے تیرا رب جو بڑی عزت والا ہے لوگوں کی توصیف سے، اور سلام ہے اوپر مرسلین کے اور حمد ہے اللہ رب العالمین کے لئے"۔

محاسبہ کرنے والے شکر اور استغفار پر کفایت کرتے ہیں لیکن ان کلمات قدسیہ میں استغفار کا کام بھی ہو جاتا ہے اور شکر بھی ادا ہو جاتا ہے اور نیز استغفار اور شکر کے نقص کا اظہار بھی میسر ہو جاتا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

"یا اللہ! تو ہم سے قبول کر تو سننے اور جاننے والا ہے"۔

مکتوب ۳۱۲

تشہد میں اشارہ بالسّبابہ سے متعلق حضرت مجدّد کی رائے

مکتوب ۳۱۲ صد ۱۶ جلد اوّل پر ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب ۳۱۳

کھانے پینے میں ہمیشہ حدِّ اعتدال کی رعایت رکھنا بھی سخت مجاہدہ ہے

دوسرے سوال کا حاصل یہ ہے کہ طریقہ علیہ نقشبندیہ میں سُنت کی متابعت کو لازم جانتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب و غریب ریاضتیں اور سخت بھوک پیاس کی تکلیفیں برداشت کی ہیں اور اس طریقہ میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں۔ بلکہ صورتوں کے کشف کے باعث ریاضتوں کو مضر جانتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ سُنت کی متابعت میں ضرر کا احتمال کیسے متصور ہو سکتا ہے؟

اے محبت کے نشان والے! کس نے کہا ہے کہ اس طریق میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں اور کہاں سے سُنا ہے کہ ریاضتوں کو مضر جانتے ہیں۔ اس طریق میں نسبت کی دائمی حفاظت کرنا اور سُنت کی متابعت کو لازم پکڑنا اور اپنے احوال کے چھپانے میں کوشش کرنا اور توسط حال اور درمیانی چال کا اختیار کرنا اور کھانے پینے اور پہننے میں حدِّ اعتدال کا مدّنظر رکھنا سخت ریاضتوں اور مشکل مجاہدوں سے جانتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ عوام کالانعام ان امور کو ریاضت و مجاہدہ نہیں جانتے۔ اُن کے نزدیک ریاضت و مجاہدہ صرف بھوکا رہنا ہی ہے۔ اور ان کی نظر میں بہت بھوکا رہنا بڑا بھاری امر ہے۔ کیونکہ ان چارپاؤں کے نزدیک کھانا نہایت ضروری اور اعلیٰ مقصد ہے جس کا ترک کرنا اُن کے نزدیک سخت ریاضت اور دشوار مجاہدہ ہے۔ اور نسبت کی دوام محافظت اور سُنت کی متابعت کا التزام وغیرہ وغیرہ عوام کی نظر میں کچھ قدر و اعتبار نہیں رکھتا تاکہ ان کے ترک کو منکرات سے جانیں اور ان امور کے حاصل کرنے کو ریاضتوں سے پہچانیں۔

پس اس طریق کے بزرگواروں پر لازم ہے کہ اپنے احوال کے چھپانے میں کوشش کریں اور ایسی ریاضت کو ترک کر دیں جو عوام کی نظروں میں عظیم القدر اور خلق کی قبولیت اور شہرت کا باعث ہو۔ کیونکہ شہرت میں آفت اور شرارت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يُّشَارَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فِيْ دِيْنٍ اَوْ دُنْيَا اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"آدمی کے لئے یہی شر کافی ہے کہ دین یا دُنیا میں انگشت نما ہو، مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے"۔

فقیر کے نزدیک ماکولات یعنی کھانے پینے کی چیزوں میں حدِ اعتدال کو مدِ نظر رکھنے کی نسبت دور دراز بھوک کا برداشت کرنا آسان ہے لیکن حدِ اعتدال کو مدِ نظر رکھنے کی ریاضت کثرت بھوک کی ریاضت سے زیادہ مفید ہے۔

حضرت والد بزرگوار قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے علم سلوک میں ایک رسالہ دیکھا ہے جس میں لکھا ہے کہ ماکولات میں اعتدال اور حد اوسط کو نگاہ رکھنا مطلب تک پہنچنے کے لئے کافی ہے۔ اس رعایت کے ہوتے زیادہ ذکر و فکر کی حاجت نہیں۔ واقعی کھانے پینے اور پہننے بلکہ تمام امور میں توسط حال اور میانہ روی بہت ہی زیبا اور عمدہ ہے ؎

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید   نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

ترجمہ: نہ کھا اتنا کہ نکلے مُنہ سے باہر
نہ کم اتنا کہ تن سے جان نکلے

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو چالیس آدمیوں کی قوت عطا فرمائی تھی جس کے سبب سخت بھوک برداشت کرلیا کرتے تھے۔ اور اصحاب کرامؓ بھی حضرت خیر البشر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صحبت کی برکت سے اس بوجھ کو اُٹھا سکتے تھے اور ان کے اعمال و افعال میں کسی قسم کا فتور اور خلل نہ آتا تھا اور بھُوک کی حالت میں دشمنوں کی لڑائی پر اس قدر طاقت رکھتے تھے کہ سیر شکموں کو اس کا دسواں حصّہ بھی نصیب نہ تھی۔ یہی باعث تھا کہ بیس صابر آدمی دوسو کافروں پر غالب آجاتے تھے اور سو آدمی ہزار پر غلبہ پاجاتا تھا۔ اور صحابہ کے سوا اور لوگ بھُوک برداشت کرنے والوں کا تو یہ حال ہے کہ آداب وسنن کے بجالانے سے عاجز ہیں بلکہ لبسا اوقات فرائض کو بھی بمشکل ادا کرسکتے ہیں۔ بغیر طاقت کے اس امر میں صحابہ کرام کی تقلید کرنا گویا فرائض وسنن کے ادا کرنے میں اپنے آپ کو عاجز کرتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تقلید کرکے وصال کی روزے اختیار کی اور ضعف و ناتوانی سے بے خود ہوکر زمین پر گر پڑے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اعتراض کے طور پر فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو میری مانند ہو۔ میں رات کو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں اور وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ پس انہوں نے طاقت کے بغیر تقلید کرنا بہتر از پسند نہ جانا۔

اور نیز اصحابؓ کرام حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی صحبت کی برکت سے کثرت جوع کی پوشیدہ تکلیفوں سے محفوظ اور مامون تھے اور دوسروں کو یہ حفظ و امن میسّر نہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ زیادہ بھوک البتہ صفائی بخشتی ہے۔ بعض کے دل کو اور بعض کے نفس کو صفائی بخشتی ہے۔ قلب کی صفائی سے ہدایت بڑھتی اور نُور زیادہ ہوتا ہے۔ اور نفس کی صفائی سے گمراہی زیادہ ہوتی اور سیاہی بڑھتی ہے۔ یونان کے فلاسفر اور برہمنوں اور جوگیوں کو بھُوک کی ریاضت نے صفائی بخش کر گمراہی اور خسارہ میں ڈال دیا۔ افلاطون بے وقوف نے اپنے نفس کی صفائی پر

بھروسہ کیا اور اپنی خیالی کشفی صورتوں کو اپنا مقتدا بنا کر مغرور ہو رہا اور حضرت عیسٰے علٰی نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر جو اس زمانے میں مبعوث ہوئے تھے ایمان نہ لایا، اور یوں کہا :۔

نَحْنُ قَوْمٌ مَّهْدِيُّوْنَ لَا حَاجَةَ بِنَا اِلٰى مَنْ يَّهْدِيْنَا ۔

"ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں ہمیں کسی ہدایت دینے والے کی حاجت نہیں"۔

اگر اس میں یہ ظلمت بڑھانے والی صفائی نہ ہوتی تو اس کی خیالی کشفی صُورتیں اس کو راہِ راست سے نہ روکتیں اور مطلب کے پانے سے اس کو مانع نہ ہوتیں۔ اس نے اسی صفائی کے گمان پر اپنے آپ کو نورانی خیال کیا اور اس نے نہ جانا کہ یہ صفائی اس کے نفس امارہ کے باریک چھلکے سے آگے نہیں گزری اور اس کا نفس امارہ اپنی پہلی خبث و نجاست پر ہے۔ اس کی مثال بعینہ اسی طرح ہے جس طرح نجاست مغلظہ کو رقیق غلاف کی شکل میں ظاہر کر دکھائیں۔ قلب جو فی حد ذاتہ پاکیزہ اور نورانی ہے نفس ظلمانی کی ہم نشینی سے جو زنگار اس پر آجائے، تھوڑے سے تصفیہ کے ساتھ اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے اور نورانی ہو جاتا ہے، برخلاف نفس کے جو فی حد ذاتہ خبیث ہے اور ظلمت اس کی ذاتی صفت ہے۔ جب تک قلب کی سیاست اور سنت کی متابعت اور شریعت کی اتباع بلکہ محض فضلِ خداوندی سے پاک و صاف نہ ہو جائے اور اس کا خبث ذاتی دُور نہ ہو جائے تب تک اس سے نجات اور بہتری متصوّر نہیں۔

افلاطون نے اپنی کمال جہالت سے اپنی صفائی کو جو اس کے نفس امارہ سے تعلق رکھتی تھی حضرت عیسٰے کے قلب کی صفائی کی طرح خیال کیا اور اپنے آپ کو بھی ان کی طرح مہذب اور مطہر خیال کر کے ان کی متابعت کی دولت سے محروم رہا اور ہمیشہ کے خسارہ میں پڑا رہا۔

اَعَاذَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ هٰذَا الْبَلَاءِ ۔

"اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلا سے بچائے"۔

جب اس قسم کے خطرے بُھوک میں پائے جاتے تھے اس واسطے اس طریق کے بزرگوں نے بھوک کی ریاضت کو ترک کیا اور کھانے پینے میں اعتدال کی ریاضت

اور میانہ روی کے مجاہدہ کی طرف رہنمائی کی اور بھوک کے نفعوں اور فائدوں کو اس بڑے ضرر کے احتمال پر ترک کر دیا اور دوسروں نے بھوک کے منافع کا ملاحظہ کر کے اس کے ضرر کی طرف نہ دیکھا اور بھوک کی طرف ترغیب دی۔ اور عقل مندوں کے نزدیک یہ بات ثابت ہے اور مقرر ہے کہ ضرر کے احتمال پر بہت سے منافع کو چھوڑ سکتے ہیں۔

مکتوب ایضاً ۳۱۳ ج ا

حضرت جعفر صادقؒ کا سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا حضرت علیؓ دونوں سے استفادہ کرنا

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس طریقہ علیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس طریق کی نسبت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ برخلاف دوسرے طریقوں کے۔ اگر مدعی کہے کہ اکثر طریق امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک پہنچتے ہیں اور حضرت امام جعفر صادقؓ، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ پھر دوسرے سلسلے حضرت صدیقؓ کی طرف کیوں منسوب نہ ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی نسبت رکھتے ہیں اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے بھی۔ اور حضرت امام میں ان دونوں اعلیٰ نسبتوں کے جمع ہونے کے باوجود ہر ایک نسبت کے کمالات جدا اور ایک دوسرے سے متمیز ہیں۔ بعض نے صدیقی مناسبت کے باعث حضرت امام رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نسبت صدیقیہ حاصل کی اور حضرت صدیق اکبر کی طرف منسوب ہو گئے۔ اور بعض نے امیری مناسبت کے نسبت امیریہ اخذ کی اور حضرت امیرؓ کی طرف منسوب ہو گئے۔

یہ فقیر ایک دفعہ پرگنہ بنارس میں گیا ہوا تھا جہاں کہ دریائے گنگا اور جمنا باہم ملتے ہیں۔ وہاں دونوں پانیوں کے ملنے کے باوجود محسوس ہوتا ہے کہ گنگا کا پانی الگ ہے اور جمنا کا پانی جدا۔ دونوں کے درمیان برزخ ہے جو دونوں

پانیوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتا۔ اور جو لوگ دریائے گنگا کے پانی کی طرف ہیں وہ اس جمع ہوئے پانی سے گنگا کا پانی پیتے ہیں اور جو لوگ دریائے جمنا کے پانی کی طرف ہیں وہ دریائے جمنا کا پانی پیتے ہیں۔

اور اگر کہیں کہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ نے رسالہ قدسیہ میں تحقیق کی ہے کہ حضرت امیرؓ نے جس طرح حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے تربیت پائی ہے۔ اسی طرح حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی پائی ہے۔ پس حضرت امیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نسبت بعینہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت ہے۔ پھر ان میں کیا فرق ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ نسبت کے متحد ہونے کے باوجود محل و مقام کے تعدد کی خصوصیتیں اپنے حال پر ہیں۔ ایک ہی پانی مختلف مکانوں کے باعث الگ الگ خصوصیتیں پیدا کر لیتا ہے۔ پس جائز ہے کہ ہر ایک کی خصوصیت کی طرف نظر کر کے ہر ایک طریقہ اس کی طرف منسوب ہو۔

مکتوب ایضاً

کس قسم کی قمیص پہننا مناسب ہے

سوال پنجم کا حاصل یہ ہے کہ اس جگہ کے صوفی پیراہن پیش چاک پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی سنت ہے اور حضرت امیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بندگانِ حلقہ کے طریق پر بناتے ہیں اس کی تحقیق کیا ہے؟

جواب۔ جاننا چاہیئے کہ ہم بھی اس بارے میں متردد ہیں۔ اہلِ عرب پیراہن پیش چاک پہنتے ہیں اور اس کو سنت جانتے ہیں اور بعض کتب معتبرہ فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیراہن پیش چاک مردوں کو نہ پہننا چاہیئے کہ عورتوں کا لباس ہے۔

امام احمد علیہ الرحمۃ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اس مرد پر جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مرد کا لباس پہنے لعنت ہے اور مطالب

المومنین میں ہے کہ عورت مرد کی مشابہت نہ کرے اور مرد عورت کی مشابہت نہ کرے۔ کیونکہ دونوں پر لعنت ہوتی ہے۔

بلکہ مفہوم ہوتا ہے کہ پیراہن پیش چاک اہلِ علم اور اہلِ دین کا شعار نہیں ہے۔ اسی واسطے اہل ذمہ کے لئے یہ لباس تجویز کیا گیا ہے۔ جامع الرموز اور محیط میں منقول ہے کہ وہ لباس جو اہلِ علم اور اہلِ دین کے ساتھ مخصوص ہے یعنی ردا اور عمامہ اہل ذمہ نہ پہنیں بلکہ موٹے کپڑے کی قمیص پہنیں جس کے سینے پر عورتوں کی طرح چاک ہو۔

اور نیز بعض علماء کے قول کے موافق پیش چاک قمیص نہیں ہے بلکہ درع ہے۔ ان کے نزدیک قمیص وہ ہے جس کے دونوں کندھوں پر چاک ہوں۔ جامع الرموز اور ہدایہ میں جہاں عورت کے کفن کا بیان ہے، لکھا ہے کہ قمیص کے بدلے درع ہے اور ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ درع کا چاک سینے میں ہوتا ہے اور قمیص کا چاک دونوں کندھوں کی طرف۔ اور بعض ترادف کے قائل ہیں یعنی دونوں کے ایک ہی معنی سمجھتے ہیں۔

فقیر کے نزدیک بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مردوں کو عورتوں کا سا لباس پہننا منع ہے، تو جہاں عورتیں پیراہن پیش چاک پہنتی ہیں وہاں مردوں کو چاہیئے کہ عورتوں کی مشابہت کو ترک کر کے پیراہن حلقہ گریبان پہنیں۔ اور جس جگہ عورتیں پیراہن حلقہ گریبان پہنتی ہیں وہاں مرد پیراہن پیش اختیار کریں۔

اور عرب میں عورتیں پیراہن حلقہ گریبان پہنتی ہیں اس لئے مرد پیراہن پیش چاک پہنتے ہیں اور ماوراء النہر اور ہند میں عورتوں کا لباس پیراہن پیش چاک ہے۔ اس لئے مرد پیراہن حلقہ گریبان اختیار کریں۔

مکتوب ایضاً

اہل اللہ پر اعتراض کرنا زہر قاتل ہے، خصوصاً اپنے شیخ پر!

آپ بخوبی سمجھ لیں کہ اس گروہ یعنی اہل اللہ کا انکار زہر قاتل ہے اور بزرگوں کے اقوال و افعال پر اعتراض کرنا زہر افعی ہے جو ہمیشہ کی موت اور دائمی ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ خاص کر جبکہ یہ اعتراض و انکار پیر کی طرف عائد ہو اور پیر کی ایذا کا سبب ہو۔

اس گروہ کا منکر ان کی دولت سے محروم ہے اور اُن پر اعتراض کرنے والا ہمیشہ ناامید اور زیانکار رہتا ہے۔ جب تک پیر کے تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں زیبا اور محبوب نہ ہوں تب تک پیر کے کمالات سے اس کو کچھ حصہ نہیں ملتا اور اگر کچھ کمال حاصل بھی کرلے تو یہ استدراج ہے جس کا انجام خرابی و رسوائی ہے۔ مرید اپنے پیر کی کمال محبت اور اخلاص کے باوجود اگر اپنے آپ میں بال بھر بھی اعتراض کی گنجائش دیکھے تو اسے سمجھنا چاہیئے کہ اس میں اس کی خرابی ہے اور وہ پیر کے کمالات سے بے نصیب ہے۔

اگر بالفرض پیر کے کسی فعل میں شبہ پیدا ہوجائے اور کسی طرح دفع نہ ہو سکے تو اس کو اس طرح دریافت کرے کہ اعتراض کی آمیزش سے پاک اور انکار کے گمان سے صاف ہو۔ کیونکہ اس جہان میں حق باطل سے ساتھ ملا ہُوا ہے۔ اگر پیر سے کسی وقت خلافِ شریعت امر صادر ہوجائے تو مُرید کو چاہیئے کہ اس امر میں پیر کی تقلید نہ کرے اور جہاں تک ہوسکے حُسنِ ظن کے ساتھ اس کو نیک وجہ پر محمول کرے اور اس امر کی صحت و درستی کی وجہ تلاش کرتا رہے۔ اگر صحت کی وجہ نہ ملے تو چاہیئے کہ اس ابتلاء کے دفع کرنے میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و تضرع کرے اور گریہ و زاری سے پیر کی سلامتی طلب کرے۔ اور اگر مرید کو پیر کے حق میں کسی امر مباح کے ارتکاب کے باعث کوئی شبہ

پیدا ہو۔ تو اس شبہ کا کچھ اعتبار نہ کرے۔

جب مالک الوجود جل شانہ نے امر مباح کے اختیار کرنے سے منع نہیں کیا اور کوئی اعتراض نہیں فرمایا تو پھر دوسرے کا کیا حق ہے کہ اپنے پاس سے اعتراض کرے۔ بسا اوقات کئی جگہ اولیٰ کے بجالانے سے اس کا ترک کرنا بہتر ہوتا ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ كَمَا يُحِبُّ اَنْ يُّؤْتٰى بِالْعَزِيْمَةِ يُحِبُّ اَنْ يُّؤْتٰى بِالرُّخْصَةِ۔

"کہ اللہ تعالیٰ جس طرح عزیمت کا بجالانا دوست رکھتا ہے اسی طرح رُخصت پر عمل کرنا بھی پسند کرتا ہے۔"

عرض داشت دوم یعنی

حضرت مجددؒ کے صاحبزادے کا مکتوب والد گرامی کے نام

کمترین بندگان محمد صادق عرض کرتا ہے کہ اس طرف کے احوال و اوضاع شکر کے لائق ہیں اور اس ذات کعبہ مرادات کی خیریت معہ خادموں اور مخلصوں کے مطلوب اور مسئول ہے۔

حضور کا سرفراز نامہ اور بزرگ صحیفہ جو اسمٰعیل کے ہمراہ ارسال فرمایا تھا، صادر ہُوا، اس کے مطالعہ سے نہایت ہی خوشی حاصل ہوئی۔ حق تعالیٰ اپنے نبی اُمّیؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل بزرگوار رضی اللہ عنہ کی طفیل اس قبلہ عالمیان کی مہربانی کا سایہ تمام اہلِ اسلام کے سر پر باقی و قائم و دائم رکھے۔

قبلہ گاہا! فقیر اپنے خراب احوال کیا لکھے، اپنے ماضی و حال کے صادر ہوئے ہوئے اعمال اور ضائع ہوئے ہُوئے احوال پر بڑی حسرت و ندامت آرہی ہے۔ آرزو تو یہی رہتی ہے کہ کوئی لحظہ اور کوئی ساعت حق تعالیٰ کی رضا کے برخلاف نہ گزرے لیکن ایسا ہو نہیں سکتا۔ ہاں اگر حضور کے خادموں کی توجہ مدد و دستگیری فرمائے تو بڑی بات نہیں۔ ع

از کریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ : "کریموں پر نہیں یہ کام دشوار"

الحمدللہ کہ اب تک حضور کی توجہ شریف کی برکت سے جس طرح کہ حضور نے فرمایا تھا استقامت حاصل ہے۔ اور ابھی تک اس میں کوئی فتور نہیں آیا بلکہ دن بدن ترقی وزیادتی کا امیدوار ہے۔ فجر وظہر وعصر کے بعد حلقہ بیٹھتا ہے اور حافظ بہاؤ الدین کاموں سے فرصت پاکر قرآن مجید پڑھتا ہے۔ یہ فقیر بعض اوقات قبض میں ہے اور بعض اوقات بسط میں۔ اور قبض وبسط اور توجہ وذوق اور آرام وغیرہ بدن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے آگے تجاوز نہیں کرتے اور لطائف کا حال یہ ہے کہ نہ متوجہ ہیں نہ غافل ۔ اگر متوجہ ہیں تو ان کی توجہ علم حضوری کی مانند بلکہ اس کا عین ہے اور توجہ اور ذوق وغیرہ کو ظلال میں داخل جانتا ہے اور ظل سے متجاوز معلوم نہیں کرتا۔

لطائف اوّل اوّل بدن کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور نظر بصیرت میں بدن کے سوا اور کوئی امر مفہوم نہ ہوتا تھا۔ جیسے کہ حضور موفور السرور کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا۔ اب بدن سے ممتاز اور الگ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مقام بقار کا مقام ہے۔ بقار کے بعد پھر ایک قسم کی فنا لطائف پر طاری ہوئی اور ایسا معلوم ہوا کہ اس فنا کے بغیر جو بقا کے بعد ہے۔ کام کا تمام ہونا میسّر نہیں ہوتا ۔

اب چند روز سے پھر قبض کی حالت میں ہے اور باطنی معاملہ کمی میں ہے دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے لیکن ابھی تک عالم کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ چونکہ احوال کا عرض کرنا ضروری تھا اس لئے چند کلمات کے لکھنے پر جرأت کی ۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اوّل سے انتخاب پُورا ہُوا ۔)

———— • • • ————

دفتر دوم

مکتوب ۴

مجدد الف ثانی ہونے کی تصریح

یہ فقیر عین الیقین اور حق الیقین کی نسبت کیا بیان کرے۔ اور اگر کچھ بیان کرے تو کوئی کیا سمجھے گا؟ اور کیا معلوم کرے گا؟ یہ معارف احاطۂ ولایت سے خارج ہیں۔ ارباب ولایت علماء ظاہر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز اور اُن کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم انوارِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہیں۔ جو الف ثانی کی تجدید کے بعد تبعیت و وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں۔ اور ترو تازہ ہو کر ظاہر ہوئی ہیں۔ ان علوم و معارف کا صاحب اس الف کا مجدد ہے۔

چنانچہ اس کے اِن علوم و معارف میں جو ذات و صفات اور افعال اور احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کے متعلق ہیں نظر و غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ تمام علوم و معارف علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف ورا الورا ہیں بلکہ یہ علوم ان علوم کے مقابلہ میں پوست کی طرح ہیں اور یہ معارف اس پوست کے مغز کی مانند۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْھَادِیْ ”اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔“

جاننا چاہیئے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد گزرا ہے۔ لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار کا مجدد اور۔ جس قدر سَو اور ہزار کے درمیان فرق ہے۔ اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ دونوں مجددوں کے درمیان فرق ہے اور مجدد وہ ہوتا

ہے کہ جو فیض اس مدّت میں اُمتوں کو پہنچنا ہوتا ہے اس کے ذریعے پہنچتا ہے۔ خواہ اس وقت کے اقطاب و اوتاد ہوں اور خواہ ابدال و نُجباء۔ ؏

خاص کند بندہ مصلحتِ عام را

مکتوب ۶۱

حضرت مجدّد

میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ولایت ابراہیمی کے رنگ میں رنگی جائے اور اس ولایت کا حُسن ملاحت اس ولایت کے جمالِ صباحت کے ساتھ مل جائے۔ حدیث پاک میں آیا ہے :-

اَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحُ وَاَنَا اَمْلَحُ -

" میرا بھائی یوسف صبیح تھا اور میں ملیح ہوں "

اور اس انصباغ اور امتزاج سے محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ بلند تک پہنچ جائے۔

مکتوب ۶۱ ایضاً

حضرت مجدّد کی تجدید علومِ نبوّت

اے فرزند! باوجود اس معاملہ کے جو میری پیدائش سے مقصود تھا ایک اور کارخانہ عظیم میرے حوالہ فرمایا ہے۔ مجھے پیری و مریدی کے واسطے نہیں لائے اور نہ میری پیدائش سے خلق کی تکمیل و ارشاد مقصود ہے بلکہ معاملہ دیگر اور کارخانہ دیگر مطلوب ہے۔ اس ضمن میں جسکو مناسبت ہو گی وہ فیض پالیگا ورنہ نہیں۔ معاملہ تکمیل و ارشاد اس کارخانہ کے مقابلہ میں راستہ میں پھینکی ہوئی چیز کی طرح ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو ان کو باطنی معاملات کے ساتھ ہی نسبت تھی۔ اگرچہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات اور خصوصیتوں سے تبعیت اور وراثت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو حصہ حاصل ہے۔ والسلام

مکتوب ۱۳

علماءِ ظاہر، صوفیہ علیہ اور علماءِ راسخین کے مراتب

میرے مخدوم مکرم!

اَلنَّصِیْحَۃُ ھِیَ الدِّیْنُ وَمُتَابَعَۃُ السَّیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَ عَلَیْہِمْ مِنَ الصَّلٰوتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکْمَلُھَا۔

"یعنی سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور متابعت اختیار کریں"۔

سید المرسلین کے دین اور متابعت سے علماءِ ظاہر کا نصیب عقائد درست کرنے کے بعد شرائع و احکام کا علم اور اس کے موافق عمل ہے اور صوفیہ علیہ کا نصیب بمعہ اُس چیز کے جو علماء رکھتے ہیں احوال و مواجید اور علوم و معارف ہیں۔ اور علماء راسخین کا نصیب جو انبیاء کے وارث ہیں بمعہ اس چیز کے جو عالم رکھتے ہیں۔ اور بمعہ اس چیز کے جس کے ساتھ صوفیہ ممتاز ہیں وہ اسرار و دقائق ہیں جن کی نسبت متشابہات قرآنی میں رمز و اشارہ ہو چکا ہے اور تاویل کے طور پر درج ہو چکے ہیں۔ یہی لوگ متابعت میں کامل اور وراثت کے مستحق ہیں۔ یہ لوگ وراثت و تبعیت کے طور پر انبیاء علیہم السلام کی خاص دولت میں شریک اور بارگاہ کے محرم ہیں۔

اسی واسطے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ("میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں") کی شرف کرامت سے مشرف ہوئے ہیں۔ پس آپ کو بھی لازم ہے کہ علم و عمل و حال و وجد کی رو سے حضرت سید المرسلین اور حبیب رب العالمین علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وملائکۃ المقربین واہل الطاعۃ اجمعین الصلوٰۃ والتحیات کی متابعت بجالائیں تاکہ اس وراثت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو جو نہایت اعلیٰ درجہ کی سعادت ہے۔

والسلام

مکتوب نمبر ۱۵

(شہر سامانہ کے بزرگ حضرات کے نام ایک مکتوب)

خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدینؓ کے ناموں کو ترک کرنے پر حضرت مجددؒ کی نکیر

شہر سامانہ کے سادات عظام اور قاضیوں اور بزرگ رئیسوں کے معزز خادمین کو تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ سُنا گیا ہے کہ اس جگہ کے خطیب نے عید قربان کے خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے ذکر کو ترک کیا ہے اور اُن کے مبارک ناموں کو نہیں لیا۔ اور یہ بھی سُنا گیا ہے کہ جب لوگوں نے اُس سے تعرض کیا تو بجائے اس کے کہ اپنی سہو ونسیان کا عذر کرتا، سرکشی سے پیش آیا اور یُوں کہہ اُٹھا کہ اگر خلفاءِ راشدین کے ناموں کا ذکر نہیں ہُوا تو کیا ہُوا؟ اور یہ بھی سُنا گیا ہے کہ اس قسم کے رئیسوں اور معزز لوگوں نے اس بارے میں بہت سُستی کی ہے اور اس بے انصاف خطیب کے ساتھ سختی اور درشتی سے پیش نہیں آئے۔ ع

وائے نہ یکبار کہ صد بار وائے

ترجمہ: "ایک افسوس نہیں صدہا افسوس

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا ذکر اگرچہ خطبہ کی شرائط میں سے نہیں لیکن اہلسنّت کا شعار تو ضرور ہے۔ عمداً اور ہیکڑ پن سے سوائے اس شخص کے کہ جس کا دل مریض اور باطن پلید ہو۔ اور کوئی شخص اس کو ترک نہیں کرتا۔ ہم نے مانا کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا مگر مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ "جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے) کا کیا جواب دے گا۔ اور اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّھَمِ (تہمت کی جگہوں سے بچو) کے موافق تہمت کے ظن سے کس طرح خلاصی پائے گا؟

اگر شیخینؓ کی تقدیم وتفضیل میں متوقف ہے تو طریق اہلِ سُنّت کے

مخالف ہے اور اگر حضرات ختنین کی محبت میں متردد ہے تو بھی اہلِ حق سے خارج ہے۔ عجب نہیں کہ وہ بے حقیقت جو کشمیریہ کی طرف منسوب ہے اس خبث کو کشمیر کے بدعتیوں یعنی رافضیوں سے لے کر آیا ہو۔ اس کو سمجھانا چاہیئے کہ حضرات شیخین رض کی افضلیت صحابہؓ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو بزرگ اماموں کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ جن میں سے ایک امام شافعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔

شیخ امام ابوالحسن اشعریؒ نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ پھر عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فضیلت باقی اُمت پر قطعی اور یقینی ہے۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اپنی خلافت اور مملکت کے زمانہ میں اُن کے تابعداروں کے جمِ غفیر کے درمیان تواتر سے یہ قول ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اُمت سے افضل ہیں۔

پھر امام ذہبیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی آدمیوں سے زیادہ نے روایت کیا ہے اور ایک جماعت کو گن کر بتایا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ خدا رافضیوں کا بُرا کرے یہ کیسے جاہل ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں جو کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے صحیح ہے، حضرت علیؓ سے اس طرح روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ پھر فرمایا کہ ایک اور شخص۔ تو اُن کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے عرض کیا کہ پھر آپ؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان آدمی ہوں۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روائتیں حضرت علیؓ اور اکابر صحابہؓ اور تابعین سے مشہور ہیں جن سے سوائے جاہل یا متعصب کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اس بے انصاف کو کہنا چاہیئے کہ ہم کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحابؓ کے ساتھ محبت رکھنے کا امر ہے۔ اور اُن کے ساتھ بُغض رکھنے و ایذا

دینے کی ممانعت ہے۔ حضرات ختنین رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ صحابہؓ اور قریبیوں میں سے ہیں۔ ان کے ساتھ محبت و مودت اور بھی زیادہ بہتر و مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى -

"کہہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہ تم سے میں قریبیوں کی محبت کے سوا اور کوئی اجر نہیں مانگتا"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

اَللّٰهَ اللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْا هُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَ -

"میرے اصحاب کے بارہ میں اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور میرے بعد میرے اصحابؓ کو نشانہ نہ بناؤ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری دوستی کے سبب ان کو دوست رکھا اور جس نے اُن سے بُغض رکھا اُس نے میرے بُغض کے باعث اُن سے بُغض رکھا جس نے ان کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالےٰ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ تعالےٰ کو ایذا دی وہ ضرور اس کا مواخذہ کرے گا"

اس قسم کا بدبودار پھول ابتدائی اسلام سے لے کر آج تک معلوم نہیں کہ ہندوستان میں کھلا ہو۔ عجب نہیں کہ اس معاملہ سے تمام شہر تہم ہو جائے۔ بلکہ تمام ہندوستان سے اعتماد دور ہو جائے۔ سلطان وقت کہ خدا اس کو اسلام کے دشمنوں پر مدد اور غلبہ دے، اہل سنت اور حنفی مذہب ہے۔ اس کے زمانہ میں اس قسم کی بدعت کا ظاہر کرنا بڑی جرأت اور دلیری کا کام ہے۔ بلکہ درحقیقت بادشاہ کے ساتھ مقابلہ کرنا اور اولی الامر کی اطاعت سے نکلنا ہے۔ پھر بڑی تعجب کی بات ہے کہ اس مقام کے بزرگ اور رئیس لوگ

اس واقعہ میں خاموش رہیں اور سستی اختیار کریں۔ اللہ تعالےٰ اہلِ کتاب کی مذمت میں فرماتا ہے :-

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۔

"اُن کے علماء اور خدا پرست لوگ اُن کو اُن کی بُری باتوں و رشوت و سُود کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے۔ واقعی بہت بُری بات ہے"

اللہ تعالےٰ اور فرماتا ہے :-

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۔

"ایک دوسرے کو بُرے فعل کے کرنے سے منع نہ کرتے تھے، واقعی بہت بُرا کرتے تھے"

اس قسم کے واقعات میں تغافل و سستی کرنا گویا بدعتیوں کو دلیر کرنا اور دین میں رخنہ ڈالنا ہے۔ یہ سستی اور غفلت کا نتیجہ ہے کہ مہدویہ[1] جماعت کے لوگ کھلم کھلا اہلِ حق کو اپنے باطل طریق کی طرف دعوت کرتے اور موقعہ پا کر بھیڑیئے کی طرح ریوڑ سے ایک دو کو لے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ اس وحشت انگیز خبر کو سُن کر مجھ میں ایک شورش سی پیدا ہو گئی اور میری فاروقی رگ بھڑک اُٹھی اس لئے چند کلمے لکھے گئے اُمید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالْبَرَكَاتُ ۔

"سلام ہو آپ پر اور ان بزرگواروں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا"

❊

---

[1] یعنی سید محمد جونپوری کے تابعدار جو ملک دکن میں اب تک موجود ہیں۔ سید محمد جونپوری ۸۴۷ھ میں پیدا ہوا تھا اور اس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ نعوذ باللہ۔ منہ ۱۲ مترجم

❊

مکتوب ۱۶

قبر میں عہد نامہ نہ رکھنا

اب ان سوالوں کا جواب لکھا جاتا ہے جو آپ نے دریافت کئے تھے۔ سُنتوں میں اکثر اوقات چار قل کی قرأت کی جاتی ہے اور مُردوں کے لئے کفن مسنون تین کپڑے ہیں، دستار زائد ہے۔ ہم قدر مسنون پر کفایت کرتے ہیں۔ اور جواب نامہ بھی نہیں لکھتے۔ کیونکہ نجاست اور پلیدی کیساتھ اُس کے آلودہ ہو جانے کا احتمال ہے۔ اور علماء ماوراء النہر کا عمل بھی نہیں ہے۔ اور سند صحیح سے بھی ثابت نہیں ہُوا۔ اور اگر کفن میں قمیص کے بجائے پیراہن تبرکی کو استعمال کرلیں تو مضائقہ نہیں۔ شہداء کے کفن اُن کے اپنے کپڑے ہیں۔

مکتوب ۱۷

اپنے بیٹوں کے انتقال پر ایک تعزیت نامہ کا جواب

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو مصائب کی ماتم پُرسی کے بارہ میں شیخ مصطفےٰ کے ہاتھ ارسال کیا تھا اس کے مضمون سے مشرف ہُوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ مصیبتیں بظاہر جراحت نظر آتی ہیں مگر حقیقت میں ترقیات اور مرہم ہیں۔

وہ نتائج و ثمرات جو حق تعالےٰ کی عنایت سے اس جہان میں ان مصیبتوں پر مترتب ہُوئے ہیں، ان نتائج و ثمرات کا سوواں حصہ ہیں جن کے ملنے کی اُمید و توقع عالم آخرت میں ہے۔

فرزندوں کا وجود عین رحمت ہے۔ زندگی میں بھی اُن سے فائدے اور نفعے ہوتے ہیں اور مرنے پر بھی ثمرات و نتائج مترتب ہیں۔

امام اجل محی السنۃ حلیۃ الابرار میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں تین دن طاعون واقع ہوا ۔ اس طاعون میں حضرت انس رضؓ کے تراسی بیٹے جو سب کے سب ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم تھے اور حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے حق میں برکت کی دُعا فرمائی تھی، سب فوت ہو گئے اور چالیس بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فوت ہو گئے۔ جب حضرت خیرالانام علیہ السلام کے اصحاب رضؓ کرام کے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں تو پھر ہم گناہگار کس حساب ہیں ۔

حدیث میں آیا ہے کہ طاعون پہلی اُمتوں کے حق میں عذاب تھا اور اس اُمّت کے لئے شہادت ہے ۔ واقعی وہ لوگ جو اس وبا میں مرتے ہیں، عجب حضور و توجہ سے مرتے ہیں، ہوس آتی ہے کہ کوئی شخص ان دنوں میں اس بلا والے لوگوں کے ساتھ ملحق ہو جائے اور دُنیا سے آخرت کی طرف کوچ کر جائے ۔ یہ بلا اس اُمت میں بظاہر غضب ہے اور باطن میں رحمت ۔

میاں شیخ طاہر بیان کرتے تھے کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا تھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں کہ جو کوئی ان دنوں میں نہ مرے گا، حسرت اُٹھائے گا ۔ ہاں جب ان گذشتہ لوگوں کے حالات پر نظر کی جاتی ہے تو احوالاتِ غریبہ اور معاملاتِ عجیبہ مشاہدہ میں آتے ہیں ۔ شاید شہدار فی سبیل اللہ ان خصوصیتوں سے ممتاز ہوں ۔

میرے مخدوم فرزند عزیز قدس سرہٗ کی مفارقت بڑی بھاری مصیبت ہے، معلوم نہیں کہ کسی کو اس قسم کی مصیبت پہنچی ہو ۔ لیکن وہ صبر و شکر جو حق تعالےٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت فرمایا ہے بڑی اعلیٰ نعمت اور اعظم انعام ہے ۔ یہ فقیر حق تعالےٰ سے سوال کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزا آخرت پر موقوف رکھے اور دُنیا میں اس کی جزا کچھ بھی ظاہر نہ ہو ۔ حالانکہ جانتا ہے کہ یہ سوال بھی سینہ کی تنگی کے باعث ہے ورنہ حق تعالےٰ بڑی وسیع

---

[1] یعنی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ۔

رحمت والا ہے ۔

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ۔ " دنیا و آخرت اللہ ہی کے لئے ہے "

دوستوں سے التجا ہے کہ دُعا کے ساتھ امداد و اعانت فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ سلامتی کے ساتھ کرے اور لغزشوں کو جو انسان کے لئے لازم ہیں معاف فرمائے اور ان تقصیروں سے جو بشریت کے باعث صادر ہوتی ہیں، درگذر کرے ۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔

" یا اللہ ہمارے گناہوں کو اور جو کچھ ہم سے کاموں میں اسراف ہوا ہے بخش، اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہماری مدد کر "

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۔

" سلام ہو آپ پر اور اُن لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی " ۔

مکتوب ۱۹

سُنّت کا اتباع اور ہر قسم کی بدعت سے اجتناب

سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور متابعت اختیار کریں، سنت سنیہ کو بجا لائیں اور بدعت نامرضیہ سے پرہیز کریں ۔ اگرچہ بدعت صُبح کی سفیدی کی مانند روشن ہو ۔ لیکن درحقیقت اس میں کوئی روشنی اور نُور نہیں ہے ۔ اور نہ ہی اس میں کسی بیماری کی دوا اور بیمار کی شفا ہے ۔ کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں یا سُنّت کی رافع ہو گی یا رفع سنت سے ساکت ہو گی ۔ ساکت ہونے کی صورت میں بالضرور سُنت پر زائد ہو گی ۔ جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے ۔ کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے ۔

پس معلوم ہُوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو، سُنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حسن نہیں۔ ہائے افسوس اُنہوں نے دین کامل اور اسلام پسندیدہ میں جبکہ نعمت تمام ہو چکی۔ بدعت محدثہ کے حسن ہونے کا کس طرح حکم دیا۔ یہ نہیں جانتے کہ اکمال و اتمام اور رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حَسَنْ سے کوسوں دُور ہے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ۔ (حق کے بعد گمراہی ہے) اگر یہ لوگ جانتے کہ دین میں محدثہ امر کو حسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو مستلزم ہے اور نعمت کے ناتمام رہنے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کے حکم پر دلیری نہ کرتے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔

"یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر۔"

ﷺ

مکتوب نمبر ۲۰

نماز کے سُنن و آداب کا پُورا اہتمام رکھنا

آپ کی کمزوری اور ضعف کا حال پڑھ کر بڑی بے آرامی ہُوئی۔ آپ کی صحت و تندرستی کی بڑی انتظاری ہے۔ کسی آنے والے کے ہمراہ صحت کی خبر اور کیفیت احوال لکھ کر ارسال فرمائیں۔ اے محبت کے نشان والے چونکہ یہ دار یعنی دُنیا دارِ عمل ہے اور دارِ جزا دارِ آخرت ہے۔ اس لئے اعمالِ صالح کے بجالانے میں بڑی کوشش کرنی چاہیئے۔ سب اعمال سے بہترین اور سب عبادات سے فاضل ترین نماز کا قائم کرنا ہے۔ جو دین کا ستون اور مومن کا معراج ہے۔ پس اس کے ادا کرنے میں بڑی کوشش بجالانی چاہیئے۔ اور احتیاط کرنی چاہیئے۔

تعدیل اور طمانینت کے بارے میں بار بار مبالغہ کیا جاتا ہے۔ اس کی اچھی طرح محافظت کریں۔ اکثر لوگ نماز کو ضائع کر دیتے ہیں اور طمانینت اور تعدیل ارکان کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے حق میں بہت سے وعید آئے

ہیں۔ جب نماز درست ہو جائے۔ نجات کی بڑی بھاری اُمید ہے۔ کیونکہ نماز کے قائم ہونے سے دین قائم ہو جاتا ہے۔ اور مراتب کی بلندی کا معراج پُورا ہو جاتا ہے ۔ ؎

برشکر غلیط داے صفرائیاں   از برائے کورئے سودائیاں

ترجمہ: "پل پڑو شکر پہ تم صفرائیو   کو رسودائی ہیں سالے مت ڈرو"

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی ۔

"سلام ہو آپ پر اور اُن لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا" ۔

مکتوب ۲۱

قلب کی حقیقت

اب ہم اس مضغہ کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ ذرا غور سے سُنیں۔ عوام کا وہ مضغہ ہے جو اربعہ عناصر کی ترکیب سے حاصل ہے اور خواص اور راخص خواص کا مضغہ اس قسم کا ہے جس نے سلوک و جذبہ اور تصفیہ و تزکیہ اور قلب کے تمکین اور نفس کے اطمینان کے بعد بلکہ اللہ تعالیٰ کے محض و کرم سے اجزاء عشرہ کی ترکیب سے صورت حاصل کی ہے۔ یعنی چار جزو عناصر کے ہیں اور ایک جزو نفس مطمئنہ کا اور پانچ جزو عالم امر کے۔ دونوں طرفوں کے اجزاء حالانکہ ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ لیکن حق تعالےٰ کی قدرتِ کاملہ سے ان کی ضدیت اور مخالفت دُور ہو گئی ہے اور باہم جمع ہو گئے ہیں اور ہیئت وحدانی پیدا کر کے اس اعجوبہ کو حاصل کیا ہے۔ جزو اعظم اس معاملہ میں عنصر خاک ہے ۔

اس ہیئت وحدانی نے بھی جزو ارضی کا رنگ اختیار کر کے خاک کے ساتھ قرار پکڑا ہے ۔ ؎

خاک شو خاک تا بروید گل　　　　که بجز خاک نیست مظہر کل

ترجمہ: "خاک ہو خاک تا اُگیں سب پھول　　　　خاک مظہر ہے کل کا مت بھول"

اے برادر! ارباب ولایت کا ہاتھ ان علوم و معارف کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ یہ انوار نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔"

وہ قلب جس کے اطمینان کے لئے حضرت خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوال کیا تھا یہی مضغہ ہے۔ کیونکہ ان کی حقیقت جامعہ تمکین تک پہنچ چکی تھی اور نفس مطمئنہ ہو چکا تھا۔ اور یہ تمکین و اطمینان مرتبہ ولایت میں متصور ہے جو نبوت کا زینہ ہے۔ شانِ نبوت کے مناسب مضغہ کی بے قراری اور اضطراب ہے۔ نہ حقیقت جامعہ کی بے قراری و بے آرامی کہ یہ عوام کو بھی نصیب ہے۔ اور حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قلب کی ثابتی طلب فرمائی ہے اور کہا ہے:-

اَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ ۔

"اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنی طاعت پر ثابت رکھ۔"

اس سے مقصود مضغہ کا ثبات ہے اور بعض احادیث میں جو اُمتوں کے احوال پر نظر کرنے کے باعث دل کی بے قراری کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اگر قلب کے وہ معنی مُراد لئے جائیں جو حقیقت جامعہ اور مضغہ دونوں کو شامل ہوں تو بھی ہو سکتا ہے۔

مکتوب ۲۳

اپنے بیٹے کے نام مکتوب، اتباعِ سُنت کی تاکید اور ہر حال میں بدعات سے بچنے کا حکم

سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزندِ عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ اور تمام دوستوں کو

کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ سنت سنیہ کی تابعداری کریں اور بدعت ناپسندیدہ سے بچیں۔ اسلام دن بدن غربت پیدا کرتا جاتا ہے اور مسلمان غریب ہوتے جاتے ہیں۔ اور جوں جوں مرتے جائیں گے زیادہ تر غریب ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔

وَتَقُوْمُ الْقِیَامَۃُ عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ۔ اور قیامت بُرے لوگوں پر قائم ہوگی" سعادت مند وہ شخص ہے جو اس غربت میں متروکہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مستعملہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو مار دے۔

اب وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ہزار سال گزر چکے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پر تو ڈالا ہے۔ سنت عہدِ نبوت کے بُعد کے باعث پوشیدہ ہوگئی ہے اور بدعت جھوٹ کے ظاہر ہونے کے باعث جلوہ گر ہوگئی ہے۔ اب ایک ایسے بہادر جوانمرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کے گرانے کا باعث ہے۔

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ الْبِدْعَۃِ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی ھَدْمِ الْاِسْلَامِ
"جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد دی"

آپ نے سنا ہوگا کہ پورے ارادہ اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے۔ خصوصاً ان دنوں میں کہ اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ اسلام کی رسمیں جبھی قائم رہ سکتی ہیں جبکہ سنت کو جاری کیا جائے اور بدعت کو دور کیا جائے۔ گذشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہوگا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا ہے۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافق نہیں ہے اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ ہر ایک بدعت گمراہی ہے۔

اسلام کے اس ضعف و غربت کے زمانہ میں کہ سلامتی سُنّت کے بجا لانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے پر وابستہ ہے۔ ہر بدعت کو کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو بُنیادِ اسلام کو گرا رہی ہے۔ اور سُنّت کو چمکنے والے ستارے کی طرح دیکھتا ہے۔ جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما رہا ہے۔ حق تعالےٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں۔ خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو۔ کیونکہ سُنّت کے ماسوا میں شیطان کے مکر کو بڑا دخل ہے۔

گزشتہ زمانہ میں چونکہ اسلام قوی تھا۔ اس لئے بدعت کے ظلمات کو اُٹھا سکتا تھا، اور ہو سکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نورِ اسلام کی چمک میں نورانی معلوم ہوتے ہُونگے اور حُسن کا حکم پا لیتے ہوں گے۔ اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نورانیت نہ تھی مگر اس وقت کہ اسلام ضعیف ہے۔ بدعتوں کے ظلمات کو نہیں اُٹھا سکتا۔ اس وقت متقدمین و متاخرین کا فتوےٰ جاری نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر وقت کے احکام جُدا ہیں۔

اس وقت تمام جہان بدعتوں کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے اور سُنّت کا نور باوجود غربت اور نُدرت کے اس دریائے ظلمانی میں کرمِ شب افروز یعنی جگنو کی طرح محسوس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کرتا جاتا ہے۔ اور سُنّت کے نور کو کم کرتا جاتا ہے سُنّت پر عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔

اب اختیار ہے کہ کوئی خواہ بدعتوں کی ظلمت کو زیادہ کرے یا سُنّت کے نور کو بڑھائے اور اللہ تعالیٰ کا گروہ زیادہ کرے یا شیطان کا گروہ۔

اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اَلَا اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ

هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ۔

"خبردار! اللہ تعالٰے کا گروہ خلاصی یافتہ ہے اور شیطان کا گروہ خسارہ پانے والا ہے"۔

صوفیاء وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں اور اسلام کے ضُعف اور جھوٹ کی کثرت کا ملاحظہ کریں۔ تو چاہیئے کہ سُنّت کے ماسواء میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کا بہانہ کر کے امورِ مخترعہ پر عمل نہ کریں۔ اتباعِ سُنّت بیشک نجات دینے والی اور خیرات و برکات کے بخشنے والی ہے اور غیر سُنّت کی تقلید میں خطر در خطر ہیں۔ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ۔ (قاصد پر حکم کا پہنچا دینا ہے)

ہمارے پیروں کو اللہ تعالٰے ہماری طرف سے جزاء خیر دے کہ انہوں نے اپنے تابعداروں کو امور مبتدعہ کے بجالانے کی ہدایت نہ کی اور اپنی تقلید سے ہلاک کرنے والے اندھیروں میں نہ ڈالا اور سنت کی متابعت کے سوا اور کوئی رستہ نہ بتایا اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے سوا کچھ ہدایت نہ فرمائی۔ اس واسطے ان بزرگواروں کا کارخانہ بلند ہو گیا اور ان کے وصول کا ایوان سب سے اعلیٰ بن گیا۔

مکتوب ایضاً

انتہاء بھی حیرت ہے

اس مقام سے سوائے جہل اور حیرت کے کچھ نصیب نہیں۔ نہ وہ جہل و حیرت کہ جس کو لوگ جہل و حیرت جانتے ہیں کیونکہ یہ مذموم ہے۔ بلکہ اس مقام کی جہل و حیرت، عین معرفت و اطمینان ہے۔ نہ وہ معرفت و اطمینان جو لوگوں کی سمجھ میں آسکے کیونکہ یہ چون کی قسم سے ہے اور بیچونی سے بے نصیب ہے۔ اس مقام میں جو کچھ ہم ثابت کریں بے چون ہوگا۔ خواہ اس کی تعبیر جہل سے کریں خواہ معرفت سے۔ مَنْ لَّمْ يَذُقْهُ لَمْ يَدْرِ۔ "جس نے مزہ چکھا ہی نہیں وہ کیا جانے"۔

مکتوب ۲۵

جو عمل شریعت کے مطابق ہو وہ ذکر میں داخل ہے

اے فرزند! فرصت اور صحت اور فراغت کو غنیمت جاننا چاہیئے اور تمام اوقات ذکر الٰہی میں مشغول رہنا چاہیئے۔ جو عمل شریعت غرّا کے موافق کیا جائے ذکر ہی میں داخل ہے اگرچہ خرید و فروخت ہو۔ پس تمام حرکات و سکون میں احکام شرعیہ کی رعایت کرنی چاہیئے تاکہ سب کچھ ذکر ہو جائے کیونکہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ غفلت دُور ہو جائے۔ جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کو مدِ نظر رکھا جائے تو اس صورت میں بھی آمر و ناہی کی غفلت دُور ہو جاتی ہے اور دوام ذکرِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دوام ذکر حضرات خواجگان کی یادداشت سے جُدا ہے۔ وہ یادداشت صرف باطن تک ہی ہے اور اس دوام ذکر کا اثر ظاہر میں بھی ہے اگرچہ دشوار ہے:

وَفَّقَنَا اللهُ سُبْحَانَهٗ وَ اِيَّاكُمْ بِمُتَابَعَةِ صَاحِبِ الشَّرِيْعَةِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ۔

"اللہ تعالےٰ ہم کو اور آپ کو صاحبِ شریعت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی متابعت کی توفیق بخشے"۔

ﭫ

مکتوب ۲۸

"رشحات" کی بہت سی حکایات صدق سے دُور ہیں

تفصیل کے لئے مکتوب ۲۸ دفتر دوم صفحہ ۹۲ جلد ۲ ملاحظہ کریں۔

ﭫ

مکتوب ۲۹

غم اور مصائب دینی ترقی کے اسباب میں سے ہیں

میرے مخدوم مکرم مصائب میں اگرچہ بڑی تکلیف و ایذا برداشت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن ان پر بڑی کرامت اور مہربانی کا اُمید ہے۔ اس جہان کا بہتر اسباب محزن و اندوہ ہے اور اس دسترخوان کی خوشگوار نعمت الم و مصیبت ہے۔ ان شکر پاروں پر دارو ئے تلخ کا رقیق غلاف چڑھایا ہُوا ہے اور اس حیلہ سے ابتلاء و آزمائش کا راستہ کھولا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر کر کے تلخی کو شکر کی طرح چبا جاتے ہیں اور کڑواہٹ کو صفرا کے برعکس شیریں معلوم کرتے ہیں کیوں شیریں معلوم نہ کریں جبکہ محبوب کے افعال سب شیریں ہوتے ہیں۔ علتی اور بیمار شاید ان کو کڑوا معلوم کرے تو کرے، جو ماسوا میں گرفتار ہے مگر دولتمند محبوب کے ایلام و رنج میں اس قدر حلاوت و لذت پاتے ہیں جو اس کے انعام میں ہرگز متصور نہیں۔ اگرچہ دونوں محبوب کی طرف سے ہیں لیکن ایلام میں محب کے نفس کا دخل نہیں ہوتا اور انعام میں اپنے نفس کی مراد پر قیام ہوتا ہے ؎

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا

وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ: مبارک منعموں کو اپنی دولت مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ ۔

"یا اللہ! تو ہم کو ان کے اجر سے محروم نہ رکھ اور ان کے بعد ہم کو فتنہ میں نہ ڈال"۔

اس غربت اسلام کے زمانہ میں آپ کا وجود شریف اہلِ اسلام کے لئے غنیمت ہے۔

سَلَّمَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَبْقَاكُمْ۔ "اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و باقی رکھے"۔

والسلام

مکتوب ۳۵

ایک مکتوب نصیحت مختصر اور جامع

میرے فرزندِ عزیز! فرصت کو غنیمت جانیں اور خیال رکھیں کہ عمر بیہودہ امور میں صرف نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں بسر ہو۔ نماز پنجگانہ کو جمعیت وجماعت اور تعدیلِ ارکان کے ساتھ ادا کریں۔ نماز تہجد کو ترک نہ کریں اور صبح کے استغفار کو رائیگاں نہ چھوڑیں اور خواب خرگوش پر محظوظ نہ ہوں اور دُنیا کی فانی لذتوں پر فریفتہ وحریص نہ ہوں۔ موت کو یاد رکھیں اور آخرت کے احوال کو مدِ نظر رکھیں۔ غرض دُنیا کی طرف سے مُنہ پھیرلیں اور آخرت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ بقدرِ ضرورت دُنیا کے کاموں میں مشغول ہوں اور باقی اوقات کو امورِ آخرت کی اشتغال میں بسر کریں۔

حاصل کلام یہ کہ دل کو ماسوی اللہ کی گرفتاری سے آزاد کریں اور ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ پیراستہ رکھیں۔ ع

کار ایں است وغیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: "اصل مطلب ہے یہی باقی ہے ہیچ

باقی احوال بخیریت ہیں۔ والسّلام ۞

مکتوب ۳۶

اہل سُنت والجماعت اور فرقہ شیعہ کے اختلافات سے متعلق تفصیلی مکتوب تمام صحابہؓ اور اور اہل بیتؓ کی محبت وعظمت کا مفصّل بیان

چونکہ اس زمانہ میں امامت کی بحث بہت ہو رہی ہے اور ہر ایک اس

بارہ میں اپنے ظن وتخمین کے بموجب گفتگو کرتا ہے۔اس لئے اس بحث کے متعلق چند سطریں لکھی جاتی ہیں اور اہلسُنت وجماعت اور مخالفوں کے مذہب کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

اے شرافت ونجابت کے نشان والے! شیخین رض کی فضیلت اور ختنین رض کی محبت اہل سُنت وجماعت کی علامتوں میں سے ہے۔ یعنی شیخین کی فضیلت جب ختنین کی محبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو یہ امر اہل سنت والجماعت کے خاصوں میں سے ہے۔ یہ شیخین کی فضیلت صحابہؓ اور تابعینؒ کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو اکابر ائمہ نے کہ ان میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، نقل کیا ہے۔ اور شیخ ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فضیلت باقی اُمت پر قطعی ہے اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنی خلافت اور مملکت کے زمانہ میں جم غفیر یعنی بڑی بھاری جماعت کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکرؓ اور عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس اُمت میں سب سے بہتر ہیں۔

جیسے کہ امام ذہبیؒ نے کہا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہ، پھر ایک اور آدمی۔ پس ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر آپ؟ فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان آدمی ہوں۔

غرض شیخین کی فضیلت ثقہ اور معتبر راویوں کی کثرت کے باعث شہرت اور تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہے اس کا انکار کرنا سراسر جہالت ہے یا تعصب۔

عبدالرزاق نے جو اکابر شیعہ میں سے ہے جب انکار کی مجال نہ دیکھی، تو بے اختیار شیخین کی فضیلت کا قائل ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب حضرت علی شیخینؓ کو اپنے اوپر فضیلت دیتے ہیں تو میں بھی حضرت علیؓ کے فرمانے کے بموجب شیخینؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دیتا ہوں۔ اگر وہ فضیلت نہ دیتے تو میں بھی نہ دیتا۔ یہ بڑا گناہ ہے کہ میں حضرت علیؓ کی محبت کا دعویٰ کروں اور پھر آن کی مخالفت

کروں۔ چونکہ حضرات ختنین رضؓ کی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے درمیان بہت فتنہ اور فساد برپا ہوگیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں کدورت پیدا ہوگئی تھی اور مسلمانوں کے دلوں میں عداوت وکینہ غالب آگیا تھا اس لئے ختنین رضؓ کی محبت کو بھی اہلسنت والجماعت کے شرائط میں سے شمار کیا گیا۔ تاکہ کوئی جاہل اس سبب سے حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابؓ پر بدظنی نہ کرے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کے ساتھ بغض وعداوت حاصل نہ کرے۔
پس حضرت امیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی محبت اہل سنت والجماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا اہلسنت سے خارج ہے اس کا نام خارجی ہے اور جس شخص نے حضرت امیرؓ کی محبت میں افراط کی طرف کو اختیار کیا ہے اور جس قدر کہ محبت مناسب ہے اس سے زیادہ اس سے وقوع میں آتی ہے اور محبت میں غلو کرتا ہے اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احباب کو سب وطعن کرتا ہے اور صحابہؓ اور تابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق کے برخلاف چلتا ہے وہ رافضی ہے۔

پس حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں افراط وتفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے اہل سنت والجماعت متوسط ہیں اور شک نہیں کہ حق وسط میں ہے اور افراط وتفریط دونوں مذموم ہیں۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علیؓ تجھ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے جس کو یہودیوں نے یہاں تک دشمن سمجھا کہ اس کی ماں پر بہتان لگایا اور نصاریٰ نے اس قدر دوست رکھا اور اس کو اس مرتبہ تک لے گئے جس کے وہ لائق نہیں تھا، یعنی ابن اللہ کہا۔

پس حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دو شخص میرے حق میں ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ جو میری محبت میں افراط کرے گا اور جو کچھ مجھ میں نہیں میرے لئے ثابت کرے گا۔ اور دوسرا وہ شخص جو میرے ساتھ دشمنی کرے گا اور عداوت

سے مجھ پر بہتان لگائے گا۔

پس خارجیوں کا حال یہودیوں کے حال کے موافق ہے اور رافضیوں کا حال نصاریٰ کے حال کے موافق کہ دونوں حق وسط سے برطرف جا پڑے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہل سنّت والجماعت کو حضرت امیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے محبّوں سے نہیں جانتا اور حضرت امیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی محبت کو رافضیوں کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔

حضرت امیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی محبت رفض نہیں ہے بلکہ خلفاءِ ثلاثہ سے تبرّا اور بےزاری رفض ہے اور اصحاب کرام سے بیزار ہونا مذموم اور ملامت کے لائق ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

لَوْ کَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ
فَلْیَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضٌ

ترجمہ: اگر محبت آل محمدی ہے رفض — تو جن وانس گواہ ہیں کہ رافضی ہوں میں

یعنی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی محبت رفض نہیں ہے جیسے کہ جاہل لوگ گمان کرتے ہیں۔ اگر اس محبت کو رفض کہتے تو پھر رفض مذموم نہیں کیونکہ رفض کی مذمت دوسروں کے تبریٰ کے باعث ہوتی ہے، نہ کہ ان کی محبت کے باعث۔

پس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت کے محب اہل سنّت والجماعت ہیں اور حقیقت میں اہل بیت کا گروہ بھی یہی لوگ ہیں نہ کہ شیعہ جو اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت کا دعوےٰ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو گروہ اہلِ بیت کا خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ یعنی شیعہ اہل بیت کی محبت پر کفایت کریں اور دوسروں سے تبرّے نہ کریں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کے تمام اصحابؓ کی عزت و توقیر بجالائیں اور اُن کے لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کریں تو اہلِ سنّت والجماعت میں داخل ہوں گے اور خارجیوں اور رافضیوں سے باہر ہو جائیں گے۔ کیونکہ اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا خروج

ہے اور اصحاب رضؓ سے تبری کرنا رفض ہے اور اہل بیت کی محبت اور تمام اصحاب کرامؓ کی تعظیم و توقیر تسنین یعنی اہلسنت والجماعت بننا ہے۔

غرض خروج و رفض کی بنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے بغض پر ہے اور تسنن کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی محبت پر ہے۔ عاقل منصف ہرگز اصحاب کے بغض کو اُن کی محبت پر اختیار نہیں کرے گا بلکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کے باعث سب کو دوست رکھے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّىْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِىْ اَبْغَضَهُمْ۔

"جس نے اُن کو دوست رکھا اُس نے میری محبت کے باعث اُن کو دوست رکھا اور جس نے اُن سے بغض رکھا اُس نے میرے بغض کے باعث اُن سے بغض رکھا"

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اہلبیت کی محبت کا نہ ہونا اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاتا ہے جبکہ یہ محبت ان بزرگواروں کے نزدیک ایمان کا جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے۔

اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری باطنی عالم تھے اکثر اوقات اہلبیت کی محبت پر ترغیب فرمایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے۔ اس کی بڑی رعایت کرنی چاہیئے۔ اُن کے مرض موت میں فقیر حاضر تھا۔ جب ان کا معاملہ آخر تک پہنچا اور اس جہان کا شعور کم ہوگیا، تو اس وقت فقیر نے اُن کی بات کو انہیں یاد دلایا اور محبت کی نسبت پوچھا تو اس بے خودی میں آپ نے فرمایا کہ میں اہلبیت کی محبت میں غرق ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اہل بیت کی محبت اہل سنت والجماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالف لوگ اس معنی سے غافل اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں، مخالفوں نے اپنی

افراط کی جانب کو اختیار کیا ہے اور افراط کے ماسوا کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم کیا ہے اور خوارج کا مذہب سمجھا ہے، نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان حد وسط ہے جو حق کا مرکز اور صدق کا متوطن ہے جو اہل سنت والجماعت شکر اللہ تعالےٰ سعیہم کو نصیب ہوا ہے۔

تعجب ہے کہ خوارج کو اہل سنت ہی نے قتل کیا ہے اور اہلبیت کے دشمنوں کو جڑ سے اکھیڑا ہے۔ اس وقت رافضیوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اگر تھا بھی تو عدم کا حکم رکھتا تھا شاید اپنے گمان فاسد میں، اہل بیت کے محبّوں کو رافضی تصور کرتے ہیں اور اہل سنت کو روافض کہتے ہیں۔

عجب معاملہ ہے کبھی اہل سنت کو خارجیوں سے گنتے ہیں اس لئے کہ افراط محبت نہیں رکھتے کبھی نفس محبت کو ان سے محسوس کر کے ان کو رافضی جانتے ہیں۔ اسی واسطے یہ لوگ اپنی جہالت کے باعث اہل سنت کے اولیاء عظام کو اہل بیت کی محبت کا دم مارتے ہیں اور آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حُب کا اظہار کرتے ہیں، رافضی خیال کرتے ہیں اور اہلسنت والجماعت کے بہت سے علماء کو جو اس محبت کی افراط سے منع کرتے ہیں اور حضرت خلفاء ثلاثہ کی تعظیم و توقیر میں کوشش کرتے ہیں، خارجی جانتے ہیں۔ ان لوگوں کی ان نامناسب جراتوں پر ہزار ہا افسوس ہے۔

اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ اِفْرَاطِ تِلْكَ الْمُحَبَّةِ وَ تَفْرِيْطِهَا ۔

"اللہ تعالیٰ اس محبت کی افراط و تفریط سے ہم کو بچائے"۔

یہ افراط محبت ہی کا باعث ہے کہ اصحاب ثلاثہؓ وغیرہ کے تبرّیٰ کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت کی شرط جانتے ہیں۔

انصاف کرنا چاہیئے کہ یہ کون سی محبت ہے کہ جس کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کی بیزاری اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے سب و طعن پر موقوف ہو۔ اہل سنت کا گناہ یہی ہے کہ اہلبیت کی محبت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحابؓ کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور باوجود لڑائی جھگڑوں کے جو ان کے درمیان واقع ہوئے ان میں سے کسی

کو بُرائی سے یاد نہیں کرتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی تعظیم اور اس عزت و تکریم کے باعث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کی کیا کرتے تھے سب کو ہوا و تعصب سے دُور جانتے ہیں اور اس کے علاوہ اہلِ حق کو حق پر اور اہلِ باطل کو باطل پر کہتے ہیں لیکن اس کے بطلان کو ہوا و ہوس سے دُور سمجھتے ہیں اور رائے و اجتہاد کے حوالے کرتے ہیں۔

رافضی اس وقت اہلِ سُنّت سے خوش ہوں گے جبکہ اہلِ سنت بھی اُن کی طرح دوسرے اصحابؓ کرام سے تبرّیٰ کریں اور ان دین کے بزرگواروں کے حق میں بدظن ہو جائیں جس طرح خارجیوں کی خوشنودی اہلِ بیت کی عداوت اور آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض پر وابستہ ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

"یا اللہ! تُو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنی جناب سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تُو بڑا ہی بخشنے والا ہے۔"

اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کے بزرگواروں کے نزدیک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ ایک دوسرے کی لڑائی جھگڑوں کے وقت تین گروہ تھے۔ ایک گروہ نے دلیل و اجتہاد کے ساتھ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی جانب کی حقیقت کو معلوم کر لیا تھا اور دوسرے گروہ نے بھی دلیل و اجتہاد کے ساتھ دوسری طرف حقیقت کو دریافت کر لیا تھا۔ اور تیسرا گروہ متوقف رہا اور کسی طرف کو دلیل کے ساتھ ترجیح نہ دی۔ پس پہلے گروہ نے اپنے اجتہاد کے موافق حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مدد کی۔ اور دوسرے گروہ نے اپنے اجتہاد کے جانب مخالف کی امداد کی اور تیسرا گروہ توقف میں رہا۔ اس نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا خطا سمجھا۔ پس تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا اور جو کچھ اُن پر واجب و لازم تھا بجا لائے پھر ملامت کی کیا گنجائش ہے اور طعن کی کیا مناسبت ہے؟

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے:۔

تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا اَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا۔
"یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا۔
ہمیں چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں"۔
اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایک کو حق پر اور دوسرے کو خطا پر بھی نہ کہنا چاہیئے۔ اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیئے۔
اسی طرح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے:
اِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِيْ فَاَمْسِكُوْا "کہ جب میرے اصحاب کا ذکر ہو اور اُن کی لڑائی جھگڑوں کا تذکرہ آجائے تو تم اپنے آپ کو سنبھال رکھو، اور ایک کو دوسرے پر اختیار نہ کرو"۔

لیکن جمہور اہلِ سُنت اس دلیل سے جو اُن پر ظاہر ہوئی ہوگی اس بات پر ہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور اُن کے مخالف خطا پر۔ لیکن یہ خطا خطاءِ اجتہادی کی طرح طعن و ملامت سے دُور اور تشنیع و تحقیر سے مبّرا و پاک ہے۔
حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اُنھوں نے فرمایا ہے کہ ہمارے بھائی ہمارے باغی ہو گئے۔ یہ لوگ نہ کافر ہیں نہ فاسق۔ کیونکہ اُن کے پاس تاویل ہے جو کُفر و فسق سے روکتی ہے۔ اہلِ سُنّت و رافضی دونوں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کو خطا پر سمجھتے ہیں اور دونوں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی حقّیت کے قائل ہیں۔ لیکن اہلِ سنت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے محاربین کے حق میں لفظ خطار سے جو تاویل سے پیدا ہے زیادہ اور کچھ اطلاق پسند نہیں کرتے اور زبان کو ان کی طعن و تشنیع سے نگاہ رکھتے ہیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق صُحبت کی محافظت کرتے ہیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔
اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا۔
"یعنی میرے اصحاب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو"۔ تاکید کے واسطے اس کلمہ کو دو بار فرمایا ہے۔ "اور میرے اصحاب کو اپنی ملامت کے تیر کا نشان نہ بناؤ"۔

اور نیز فرمایا ہے :-

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ -

"میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے"

اور بھی بہت حدیثیں تمام اصحابؓ کی تعظیم و توقیر کے بارے میں آئی ہیں پس سب کو معزز و مکرم جاننا چاہیئے اور ان کی لغزشوں کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیئے۔ اس مسئلہ میں اہل سُنّت کا مذہب یہی ہے۔ رافضی اس بارے میں غلو کرتے ہیں اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے محاربوں کی تکفیر کرتے ہیں اور ہر طرح کے طعن اور ہر قسم کی گالیوں سے اپنی زبان کو آلودہ کرتے ہیں۔ اگر ان کا مقصود حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی جانب کی حقیقت اور ان کے محاربوں کی خطا کا اظہار ہے تو جو کچھ اہل سُنّت نے اختیار کیا ہے کافی اور حد اعتدال پر ہے اور دین کے بزرگواروں پر طعن لگانا جو رافضیوں نے اختیار کیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو گالی نکالنا اپنا دین و ایمان تصور کیا ہے۔ دیانت و دینداری سے دور ہے۔

یہ عجب دین ہے جس کا جزوِ اعظم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کو گالیاں نکالنا ہے۔ تمام بدعتی گروہوں میں سے جو بدعتیں اختیار کرکے اہل سُنت سے جدا ہو گئے ہیں رافضیوں اور خارجیوں کے فرقے اصل معاملہ اور حق سے دور جا پڑے ہیں۔ بھلا وہ لوگ جو دین کے بزرگواروں کے سب و طعن کو دین کا جزوِ اعظم تصور کرتے ہیں حق اُن کے نصیب کیا ہوگا؟ رافضیوں کے بارہ فرقے ہیں سب کے سب اصحاب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کافر کہتے ہیں اور خلفائے راشدینؓ کو گالیاں نکالنا عبادت جانتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے لفظ رفض کے اطلاق کرنے سے کنارہ کرتے ہیں اور اپنے سوا اور لوگوں کو رافضی جانتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں رافضیوں کے حق میں بہت وعید آئی ہے کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ رفض کے معنی سے بھی اجتناب کرتے اور اصحاب سے تبریٰ اختیار نہ کرتے۔

ہندوستان کے ہندو بھی اپنے آپ کو ہندو کہلواتے ہیں اور لفظ کفر کے اطلاق سے کنارہ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو کافر نہیں جانتے بلکہ دارحرب کے رہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ دونوں کافر ہیں اور کفر کی حقیقت سے متحقق ہیں۔ ان لوگوں نے شاید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلبیت کو اپنی طرح تصور کیا ہے اور ان کو بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دشمن خیال کیا ہے۔ ان لوگوں نے تقیہ کے باعث جو خود کیا کرتے ہیں اہلبیت کے بزرگواروں کو منافق اور مکار خیال کیا ہے اور حکم کیا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ تقیہ کے طور پر خلفاءِ ثلاثہ کے ساتھ تیس سال تک منافقانہ صحبت رکھتے رہے اور ناحق اُن کی تعظیم و تکریم کرتے رہے۔

عجب معاملہ ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلبیت کی محبت رسول اللہ کی محبت کے باعث ہے تو چاہئیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو بھی دشمن جانیں اور اہلبیت کے دشمنوں کی نسبت ان کو زیادہ سب لعن کریں۔ ابوجہل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے جس نے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی ہیں کبھی نہیں سنا کہ اس گروہ میں سے کسی نے اُس کو سب و لعن کیا ہو یا اُس کو بُرا کہا ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب مردوں سے پیارے ہیں اپنے خیال فاسد میں اہلبیت کا دشمن تصور کر کے اُن کے سب و طعن میں زبان دراز کرتے ہیں اور نامناسب امور کو اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ کون سی دیانت اور دین داری ہے۔ اللہ تعالےٰ نہ کرے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرامؓ رسول اللہ کے اہلبیت سے دشمنی کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے ساتھ بغض و عداوت رکھیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ اہلبیت کے دشمنوں کو سب کرتے اور اصحاب کرامؓ کے نام مقرانہ کرتے اور بزرگانِ دین پر بدظن نہ ہوتے تاکہ ان کی مخالفت جماعت اہل سنت کے ساتھ ہے دُور ہو جاتی۔ کیونکہ اہلِ سنت بھی اہل بیت کے دشمنوں کو دشمن جانتے ہیں اور ان کی طعن و تشنیع کے قائل ہیں۔ یہ اہلِ سنت کی

خوبی ہے کہ شخص معین کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہو، اسلام و توبہ کے احتمال پر جہنمی نہیں کہتے اور لعن کا اطلاق اس پر پسند نہیں کرتے۔ عام طور پر کافروں پر لعنت کرتے ہیں۔ لیکن کافر معیّن پر بھی لعنت پسند نہیں کرتے جب تک اُس کے خاتمہ کی بُرائی قطعی دلیل سے معلوم نہ ہو۔ لیکن رافضی بے تحاشا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو لعنت اور اکابر صحابہؓ کو سب و طعن کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔

اس بحث میں دو مقام ہیں جن میں اہل سُنّت اور مخالفوں کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ مقام اوّل یہ کہ اہل سُنّت خلفاء اربعہ کی خلافت کی حقیقت کے قائل ہیں اور چاروں کو برحق خلفاء جانتے ہیں۔ کیونکہ حدیث صحیح میں جن میں مغیبات یعنی امور غائبانہ کی نسبت خبر دی گئی ہے آیا ہے کہ:۔

اَلْخِلَافَۃُ مِنْ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَۃً۔

"خلافت میرے بعد تیس برس تک ہے"۔

اور یہ مدّت حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر تمام ہو جاتی ہے۔ پس اس حدیث کے مصداق چاروں خلفاء ہیں اور خلافت کی ترتیب برحق ہے اور مخالف لوگ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی حقیّت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی خلافت کو تعصب اور تغلب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے سوا امام برحق کسی کو نہیں جانتے اور اس بیعت کو جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے خلفاءِ ثلاثہ کے ہاتھ پر واقع ہوئی تھی تقیہ پر حمل کرتے ہیں اور اصحابؓ کرام کے درمیان منافقانہ صحبت خیال کرتے ہیں اور مدارات میں ایک دوسرے کو مکار تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے زعم میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے موافق لوگ ان کے مخالفوں کے ساتھ تقیہ کے طور پر منافقانہ صحبت رکھتے تھے۔ اور جو کچھ اُن کے دلوں میں ہوتا تھا اس کے برخلاف اپنی زبان پر ظاہر کرتے تھے اور مخالف بھی چونکہ ان کے زعم میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے دوستوں کے دشمن تھے اس لئے ان کے ساتھ منافقانہ محبت کرتے تھے اور دشمنی کو دوستی کے لباس میں ظاہر کرتے تھے۔ پس ان کے خیال میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے تمام اصحاب منافق اور مکار تھے اور جو اُن کے باطن میں ہوتا تھا اس کے برخلاف ظاہر کرتے تھے۔

پس چاہیئے کہ اُن کے نزدیک اس اُمت میں سے بدترین اصحابؓ کرام ہوں اور تمام صحبتوں میں سے بدتر صحبت حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت ہو جہاں سے یہ اخلاق ذمیمہ پیدا ہوئے ہیں اور تمام قرنوں میں سے برا اصحابؓ کا قرن ہو جو نفاق و عداوت و بغض و کینہ سے پُر تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں اُن کو رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ فرماتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ مُعْتَقَدَاتِهِمُ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اُن کے بُرے عقائد سے بچائے)

یہ لوگ جب اس اُمت کے سابقین کو اس قسم کے اخلاقِ ذمیمہ سے موصوف کرتے ہیں تو لواحقین میں کیا خیریت پائیں گے۔ ان لوگوں نے شاید ان آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کو جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت اور اصحابؓ کرام کی افضلیت اور اس اُمت کے خیریت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، نہیں دیکھا، یا دیکھا ہے مگر اُن کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن و احادیث اصحابِؓ کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے۔ جب اصحابؓ مطعون ہوں گے تو وہ دین جو اُن کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے بھی مطعون ہو گا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

ان لوگوں کا مقصود دین کا ابطال اور شریعتِ غرا کا انکار ہے۔ ظاہر میں اہلبیت رسولؐ کی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کا انکار کرتے ہیں۔ کاش کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے دوستوں کو مسلّم رکھتے اور تقیہ کے ساتھ جو اہلِ مکّہ اور نفاق کی صفت ہے متصف نہ کرتے۔ وہ لوگ جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے دوست ہوں یا دشمن، جب تیس ۳۰ سال تک ایک دوسرے کے ساتھ نفاق و مکر و فریب کے ساتھ زندگانی بسر کرتے رہے ہوں تو ان میں کیا خیریت ہو گی اور وہ کس طرح اعتماد کے لائق ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو طعن کرتے ہیں، نہیں جانتے کہ اس کے

طعن میں نصف احکامِ شرعیہ پر طعن آتا ہے۔ کیونکہ علما ٔ مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام میں تین ہزار حدیث وارد ہوئی ہے یعنی تین ہزار احکامِ شرعیہ ان احادیث سے ثابت ہوئے ہیں جن میں سے ایک ہزار پانچ سو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوئی ہیں۔ پس اس کا طعن نصف احکامِ شرعیہ کا طعن ہے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے راوی آٹھ سو صحابہ کرام اور تابعین سے زیادہ ہیں جن میں سے ایک ابن عباس رضؓ ہے اور ابن عمرؓ بھی اسی سے روایت کرتے ہیں۔ اور جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک رضؓ بھی انہی کے راویوں میں سے ہیں۔ اور وہ حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طعن میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں وہ جھوٹی حدیث ہے جیسے کہ علماء نے اس کی تحقیق کی ہے۔

اور وہ حدیث کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فہم کے لئے دعا کی ہے، علماء میں مشہور و معروف ہے۔

قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رضؓ حَضَرْتُ مَجْلِسًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَّبْسُطْ مِنْكُمْ رِدَاءَهٗ حَتّٰى اُفِيْضَ فِيْهِ مَقَالَتِيْ فَيَضُمُّهَا اِلَيْهِ ثُمَّ لَا يَنْسَاهَا فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيَّ فَافَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ فَضَمَمْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ فَمَا نَسِيْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ شَيْئًا۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی چادر بچھائے تاکہ میں اس میں اپنا کلام گراؤں اور پھر وہ اس کو اپنے بدن سے لگائے تو اس کو کوئی چیز نہ بھولے گی۔ پس میں نے اپنی چادر کو پھیلا دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کلام اس میں گرائی۔ اور میں نے چادر کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا۔ اس کے بعد مجھے کچھ نہ بھولا۔"

پس صرف اپنے ظن ہی سے دین کے ایک بزرگ شخص کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا دشمن جاننا اور اُس کے حق میں سبّ وطعن ولعن جائز رکھنا انصاف سے دُور ہے۔ یہ سب افراطِ محبت کی باتیں ہیں جن سے ایمان کے دُور ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اگر بالفرض حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے حق میں تقیہّ جائز بھی سمجھا جائے تو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ان اقوال میں کیا کہیں گے جو بطریق تواتر شیخین رضؓ کی افضلیت میں منقول ہیں۔ اور ایسے ہی حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ان کلماتِ قدسیہ میں کیا جواب دیں گے جو ان کی خلافت و مملکت کے وقت خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے حق ہونے میں صادر ہوئے ہیں۔ کیونکہ تقیہ اسی قدر ہے کہ اپنی خلافت کی حقیت کو چھپا لے اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا باطل ہونا ظاہر نہ کرے لیکن خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے حق ہونے کا اظہار کرنا اور شیخین رضؓ کی افضلیت کا بیان کرنا اس تقیہ کے سوا ایک علیحدہ امر ہے جو صدق صواب کے سوا کوئی تاویل نہیں رکھتا اور تقیہ کے ساتھ اس کا دُور کرنا ناممکن ہے۔

نیز وہ صحیح حدیثیں حدِ شہرت کو پہنچ چکی ہیں بلکہ متواتر المعنیٰ ہو گئی ہیں، جو حضرات خلفاء ثلاثہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں اور اُن میں اکثر کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ان حدیثوں کا جواب کیا کہیں گے۔ کیونکہ تقیہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جائز نہیں اس لئے کہ تبلیغ پیغمبروں پر لازم ہے۔

نیز وہ آیاتِ قرآنی جو اس بارہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں بھی تقیہ متصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو انصاف دے۔

دانا لوگ جانتے ہیں کہ تقیہ جبانت یعنی بُزدلی اور نامردی کی صفت ہے۔ اسد اللہ کے ساتھ اس کو نسبت دینا نامناسب ہے۔ بشریت کی رو سے ایک ساعت یا دو ساعت یا ایک دو دن کے لئے اگر تقیہ جائز سمجھا جائے تو ہو سکتا ہے۔ اسد اللہ میں تیس سال تک اس بزرگی کی صفت کا ثابت کرنا اور تقیہ پر مُصِر سمجھنا بُہت بُرا ہے۔ اور جب صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ ہے تو پھر بھلا دُشمنوں اور منافقوں کی صفات میں سے کسی صفت پر اصرار کرنا کیسا ہو گا؟

کاش کہ یہ لوگ اس امر کی بُرائی سمجھتے شیخین رضی اللہ عنہما کی تقدیم و تعظیم سے اس لئے بھاگے ہیں کہ اس میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی اہانت ہے اور تقیہ اختیار کر لیا ہے۔ اگر تقیہ کی بُرائی جو ارباب نفاق کی صفت ہے سمجھتے تو ہرگز تقیہ کو جائز قرار نہ دیتے اور دو بلاؤں میں سے آسان کو اختیار کرتے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ شیخین رضؓ کی تقدیم و تعظیم میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی کچھ اہانت نہیں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیقت بھی بجائے خود ہے اور ان کی ولایت کا درجہ اور ہدایت و ارشاد کا رتبہ بھی اپنے حال پر ہے اور تقیہ کے ثابت کرنے میں نقص و توہین لازم ہے۔ کیونکہ یہ صفت ارباب نفاق کے خاصوں اور مکاروں اور فریبیوں کے لوازم سے ہے۔

مقام دوم ۔ یہ کہ اہل سُنّت والجماعت شکر اللہ تعالےٰ سعیہم حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کی لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرتے ہیں اور ہوا و تعصب سے دُور جانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں پاک ہو چکے تھے اور ان کے روشن سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو گئے تھے۔

حاصل کلام یہ کہ جب ہر ایک صاحب رائے اور صاحب اجتہاد تھا اور ہر مجتہد کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا واجب ہے۔ اس لئے بعض امور میں رایوں کے اختلاف کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت و منازعت واقع ہوئی اور ہر ایک کے لئے اپنی رائے کی تقلید بہتر تھی۔ پس ان کی مخالفت موافقت کی طرح حق کے لئے تھی۔ نہ کہ نفسِ امّارہ کی ہوا و ہوس کے لئے۔

اہل سُنّت کے مخالف لوگ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑنے والوں کو کافر کہتے ہیں اور طرح طرح کے طعن و تشنیع اُن کے حق میں جائز سمجھتے ہیں۔ جب اصحابؓ کرام بعض امورِ اجتہادیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفت کر لیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے برخلاف حکم کیا کرتے تھے اور ان کا یہ اختلاف مذموم اور قابلِ ملامت نہ ہوتا تھا اور باوجود نزول وحی کے ممنوع نہ سمجھا جاتا تھا تو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض امورِ اجتہادیہ

میں مخالفت کرنا کیوں کُفر ہو اور ان کے مخالف کیوں اسلام اور مطعون ہوں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے مسلمان ایک جمِ غفیر ہیں جو سب کے سب اصحاب کبار ہیں۔ جن میں سے بعض کو جنت کی بشارت دی گئی ہے ان کو کافر اور بُرا کہنا آسان نہیں۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ۔ (چھوٹا مُنہ بڑی بات)

قریبًا نصف دین اور شریعت کو انہی نے تبلیغ کیا ہے۔ اگر اُن پر طعن آئے تو نصف دین سے اعتماد دُور ہو جاتا ہے۔ یہ بزرگوار کس طرح قابلِ طعن ہو سکتے ہیں جبکہ ان میں سے کسی کی روایت کو کسی امیر اور وزیر نے ردّ نہیں کیا۔

صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے صحیح ہے اور شیعہ بھی اس کو مانتے ہیں۔ (فقیر نے احمد تبتی کی نسبت جو اکابر شیعہ میں سے تھا، سُنا ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ کتاب بخاری کتاب اللہ کے بعد اصح کتاب ہے) اس میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے دوستوں کی بھی روائتیں ہیں اور مخالفوں کی بھی۔ اور موافقت و مخالفت کے باعث کسی کو راجح و مرجوح نہیں جانا۔ جس طرح حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کی روایت میں کسی قسم کا طعن ہوتا تو ہر گز اس کی روایت اپنی کتاب میں درج نہ کرتا۔ اسی طرح سلف میں جو حدیث کے نقاد اور صراف گزرے ہیں کسی نے اس وجہ سے حدیث کی روایت میں فرق نہیں کیا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کو طعن کا باعث نہیں بنایا۔

جاننا چاہیئے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ تمام اُمور خلافیہ میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔ اگرچہ محاربہ میں حق بجانب امیر تھا، کیونکہ اکثر ایسا ہُوا ہے کہ صدرِ اوّل کے احکام خلافیہ میں علماء و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے غیر کا مذہب اختیار کیا ہے اور اُن کے مذہب پر حکم نہیں کیا۔ اگر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی جانب ہی حق مقرر ہوتا تو اُن کے خلاف حکم نہ کرتے۔

قاضی شریح نے جو تابعین میں سے ہیں اور صاحب اجتہاد ہوئے ہیں، حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مذہب پر حکم نہیں کیا اور حضرت امام حسن علیہ الرضوان کی شہادت کو نسبت نبوّت یعنی فرزندی نسبت کے باعث منظور نہیں کیا۔ اور مجتہدین نے قاضی شریح کے قول پر عمل کیا ہے اور باپ کے واسطے بیٹے کی شہادت جائز نہیں سمجھتے۔

اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے برخلاف اقوال جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مخالف ہیں، اختیار کئے گئے ہیں۔ جو منصف تابعدار پر مخفی نہیں ہیں اُن کی تفصیل دراز ہے۔ پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں اور اُن کے مخالف طعن وملامت کے لائق نہیں ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا جو حبیب رب العلمین کی محبوبہ تھیں اور لبِ گور تک حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقبولہ ومنظورہ رہیں۔ اور مرض موت کے ایّام بھی انہی کے حجرے میں بسر کئے اور انہی کی گود میں جان دی اور انہی کے پاک حجرے میں مدفون ہوئے۔ اس شرف وفضیلت کے علاوہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ بھی تھیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھا دین ان کے حوالے کیا تھا اور اصحاب کرام مشکلات میں اُن کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور اُن سے مشکلات کا حل طلب کیا کرتے تھے۔ اس قسم کی صدیقہ مجتہدہ کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باعث طعن کرنا اور ناشائستہ حرکات کو ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے دُور ہے۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اگر پیغمبر علیہ السلام کے داماد اور چچا کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہ رضؓ حضرت صلعم کی زوجہ مطہرہ اور محبوبہ مقبولہ ہیں۔

اس سے چند سال پہلے فقیر کا یہ طریق تھا کہ اگر طعام پکاتا تھا تو اہلِ عباد کی ارواح پاک کو بخش دیا کرتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت امیر رضی اللہ عنہ وحضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت امامین رضی اللہ عنہما کو

ملا لیتا تھا۔

ایک رات فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہیں۔ فقیر نے سلام عرض کیا۔ مگر آپؐ فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر فقیر کو فرمایا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں، جس کسی نے مجھے طعام بھیجنا ہو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں بھیج دیا کرے۔ اس وقت فقیر نے معلوم کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ شریف نہ فرمانے کا باعث یہ ہے کہ فقیر اس طعام میں حضرت صدیقہؓ کو شریک نہ کرتا تھا۔ بعد ازاں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو بلکہ تمام ازواجِ مطہراتؓ کو جو سب اہل بیت ہیں شریک کر لیا کرتا تھا اور تمام اہلبیت کو اپنا وسیلہ بناتا تھا۔

پس وہ آزار و ایذا، جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سبب سے پہنچتی ہے وہ اس آزار و ایذا سے زیادہ ہے جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے پہنچتی ہے۔ منصف عقلمندوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہ بات اس صورت میں ہے جبکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت اور تعظیم پیغمبر علیہ السلام کی محبت و تعظیم اور قرابت کے باعث ہو۔ اور اگر کوئی حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت کو مستقل طور پر اختیار کرے اور حضرت پیغمبر علیہ السلام کی محبت کو اس میں دخل نہ دے تو ایسا شخص محبت سے خارج ہے اور گفتگو کے لائق نہیں۔ اس کی غرض دین کا باطل کرنا اور شریعت کا گرانا ہے۔

ایسا شخص چاہتا ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے بغیر کوئی اور راستہ اختیار کرے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف آجائے۔ یہ سراسر کفر اور زندقہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے بیزار اور اس کے کردار سے آزار میں ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور اصہار (سسر) اور ختنین (دامادوں) کی دوستی بعینہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی ہے اور ان کی عزت و تکریم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی

تعظیم وتکریم کے باعث ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ ۔

"جس نے اُن کو دوست رکھا اُس نے میری محبت کے باعث اُن کو دوست رکھا"

ایسے ہی جو شخص اُن کا دشمن ہے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کی دشمنی کے باعث ان کو دشمن جانتا ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے :

فَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ ۔

"جس نے اُن سے بُغض رکھا اُس نے میرے بُغض کے باعث اُن سے بُغض رکھا"

یعنی وہ محبت جو میرے اصحاب سے متعلق ہے وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔

حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اصحاب کبار اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اُن پر طعن و تشنیع کرنا نامناسب ہے اور ان کی لعن وطرد لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما وہ صحابہ ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کو چھ شخصوں کے مشورہ پر چھوڑا اور ان میں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو داخل کیا اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے کوئی دلیل واضح نہ پائی۔ تو طلحہؓ و زبیرؓ نے اپنے اختیار سے خلافت کا حصّہ چھوڑ دیا اور ہر ایک نے تَرَكْتُ حَقِّيْ (میں نے اپنا حصّہ ترک کیا) کہدیا۔

اور یہ وہی طلحہؓ ہے جس نے اپنے باپ کو اس بے ادبی کے باعث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اُس سے صادر ہوئی تھی قتل کر کے اُس کے سر کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لے آئے تھے۔ قرآن مجید میں اس فعل پر اس کی تعریف وثناء بیان کی گئی ہے۔

اور یہ وہی زبیرؓ ہیں جس کے قاتل کے لئے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے اور یوں فرمایا ہے :۔

قَاتِلُ زُبَیْرٍ فِی النَّارِ "کہ زبیر کا قاتل دوزخ میں ہے"۔
حضرت زبیرؓ پر لعن وطعن کرنے والے قاتل سے کم نہیں ہیں۔ پس اکابر دین اور بزرگوارانِ اسلام کی طعن و مذمت سے ڈرنا چاہیئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کا بول بالا کرنے اور حضرت سیدالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد میں سرتوڑ کوششیں کی ہیں اور رات دن ظاہر و باطن میں دین کی تائید میں مال و جان کی پرواہ نہیں کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے خویش و اقارب اور مال واولاد، گھر بار، وطن، کھیتی باڑی، باغ و درخت اور نہروں کو چھوڑ دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کو اپنی جانوں کی محبت پر اختیار کیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرفِ صحبت حاصل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں برکاتِ نبوت سے مالا مال ہوئے۔ وحی کا مشاہدہ کیا اور فرشتہ کے حضور سے مشرف ہوئے اور خوارق و معجزات کو دیکھا۔ حتیٰ کہ اُن کا غیب شہادت اور اُن کا علم عین ہو گیا اور اُن کو اس قسم کا یقین نصیب ہوا جو آج تک کسی کے نصیب نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ دوسروں کا اُحد جتنا سونا اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرنا اُن کے ایک آدھ مد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں بایں الفاظ تعریف کرتا ہے:
رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

"یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہے"۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔

"توریت اور انجیل میں ان کی مثال اس بیج کی طرح ہے جس کی بیشمار شاخیں نکل کر مضبوط ہو جائیں اور اُس کے تنے خوب موٹے تگڑے مضبوط ہو جائیں، جن کو دیکھ کر زراعت کرنے والے خوش ہوں اور کفار غیظ وغضب میں آئیں"۔

ان پر غصہ اور غضب کرنے والوں کو کفار فرمایا ہے۔ پس جس طرح کفر سے ڈرتے ہیں اس طرح اُن کے غیظ و غضب سے بھی ڈرنا چاہیئے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہُ الۡمُوَفِّقُ۔

وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی نسبت درست کی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور اور مقبول ہوں تو اگر بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت اور لڑائی جھگڑا کریں اور اپنی اپنی رائے و اجتہاد کے موافق عمل کریں تو طعن و اعتراض کی مجال نہیں۔ بلکہ اس وقت اختلاف اور اپنی رائے کے سوا غیر کی تقلید نہ کرنا ہی حق و صواب ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے لئے درجہ اجتہاد تک پہنچنے کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تقلید خطا ہے۔ اس کے لئے بہتری اپنی رائے کی تقلید میں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کسی صحابی کے قول کو خواہ صدیق رضی اللہ عنہ خواہ امیر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر مقدم نہیں کرتا اور اپنی رائے کے موافق اگرچہ قول صحابی کے مخالف ہو عمل کرنا بہتر جانتا ہے۔

جب اُمت کے مجتہد اصحابؓ کے آراء کی مخالفت کر سکتے ہیں تو اگر اصحابؓ ایک دوسرے کی مخالفت کریں تو کیوں مطعون ہوں۔ حالانکہ اصحاب کرامؓ نے امور اجتہادیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلاف کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے برخلاف حکم کیا ہے اور باوجود نزول وحی کے اُن کے خلاف پر مذمت نہیں آئی اور اُن کے اختلاف پر منع وارد نہیں ہوا جیسے کہ گزر چکا۔ اگر یہ اختلاف حق تعالےٰ کے نزدیک ناپسند اور نامقبول ہوتا تو البتہ منع ہوتا اور اختلاف کرنے والوں پر وعید نازل ہوتی۔

کیا نہیں جانتے کہ وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرنے میں بلند آواز کیا کرتے تھے اُن کے اس بلند آوازے کو کس طرح منع کیا گیا اور اس پر کیسی وعید مترتب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ

لَا تَجْهَرُوا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔

"اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر بلند نہ کرو اور اس کو بلند آواز سے اس طرح نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ورنہ تمہارے اعمال نیست و نابود ہو جائیں گے اور تم کو معلوم نہ ہو گا۔"

بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختلافِ عظیم پڑ گیا تھا۔ حضرت فاروقؓ اور سعد ابن معاذؓ نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم کیا تھا اور دوسروں نے اُن کو چھوڑ دینے اور فدیہ لینے کا حکم دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی یہی رائے مقبول تھی کہ اُن کو چھوڑ دیا جائے اور فدیہ لے لیا جائے ۔

اس قسم کے اختلاف کے مقام اور بھی بہت سے ہیں اور وہ اختلاف بھی اس قسم کا تھا جو کاغذ کے لانے میں کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ موت میں کاغذ طلب فرمایا تھا تاکہ اُن کے لئے کچھ لکھیں۔ بعض نے کہا کہ کاغذ لانا چاہیئے اور بعض نے کاغذ لانے سے منع کیا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو کاغذ کے لانے میں راضی نہ تھے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰہِ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس سبب سے طعن لگانے والوں نے حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر عیب لگایا ہے اور طعن و تشنیع کی زبان دراز کی ہے ۔

حالانکہ درحقیقت کوئی محل طعن نہیں ۔ کیونکہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے معلوم کر لیا تھا کہ وحی کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور آسمانی احکام تمام ہو چکے ہیں۔ اور احکام کے ثبوت میں رائے و اجتہاد کے سوا کسی امر کی گنجائش نہیں رہی۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لکھیں گے امورِ اجتہادیہ میں سے ہو گا جس میں دوسرے بھی شریک ہیں بحکم فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَارِ ۔ داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے ۔

پس بہتری اسی بات میں دیکھی کہ اس قسم کے سخت درد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف نہ دینی چاہیئے۔ اور دوسروں کی رائے و اجتہاد پر کفایت

کرنی چاہیئے۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ۔

یعنی قرآن مجید جو قیاس و اجتہاد کا ماخذ ہے۔ احکام کے نکالنے والوں کے لئے کافی ہے احکام وہاں سے نکال لیں گے۔ کتاب اللہ کے ذکر کی خصوصیت اسی واسطے ہو سکتی ہے جب کہ قرائن سے معلوم کیا ہو کہ یہ احکام جن کے لکھنے کے درپے ہیں، اُن کا ماخذ کتاب میں ہے نہ سُنّت میں تاکہ سُنّت کا ذکر کیا جاتا۔

پس حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا منع کرنا شفقت و مہربانی کے باعث تھا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدّتِ درد میں کسی امر کی تکلیف نہ اُٹھائیں۔ جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاغذ لانے کے لئے فرمانا بھی استحسان کے لئے تھا نہ کہ وجوب کے لئے تاکہ دوسرے لوگ استنباط کے رنج سے آسودہ ہو جائیں اور اگر امر اِئْتُونِیْ وجوب کے لئے ہوتا تو اس کی تبلیغ میں مبالغہ فرماتے اور صرف اختلاف ہی سے اس سے روگردانی نہ کرتے۔

سوال:۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت کہا تھا: اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے شاید اس وقت سمجھا ہو کہ یہ کلام آپؐ سے درد کے باعث بلاقصد و اختیار نکل گیا ہے جیسے کہ لفظ اَکْتُبُ سے مفہوم ہوتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کچھ نہیں لکھا تھا اور نیز آپؐ نے فرمایا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ (تم میرے بعد گمراہ نہ ہو گے)۔

جب دین کامل ہو چکا تھا اور نعمت پُوری ہو گئی تھی اور رضاء مولیٰ حاصل ہو چکی تھی تو پھر گمراہی کے کیا معنے؟ اور ایک ساعت میں کیا لکھیں گے جو گمراہی کو دُور کرے گا۔ کیا جو کچھ تیئیس۲۳ سال کے عرصہ میں لکھا گیا ہے کافی نہیں اور وہ گمراہی کو دُور نہیں کر سکتا۔ اور جو ایک ساعت میں باوجود شدّتِ درد کے لکھیں گے۔ وہ گمراہی کو دُور کرے گا۔ اسی سبب سے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جان لیا ہو گا کہ یہ کلام آپؐ سے بشریت کے لحاظ سے بلاقصد نکل گیا ہے۔ اس بات کی تحقیق کرو اور راز سر نو دریافت کرو۔ اسی اثناء میں

مختلف باتیں شروع ہوگئیں۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اُٹھ جاؤ اور مخالفت نہ کرو۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں نزاع وجھگڑا اچھا نہیں۔ پھر اس امر کی نسبت کوئی کلام نہ کیا اور نہ دوات و کاغذ کو یاد کیا۔

جاننا چاہیئے کہ وہ اختلاف جو اصحاب کرام امورِ اجتہادیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کرتے تھے اگر اس میں نعوذ باللہ ہوا و تعصب کی بُو ہوتی تو یہ اختلاف سب کو مرتدوں میں داخل کر دیتا اور اسلام سے باہر نکال دیتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے ادبی اور بد معاملگی کرنا کفر ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (اللہ تعالےٰ ہم کو اس سے بچائے) بلکہ یہ اختلاف امر فَاعْتَبِرُوْا کے بجالانے کے باعث ہُوا ہے۔ کیونکہ وہ شخص جو اجتہاد کا درجہ حاصل کر چکا ہو احکامِ اجتہادیہ میں اس کے لئے دوسرے کی رائے و اجتہاد کی تقلید کرنا خطاء اور منہی عنہ ہے۔ ہاں احکامِ منزلہ میں کہ جن میں اجتہاد کو دخل نہیں ہے تقلید کے سوا کچھ گنجائش نہیں۔ ان پر ایمان لانا اور ان کی فرمانبرداری کرنا واجب ہے۔

حاصل کلام یہ کہ قرن اوّل کے اصحاب تکلفات سے بری اور عبادتوں کی آرائش سے مستغنی تھے۔ ان کی کوشش ہمہ تن باطن کے درست کرنے میں ہوتی تھی اور ظاہر کی طرف سے نظر ہٹا رکھی تھی۔ اس زمانہ میں حقیقت و معنے کے طور آداب بجالاتے تھے۔ نہ صرف لفظ و صورت کے اعتبار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کا بجالانا اُن کا کام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے بچنا ان کا معاملہ تھا۔

ان لوگوں نے اپنے ماں باپ اور اولاد و ازواج کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کر دیا تھا اور کمال اعتقاد و اخلاص کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے بلکہ آب حیات کی طرح اس کو پی جاتے تھے اور فصد کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون مبارک کو کمال اخلاص سے پی جانے کا ارادہ کرنا مشہور و معروف ہے۔ اگر اس قسم کی عبارت جو اس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک کہ کذب و مکر سے پُر ہے، بے ادبی کا موجب ہو۔ ان بزرگواروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صادر

ہوئی ہو تو اس پر نیک ظن کرنا چاہیئے اور عبارت کے مطلب کو دیکھنا چاہیئے۔ اور الفاظ خواہ کسی قسم کے ہوں، اُن سے قطع نظر کرنا چاہیئے۔ سلامتی کا طریق یہی ہے۔

سوال:۔ جب احکامِ اجتہادیہ میں خطاء کا احتمال ہے تو ان تمام احکامِ شرعیہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ کس طرح وثوق واعتبار کیا جائے؟

جواب:۔ احکامِ اجتہادیہ ثانی الحال میں احکام منزلہ آسمانی کی طرح ہو گئے ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خطاء پر مقرر رکھنا جائز نہیں۔ پس احکامِ اجتہادیہ میں مجتہدوں کے اجتہاد اور اُن کی راؤں کے اختلاف کے ثابت ہونے کے بعد اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکم نازل ہو جاتا ہے جو صواب کو خطاء سے اور حق کو باطل سے جُدا کر دیتا ہے۔ پس احکامِ اجتہادیہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نزولِ وحی کے بعد کہ صواب و خطا میں تمیز ہو چکی تھی قطعی الثبوت ہو گئی تھی اور ان میں خطاء کا احتمال نہ رہ گیا تھا۔

پس تمام احکام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ثابت ہو چکے ہیں قطعی ہیں اور خطا کے احتمال سے محفوظ ہیں۔ کیونکہ ابتدا و انتہا میں وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں۔ ان احکام کے اجتہاد اور استنباط سے مقصود یہ تھا کہ مجتہدین اور مستنبطین کے لئے حق تعالےٰ کی طرف سے حکم نازل ہو، جو صواب کو خطا سے جُدا کر دے اور درجاتِ کرامت کی امتیاز حاصل ہو اور مُخطی (خطا کرنے والا) اور مُصِیب (صواب کو پہنچنے والا) اپنے اپنے درجوں کے موافق ثواب پائیں۔ پس احکامِ اجتہادیہ میں مجتہدین کے درجے میں بلند ہو گئے اور نزولِ وحی کے بعد اُن کی قطعیت بھی ثابت ہو گئی۔

ہاں زمانۂ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد احکامِ اجتہادیہ ظنی ہیں جو مفید عمل ہیں نہ مُثبت اعتقاد کہ ان کا مُنکر کافر ہو۔ مگر جب ان احکام پر مجتہدوں کا اجماع منعقد ہو جائے تو اس صورت میں وہ احکام مثبت اعتقاد بھی ہوں گے۔

ہم اس مکتوب کو ایک عمدہ خاتمہ پر ختم کرتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے اہلبیت کے فضائل درج ہیں۔ ابن عبداللہ المعروف با بن عبید اللہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

مَنْ اَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِيًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِيْ وَمَنْ اٰذٰى عَلِيًّا فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ ۔

"جس نے علیؓ کو دوست رکھا اُس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے اُس سے بُغض رکھا اس نے مجھ سے بُغض رکھا اور جس نے علیؓ کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی "

اور ترمذیؒ اور حاکمؒ نے نکالا ہے اور بریدہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ بریدہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ بِحُبِّ اَرْبَعَةٍ وَاَخْبَرَنِيْ اَنَّهٗ يُحِبُّهُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِّهِمْ لَنَا قَالَ عَلِيٌّ مِنْهُمْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ ثَلٰثًا وَاَبُوْذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ وَسَلْمَانُ ۔

" اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کے ساتھ محبت کرنے کا امر کیا ہے اور یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ خود بھی اُن سے محبت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اُن کے نام کیا ہیں ؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک اُن میں سے علیؓ ہے۔ اس بات کو تین بار کہا۔ دوسرے ابوذرؓ تیسرے مقدادؓ اور چوتھے سلمانؓ ہیں "

اور طبرانی اور حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نکالا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :-

اَلنَّظَرُ اِلٰى عَلِيٍّ عِبَادَةٌ ۔ " علی کی طرف نظر کرنا عبادت ہے "

اور شیخین نے براءؓ سے نکالا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ امام حسنؓ آپؐ کے کندھوں پر ہیں اور آپؐ فرما رہے ہیں :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ ۔ " یا اللہ ! میں اس کو دوست رکھتا ہوں تُو بھی اس کو دوست رکھ "

اور بخاری نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نکالا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپؐ کے پہلو میں بیٹھے اور کبھی آپؐ لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی اس کی طرف اور فرماتے :-

اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ -

"یہ میرا بیٹا سردار ہے اور اُمید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے سبب مسلمانوں کے دونوں گروہوں کے درمیان صُلح کر دے گا۔"

اور ترمذی نے اسامہ بن زیدؓ سے نکالا ہے کہ اسامہ بن زیدؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپؐ کی ران پر ہیں اور آپؐ فرما رہے ہیں :-

"ھٰذَانِ اِبْنَایَ وَابْنَا بِنْتِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا-

"یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ یا اللہ میں ان کو دوست رکھتا ہوں تُو ان کو دوست رکھ اور جو لوگ ان سے محبت رکھیں اُن کو بھی دوست رکھ۔"

اور ترمذی نے انس رضی اللہ عنہ سے نکالا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہل بیت میں سے کون کون آپؐ کو زیادہ عزیز ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا -

اور مسور بن مخرمہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اَلْفَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ فَمَنْ اَبْغَضَھَا اَبْغَضَنِیْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَھَا وَیُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاھَا۔

"فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے اُس سے بُغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا (اور ایک روایت میں ہے کہ) جو چیز اسکو متردد کرے وہ مجھے بھی متردد کرتی ہے اور جس چیز سے اس کو ایذا پہنچے مجھے بھی پہنچتی ہے۔"

اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نکالا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا :-

فَاطِمَةُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْكَ وَ اَنْتَ اَعَزُّ عَلَیَّ مِنْهَا ۔

"فاطمہ مجھے تجھ سے زیادہ پیاری ہے اور تو میرے نزدیک اس سے زیادہ عزیز ہے"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ لوگ حضرت عائشہ رضؓ کے دن اپنے تحائف وہدایہ لے آتے تھے اور اس سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی طلب کرتے تھے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج دو گروہ تھیں۔ ایک وہ گروہ تھا جس میں حضرت عائشہؓ وحفصہؓ وسودہؓ و صفیہ رضی اللہ تعالٰے عنہما تھیں۔ اور دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہؓ اور باقی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ تو ام سلمہؓ والے گروہ نے ام سلمہؓ کو کہا کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ دے کہ وہ لوگوں کو کہہ دیں کہ جہاں میں ہوا کروں وہیں تحائف لایا کریں۔

پس ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہہ دی تو رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ام سلمہؓ اس بارے میں مجھے ایذا نہ دے۔ کیونکہ عائشہؓ کے کپڑے کے سوا اور کسی عورت کے کپڑے میں میرے پاس وحی نہیں آئی۔

اُم سلمہؓ نے اس بات کو سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں اس بات سے توبہ کرتی ہوں۔ پھر ام سلمہؓ کے گروہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں۔ جب حضرت فاطمہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے میری بیٹی! کیا تو اس چیز کو دوست نہیں رکھتی جس کو میں دوست رکھتا ہوں؟ عرض کیا کہ کیوں نہیں؟ پھر فرمایا کہ اس کو یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوست رکھ"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں میں سے کسی پر اتنی غیرت نہیں کی جتنی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کی۔ حالانکہ میں نے اُس کو دیکھا نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔ اور بسا اوقات بکری ذبح کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیج دیا کرتے تھے اور جب کبھی میں کہتی کہ کیا خدیجہ جیسی عورت دُنیا میں نہیں ہوئی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ وہ تھی جیسی کہ تھی اور اسی سے میری اولاد تھی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اَلْعَبَّاسُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ ۔ "عباس میرا ہے اور میں عباس کا ہوں"۔

اور دیلمیؒ نے ابو سعیدؓ سے نکالا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی مَنْ آذَانِیْ فِیْ عِتْرَتِیْ ۔

"اللہ تعالیٰ اُس شخص پر سخت غضب فرماتا ہے جس نے مجھے میری اولاد کے حق میں ایذا دی"۔

اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نکالا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

خیرکم خیرکم لاھلی من بعدی ۔

"تم میں سے اچھا وہ شخص ہے جو میرے بعد میری اہل بیت کے ساتھ بھلائی کرے"۔

اور ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نکالا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مَنْ صَنَعَ اِلٰی اَھْلِ بَیْتِیْ بِرًّا کَافَأْتُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلَیْھَا ۔

"جس نے میری اہل بیت کے ساتھ احسان کیا میں اُس کو قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا"۔

اور ابن عدی اور دیلمیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکالا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اَثْبَتُکُمْ عَلَی الصِّرَاطِ اَشَدُّکُمْ حُبًّا لِاَھْلِ بَیْتِیْ وَلِاَصْحَابِیْ -

" تم میں سے صراط پر وہ شخص زیادہ ثابت قدم ہو گا جس کی میری اہل بیت اور اصحاب کے ساتھ زیادہ محبت ہو گی "

⁂

مکتوب نمبر ۳۸

اہل اللہ کو اپنے باطن میں دُنیا کے ساتھ ذرّہ برابر تعلق نہیں ہوتا

خدا کی معرفت اُس شخص پر حرام ہے جس کے باطن میں دُنیا کی محبت رائی کے دانہ جتنی بھی ہو، یا اس کے باطن کو دُنیا کے ساتھ اس قدر تعلق ہو، یا دُنیا کی اتنا مقدار اس کے باطن میں گزرتی ہو۔ باقی رہا ظاہر۔ اس کا ظاہر جو باطن سے کئی منزلیں دُور پڑا ہے اور آخرت سے دُنیا میں آیا ہے اور اس کے لوگوں کے ساتھ اختلاط پیدا کیا ہے تاکہ وہ مناسبت حاصل ہو جو افادہ اور استفادہ میں مشروط ہے۔ اگر دُنیا کا کلام کرے اور دنیاوی اسباب میں مشغول رہے تو گنجائش رکھتا ہے اور کچھ مذموم نہیں بلکہ محمود ہوتا ہے تاکہ بندوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اور استفادہ و افادہ کا طریق بند نہ ہو جائے۔ پس اس شخص کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہوتا ہے اور گندم نما جو فروش کا حکم رکھتا ہے۔ ظاہر بین لوگ اس کو اپنی طرح گندم نما جو فروش تصور کرتے ہیں اور اُس کے ظاہر کو اُس کے باطن سے بہتر جانتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بظاہر بے تعلق دکھائی دیتا ہے مگر باطن میں گرفتار ہے :

ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین -

" یا اللہ تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر،

تُو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔"

"سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت کو لازم پکڑا۔"

مکتوب ۴۲

سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء باللہ کے درجات

فرزندِ عزیز! خدا تجھے سعادت بخشے۔ گوشِ ہوش سے سنو کہ جب سالک نیت کو درست اور خالص کر کے اللہ تعالےٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور سخت ریاضتیں اور مجاہدے اختیار کرتا ہے اور تزکیہ پا کر اس کے اوصافِ رذیلہ اخلاقِ حسنہ سے بدل جاتے ہیں اور توبہ و انابت اس کو میسر ہو جاتی ہے اور دُنیا کی محبت اُس کے دل سے نکل جاتی ہے اور صبر و توکل و رضا حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی حاصل شدہ معانی کو درجہ بدرجہ اور ترتیب وار عالمِ مثال میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو بشریت کی کدورتوں اور کمینہ صفتوں سے پاک و صاف دیکھتا ہے تو اس وقت اس کا سیرِ آفاقی تمام ہو جاتا ہے۔

اس مقام میں اس گروہ میں سے بعض نے احتیاط اختیار کی ہے اور انسان کے ساتوں لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفہ کے لئے عالمِ مثال میں اس کے مناسب انوار میں سے ایک نور مقرر کیا ہے اور اس نورِ مثالی میں سے نور کے ظاہر ہونے کو اس لطیفہ کی صفائی کی علامت مقرر کی ہے اور اس سیر کو لطیفہ قلب سے شروع کر کے بتدریج و ترتیب لطیفہ اخفیٰ تک جو تمام لطائف کا منتہا ہے پہنچایا ہے۔

مثلاً صفائی قلب کی علامت قلب کے نور کا ظہور مقرر کی ہے اور عالم مثال میں وہ نور نور سرخ کی صورت میں ہے اور صفائی روح کی علامت اس کے نور کا ظہور ہے جو نور زرد کی صورت میں مقرر ہے۔ اسی طرح دوسرے لطائف کا حال ہے۔ پس سیر آفاقی کا حال یہ ہے کہ سالک اپنے اوصاف کی تبدیلی اور اخلاق کی تغیر کو عالمِ مثال کے آئینے میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی کدورتوں اور ظلمتوں کا دور ہونا اس جہان میں محسوس کرتا ہے تاکہ اس کو اپنی صفائی کا یقین اور اپنے تزکیہ کا علم حاصل ہو جائے۔

جب سالک اس سیر میں دمبدم اپنے احوال و اطوار کو عالمِ مثال میں جو منجملہ آفاق کے ہے مشاہدہ کرتا ہے اور اس عالم میں ایک حالت سے دوسری حالت میں اپنی تبدیلی کو دیکھتا ہے تو گویا اس کا یہ سیر آفاق ہی میں ہے۔ اگرچہ درحقیقت یہ سیر سالک کے اپنے نفس کا سیر ہے اور اس کے اپنے اوصاف و اخلاق میں حرکت کیفی ہے۔ لیکن چونکہ دور بینی کے باعث اس کی مدِ نظر آفاق ہے نہ انفس۔ اس لئے یہ سیر بھی آفاق کی طرف منسوب ہے۔ اس سیر کے تمام ہونے کو جو آفاق کی طرف منسوب ہے سیر الی اللہ کا تمام ہونا مقرر کیا ہے اور فنا کو اس سیر پر موقوف رکھا ہے اور اس سیر کو سلوک سے تعبیر کیا ہے۔

اس کے بعد جو سیر واقع ہوتا ہے اس کو سیر انفسی کہتے ہیں اور سیر فی اللہ بھی بولتے ہیں اور بقاء باللہ اس مقام میں ثابت کرتے ہیں اور اس مقام میں سلوک کے بعد جذب کا حاصل ہونا جانتے ہیں۔ چونکہ سالک کے لطائف سیر اول میں تزکیہ پا چکتے ہیں اور بشریت کی کدورتوں سے صاف ہو جاتے ہیں اس لئے یہ قابلیت پیدا کر لیتے ہیں کہ اسم جامع (جو اس کا رب ہے) کے ظلال و عکوس ان لطائف کے آئینوں میں ظاہر ہوں اور یہ لطائف اس اسم جامع کی جزئیات کے تجلیات و ظہورات کے مظہر اور مورد ہوں۔

اس سیر کو سیر انفسی اس لئے کہتے ہیں کہ انفس اسماء کے ظلال و عکوس کے آئینے ہیں، نہ یہ کہ سالک کا سیر نفس میں ہے جیسے کہ سیر آفاقی میں گزرا کہ باعتبار آئینہ ہونے کے اس کو سیر آفاقی کہا ہے نہ یہ کہ سیر آفاق میں ہے۔ اس سیر میں

درحقیقت انفس کے آئینوں میں اسماء کے ظلال کا سیر ہے۔اسی واسطے اس سیر کو سیر معشوق فی العاشق کہتے ہیں ؎

آئینہ صورت از سفر دُور است کان پذیرائے صورت از نور است

ترجمہ : سفر سے صُورت کا آئینہ ہے دُور
قبول کرتا ہے صُورت کو وہ بباعث نور

اس سیر کو سیر فی اللہ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ صوفیاء نے کہا ہے کہ سالک اس سیر میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق و متصف ہو جاتا ہے اور ایک خلق سے دوسری خلق میں انتقال کرتا ہے۔کیونکہ مظہر کو ظاہر کے بعض اوصاف سے حصہ حاصل ہوتا ہے اگرچہ اجمالی طور پر ہو۔گویا حق تعالےٰ کے اسماء میں سیر متحقق ہو گیا۔اس مقام کی نہایت تحقیق اور اس کلام کی تصحیح یہی ہے جو بیان ہو چکی۔دیکھیں صاحب مقام کا کیا حال ہو گا اور کلام کے متکلم کی کیا مراد ہو گی۔ہر ایک شخص کو اپنی اپنی سمجھ کے مطابق کلام کرتا ہے۔کہنے والا اپنے کلام سے خواہ کچھ معنی مراد رکھے،سُننے والا اسی کلام سے کچھ اور معنی سمجھ لیتا ہے۔

یہ لوگ سیر انفسی کو بے تکلف سیر فی اللہ اور بے تحاشے اس کو بقاء باللہ کہتے ہیں اور مقام وصال و اتصال خیال کرتے ہیں۔یہ اطلاق اس فقیر پر بہت گراں گزرتے ہیں۔اسی واسطے اس کی توجیہ اور تصحیح میں حیلہ و تکلف کیا جاتا ہے جس کا کچھ حصہ ان کے کلام سے ماخوذ ہے اور کچھ افاضہ اور الہام کی راہ سے حاصل ہے۔سیر آفاقی میں رذائل یعنی بُری صفتوں سے تخلیہ حاصل ہو چکتا ہے اور سیر انفسی میں اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو جاتے ہیں کیونکہ تخلیہ یعنی بُری صفات سے خالی ہونا مقام فنا کے مناسب ہے۔

اور تجلیہ یعنی نیک صفات سے آراستہ ہونا مقام بقاء کے لائق۔ان کے نزدیک اس سیر نفسی کی نہایت نہیں۔اور عمر ابدی کے ساتھ بھی اس کے منقطع نہ ہونے کا حکم کیا ہے اور کہا ہے کہ محبوب کے اوصاف اور خصلتوں کی کوئی نہایت نہیں۔

پس ہمیشہ کے لئے سالک متخلق کے آئینہ میں اس کی صفات میں سے

کسی صفت کی تجلی ہو گی ۔ اور اس کے کمالات میں سے کسی کمال کا ظہور ہو گا۔ پھر انقطاع کہاں ہو گا اور نہایت کس طرح جائز ہو گی ؟ اور اُنہوں نے کہا ہے ؎

ذرہ گر بس نیک در بس بود گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

ترجمہ :
ذرہ گر ہو نیک یا ہو بد عیاں
عمر بھر دوڑے تو پھر بھی ہے یہاں

اور اس فنا و بقاء پر جو سیر آفاقی اور انفسی سے حاصل ہوا ہے ولایت کا اطلاق کرتے ہیں اور نہایت کمال اسی جگہ تک جانتے ہیں ۔ اس کے بعد اگر سیر میسّر ہو تو وہ سیر اُن کے نزدیک رجوعی ہے جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اسی طرح سیر چہارم کو بھی جس کو سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں ، نزول کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ۔ ان دو سیروں کو تکمیل و ارشاد کے لئے مقرر کیا ہے جس طرح کہ پہلے دو سیروں کو نفس ولایت و کمال کے حاصل ہونے کے لئے مقرر کیا ہے اور بعض نے یوں کہا ہے کہ وہ ستر ہزار پردے جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے :

اِنَّ لِلّٰہِ لِسَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّ ظُلْمَۃٍ ۔

" اللہ تعالٰے کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں "۔

سب کے سب سیر آفاقی میں دُور ہو جاتے ہیں ۔ کیونکہ ساتوں لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ دس دس ہزار پردوں کو دُور کر دیتا ہے ۔ اور جب یہ سیر تمام ہو جاتا ہے ، پردے بھی سب کے سب دُور ہو جاتے ہیں اور سالک سیر فی اللہ سے متحقق ہو جاتا ہے اور مقام وصل میں پہنچ جاتا ہے ۔ یہ ہے ارباب ولایت کے سیر و سلوک کا حاصل اور ان کی کمال و تکمیل کا نسخہ جامعہ ۔

اس بارے میں جو کچھ اس فقیر پر اللہ تعالٰے کے فضل و کرم سے ظاہر کیا گیا ہے اور جس راستے پر اس فقیر کو چلایا ہے اس نعمت کے اظہار اور عطیہ کے شکر ادا کرنے کی خاطر اس کو لکھتا اور بیان کرتا ہے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اے عزیز ! خدا تجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دے ۔ تجھے جاننا چاہیئے کہ حق تعالٰے جو بے چون و بیچگون ہے ، جس طرح آفاق سے وراء الوراء ہے اسی

طرح انفس سے بھی وراء الوراء ہے۔

پس سیرِ آفاقی کو سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہنا فضول ہے۔ بلکہ سیر آفاقی اور سیر انفسی دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہیں اور سیر فی اللہ وہ سیر ہے جو آفاق وانفس سے کئی منزلیں دُور اور ان سے وراء الوراء ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ انہوں نے سیر فی اللہ کو سیر انفسی مقرر کیا ہے اور اس کو بے نہایت کہا ہے اور کہا ہے کہ عمر ابدی سے بھی اس کا طے ہونا جائز نہیں سمجھا جیسے کہ گزر چکا جب انفس بھی آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہے تو اس صورت میں دائرہ امکان کا قطع کرنا ناممکن ہو گا۔ پس اس سے دائمی مایوسی اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ نہ کبھی فناء متحقق ہو گی نہ بقاء متصور ہو گا۔ پھر وصال و اتصال کیسے ہو گا اور قرب و کمال کیا حاصل ہو گا ؟

سبحان اللہ! جب بزرگ لوگ پانی کو چھوڑ کر سراب پر کفایت کریں اور الی اللہ کو فی اللہ خیال کریں اور امکان کو وجوب تصور کریں اور چون کو بیچون تعبیر کریں تو پھر چھوٹوں اور پست فطرتوں کا کیا گلہ اور کیا شکایت ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا۔ انہوں نے انفس کو کس اعتبار سے حق تعالےٰ کہا ہے کہ اس کے سیر کو باوجود حد و نہایت کے بے نہایت کہا ہے۔ سالک آئینہ میں حق تعالےٰ کے اسماء و صفات کا وہ ظہور جو انہوں نے سیر انفسی میں مقرر کیا ہے وہ اسماء و صفات کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہے نہ عین اسماء و صفات کا ظہور۔ اس مضمون کی تحقیق اس مکتوب کے آخر میں انشاء اللہ تعالےٰ لکھی جائے گی۔

مَیں کیا کروں اور باوجود علم و تمیز کے حق تعالےٰ کی پاک جناب میں یہ بے ادبی کس طرح جائز رکھوں اور حق تعالےٰ کے مُلک میں غیر کو کیسے شریک کروں۔ اگرچہ ان بزرگواروں کے حقوق مجھ پر لازم ہیں۔ کیونکہ انہوں نے مجھے طرح طرح کی تربیت سے پرورش کیا ہے۔ لیکن حق تعالےٰ کے حقوق ان کے تمام حقوق سے بڑھ کر ہیں اور اس کی تربیت دوسروں کی تربیت سے برتر ہے۔ اللہ تعالےٰ کی حسن تربیت کے سبب مَیں نے اس بھنور سے نجات پائی ہے اور اس کے ملک مقدس میں غیر کو شریک نہیں کیا : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ

مَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰہُ ۔

"اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔"

حق تعالیٰ بیچون و بے چگون ہے اور جو چیز چونی اور چندی کے داغ سے لتھڑی ہوئی ہے۔ سب اُس کی بارگاہ سے مسلوب اور دُور ہے۔ پس آفاق کے آئینوں اور انفس کے جلوہ گاہوں میں حق تعالیٰ کی کچھ گنجائش نہیں اور جو کچھ اُن میں ظاہر ہوتا ہے وہ بھی چند و چون کا مظہر ہے۔ پس انفس و آفاق سے آگے گزرنا چاہیئے اور حق تعالیٰ کو انفس و آفاق کے ماوراء ڈھونڈنا چاہیئے۔

مکتوب ۲۲ ایضاً

حضرت مجددؒ کا طریق تخلیہ و تحلیہ کو جمع کرنا

وہ طریق کہ جس کے سلوک سے اس فقیر کو مشرف فرمایا ہے ایسا طریق ہے جو جذب و سلوک کا جامع ہے۔ وہاں تخلیہ اور تحلیہ باہم جمع ہیں اور تصفیہ و تزکیہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اس مقام میں سیر انفسی سیر آفاقی کو شامل ہے۔ عین تصفیہ میں تزکیہ ہے اور عین تحلیہ میں تخلیہ۔ جذب سے سلوک حاصل ہوتا ہے۔ اور انفس کو آفاق شامل ہے لیکن تقدم ذاتی تحلیہ اور جاذب کے لئے ہے اور تزکیہ پر تصفیہ کو ذاتی سبقت ہے اور مدِ نظر و ملحوظ انفس ہے نہ کہ آفاق۔

یہی وجہ ہے کہ یہ راستہ سب راستوں سے اقرب اور وصول کے نزدیک تر ہے۔ بلکہ مَیں یہ کہتا ہوں کہ یہ طریقہ البتہ موصل ہے۔ یہاں عدم وصول کا احتمال مفقود ہے۔ حق تعالیٰ سے استقامت اور فرصت طلب کرنی چاہیئے۔ اور یہ جو مَیں نے کہا ہے کہ یہ طریق البتہ مُوصل ہے اس لئے ہے کہ اس راہ کا پہلا قدم جذب ہے جو وصول کی دہلیز ہے اور توقعات کی جگہیں یا سلوک کی منزلیں ہیں یا وہ مقامات جذبات جو سلوک پر شامل نہ ہوں۔ اور اس طریق میں یہ دونوں مانع مرتفع ہیں۔ کیونکہ یہ سلوک طفیلی ہے جو جذب کے ضمن میں حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں نہ سلوک

خاص ہے اور نہ جذب ناقص تاکہ سدِ راہ ہوں ۔

مکتوب ۷

کمال اطاعت اور تزکیۂ اخلاق

پس کمال محبت کی علامت شریعت کی کمال اطاعت ہے اور شریعت کی کمال اطاعت علم و عمل و اخلاص پر منحصر ہے۔ وہ اخلاص جو تمام اقوال و اعمال اور تمام حرکات و سکنات میں متصور ہو سکے۔ وہ مخلص بفتح لام کا حصّہ ہے مخلص بکسر لام اس معمّہ کو کیا پا سکتے ہیں ۔

وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ ۔ " مخلص خطرہ عظیم پر ہیں " آپ نے سُنا ہی ہو گا ۔

اب ہم پھر اصلی بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلوک و جذب کے سیر سے مقصود یہ ہے کہ انفس ان اخلاقِ ردیہ اور اوصافِ رذیلہ سے جن کا رئیس انفس کی گرفتاری اور انفس کی مرادوں اور خواہشوں کا حاصل ہونا ہے پاک و صاف ہو جائے۔ پس سیر انفسی بڑا ضروری ہے کیونکہ اس کے سوا صفاتِ رذیلہ سے صفاتِ حمیدہ تک جانے کا اور کوئی راستہ نہیں ۔

اور سیر آفاقی مقصود سے خارج ہے کوئی غرض معتد بہ اس کے متعلق نہیں کیونکہ آفاق کی گرفتاری انفس کی گرفتاری کے باعث ہے۔ کیونکہ جس چیز کو کوئی شخص دوست رکھتا ہے، اپنی دوستی کے باعث دوست رکھتا ہے۔ اگر مال و فرزند کو دوست رکھتا ہے تو اپنے نفع اور فائدے کے لئے دوست رکھتا ہے۔

جب سیر انفسی میں حق تعالےٰ کی محبت کے غلبہ کے باعث اپنی دوستی زائل ہو جاتی ہے تو اس کے ضمن میں مال و اولاد کی محبت بھی دُور ہو جاتی ہے ۔

❊

مکتوب ۴۵

اولیاء اللہ کا گناہوں سے محفوظ ہونا

نیز آپ نے اس قول کے معنی پوچھے تھے کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَمْ یَضُرَّہٗ ذَنْبٌ۔ "جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اُس کو کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا"۔

جاننا چاہیئے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو کوئی گناہ اس سے صادر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اولیاء اللہ گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ ہیں۔ اگرچہ اُن سے گناہ کا صادر ہونا جائز ہے، برخلاف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو گناہوں سے معصوم ہیں۔ ان کے حق میں گناہ کے صادر ہونے کا جواز بھی مسلوب ہے اور جب اولیاء اللہ سے گناہ صادر نہ ہوں تو یقین ہے کہ گناہ کا ضرر بھی نہ ہوگا۔

پس گناہ کے صادر ہونے کی صورت میں لَا یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ درست ہے جیسے کہ صاحبانِ علم پر پوشیدہ نہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گناہ سے مُراد وہ پہلے گناہ ہوں جو درجہ ولایت تک پہنچنے سے پہلے صادر ہوتے ہوں۔

فَاِنَّ الْاِسْلَامَ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَہٗ۔

"کیونکہ اسلام پہلی باتوں کو قطع کر دیتا ہے"۔

وَحَقِیْقَۃُ الْاَمْرِ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ۔ "حقیقتِ حال کو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے"۔

ش

مکتوب ۴۶

کلمۂ طیبہ، طریقت، حقیقت اور شریعت کا جامع ہے

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ یہ کلمہ طیبہ طریقت و حقیقت و

شریعت کا جامع ہے۔ جب تک سالک نفی کے مقام میں ہے، طریقت میں ہے اور جب نفی سے پورے طور پر فارغ ہو جاتا ہے اور تمام ماسوا اس کی نظر سے منتفی ہو جاتا ہے، تو طریقت کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور مقام فناء میں پہنچ جاتا ہے۔ جب نفی کے بعد مقامِ اثبات میں آتا ہے اور سلوک سے جذب کی طرف رغبت کرتا ہے تو مرتبہ حقیقت کے ساتھ متحقق اور بقاء کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے۔ اس نفی و اثبات اور اس طریقت و حقیقت اور اس فنا و بقا اور اس سلوک و جذب سے اس پر ولایت کا اسم صادق آتا ہے اور نفس امّارہ پن کو چھوڑ کر مطمئنہ ہو جاتا ہے اور پاک وصاف بن جاتا ہے۔ پس ولایت کے کمالات اس کلمہ طیبہ کے جزو اوّل کے ساتھ جو نفی و اثبات ہے، وابستہ ہیں۔

باقی رہا اس کلمہ مقدسہ کا دوسرا جزو جو حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کو ثابت کرتا ہے۔ یہ دوسرا جزو شریعت کو کامل اور تمام کرنے والا ہے۔ جو کچھ ابتداء اور وسط میں شریعت سے حاصل ہوا تھا وہ شریعت کی صورت تھی اور اس کا اسم و رسم تھا۔ شریعت کی اصل حقیقت اس مقام میں حاصل ہوتی ہے جو مرتبہ ولایت کے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور کمالاتِ نبوت جو کامل تابعداروں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اور تبعیت کے طور پر حاصل ہوتے ہیں وہ بھی اس مقام میں حاصل ہوتے ہیں۔

طریقت و حقیقت جن سے ولایت حاصل ہوتی ہے شریعت کی حقیقت اور کمالاتِ نبوت کے حاصل ہونے کے لئے گویا شرائط ہیں۔

ولایت کو طہارت اور وضو کی طرح سمجھنا چاہیئے اور شریعت کو نماز کی طرح۔ طریقت میں حقیقی نجاستیں دور ہوتی ہیں اور حقیقت میں حکمی نجاستیں رفع ہوتی ہیں تاکہ کامل طہارت کے بعد احکامِ شرعیہ کے بجالانے کے لائق ہو جائیں۔ اور اس نماز کے ادا کرنے کی قابلیت حاصل ہو جائے جو مراتب قرب کی نہایت اور دین کا ستون اور مومن کا معراج ہے۔

مکتوب نمبر ۶۴

اوامر و نواہی کا بجالانا بھی ذکر میں داخل ہے

نبوت میں نزول کے وقت ولایت کی طرح خلق کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ ولایت میں بظاہر خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور باطن میں حق کی طرف۔ اور نبوت کے نزول میں ظاہر و باطن خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کلی طور پر ان کو حق تعالےٰ کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ یہ نزولِ ولایت کے نزول سے اتم و اکمل ہے۔ جیسے کہ کتابوں اور رسالوں میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔ خلق کی طرف اُن کی یہ توجہ عوام کی توجہ کی طرح نہیں ہے۔ جیسے کہ اُنھوں نے گمان کیا ہے بلکہ عوام کی توجہ خلق کی طرف ان کی اس گرفتاری کے باعث ہوتی ہے جو ماسویٰ کے ساتھ رکھتے ہیں اور اخص خواص کی توجہ خلق کی طرف ماسوا کی گرفتاری کے باعث نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بزرگوار ماسوا اللہ کی گرفتاری کو پہلے ہی قدم میں چھوڑ جاتے ہیں اور اس کی جگہ خلق کے خالق کی گرفتاری اختیار کر لیتے ہیں۔ بلکہ ان بزرگوں کی توجہ بہ خلق ہدایت اور ارشاد کے لئے ہے تاکہ خلق کو خالق کی طرف راہنمائی کریں اور مولیٰ کی رضاجوئی کی طرف ان کو دلالت کریں۔ اور شک نہیں کہ اس قسم کی توجہ بخلق جس کا مقصود خلق کو ماسوا اللہ کی غلامی سے آزاد کرنا ہو۔ اس توجہ بحق سے کئی درجے فضیلت والی ہے جو اپنے نفس کے لئے ہے۔

مثلاً ایک شخص ذکرِ الٰہی میں مشغول ہے۔ اسی اثناء میں ایک نابینا آ گیا جس کے آگے کنواں ہے کہ اگر ایک قدم وہ اور اُٹھائے تو کنوئیں میں جا پڑے، تو اس صورت میں ذکر کرنا بہتر ہے یا نابینا کو کنوئیں سے بچانا۔ شک نہیں کہ اس صورت میں نابینا کو کنوئیں سے بچانا ذکر کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ حق تعالےٰ اس سے اور اس کے ذکر سے غنی ہے اور نابینا ایک محتاج بندہ ہے جس کے ضرر کا دفع کرنا ضروری ہے۔ خاص کر جب کہ اس خلاص کرنے پر مامور ہو۔

اس وقت اس کی یہ تخلیص بھی ذکر ہے، کیونکہ امر کی بجا آوری ہے۔ ذکر میں ایک ہی حق کا ادا کرنا ہے جو مولا کا حق ہے اور تخلیص میں جو امر کے ساتھ واقع ہو۔ دو حق ادا ہوتے ہیں بندہ کا حق بھی اور مولے کا حق بھی، بلکہ نزدیک ہے کہ اس وقت ذکر کرنا گناہ میں داخل ہو۔ کیونکہ تمام وقت ذکر کرنا پسندیدہ نہیں۔ بعض اوقات ذکر نہ کرنا بھی مستحسن اور پسندیدہ ہے۔

ایام منہی عنہا اور اوقاتِ مکروہہ میں روزہ نہ رکھنا اور نماز کا ادا نہ کرنا روزہ رکھنے اور نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ذکر سے مُراد یہ ہے کہ غفلت دُور ہو جائے خواہ کسی طرح ہو۔ نہ یہ کہ ذکر نفی اثبات یا اسم ذات کے تکرار پر ہی منحصر ہے۔ جیسے کہ گمان کیا جاتا ہے۔ پس اوامر کا بجالانا اور نواہی سے ہٹ جانا ذکر ہی میں داخل ہے۔ حدودِ شرعی کو مدنظر رکھ کر خرید و فروخت کرنا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح اس رعایت کے باوجود نکاح و طلاق بھی ذکر ہے۔ رعایت شرعی کے ساتھ ان امور میں مشغول ہونے کے وقت آمر و ناہی یعنی حق تعالےٰ ان امور کے کرنے والے کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ پھر غفلت کی کہاں گنجائش ہوتی ہے لیکن وہ ذکر جو مذکور کی اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو وہ سریع التاثیر ہوتا ہے اور مذکور کی زیادہ محبت بخشنے والا اور مذکور تک جلدی پہنچانے والا ہوتا ہے۔ برخلاف اس ذکر کے جو اوامر کے بجالانے اور نواہی سے ہٹ جانے پر واقع ہو۔ جو ان صفات سے بے نصیب ہے، اگرچہ یہ صفات بعض افراد میں جن کا ذکر اوامر کے بجالانے اور شرعی منہیات سے ہٹ جانے پر ہے، شاذ و نادر طور پر پائے جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا زین الدین تائبادی قدس سرہٗ علم کی راہ سے خدا تک پہنچے ہیں اور نیز وہ ذکر جو اسم و صفت سے واقع ہو اس ذکر کا وسیلہ ہے جو شرعی حدود کو مدِنظر رکھنے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ تمام امور میں شرعی احکام کا مدنظر رکھنا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل محبت کے بغیر میسّر نہیں ہوتا اور یہ کامل محبت

حق تعالےٰ کے اسم وصفت کے ذکر پر موقوف ہے۔

پس پہلے وہ ذکر چاہیئے تاکہ اس ذکر کی دولت سے مشرف ہوں۔
لیکن عنایت کا معاملہ جُدا ہے وہاں نہ کوئی شرط ہے نہ کوئی وسیلہ۔

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۔

" اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے "۔ ::

مکتوب ۲۷

صحبتِ شیخ کے لئے وقت نکالنا ضروری ہے

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اس بھائی کے کلمہ کلام سے طلب کی حرارت مفہوم ہوتی ہے اور جمعیت کی بُو آرہی ہے۔ یاد رکھیں کہ یہ دولت قربِ صحبت ہی کا نتیجہ ہے۔ مگر بے ہُودہ تعلقات نے آپ کو ایک ہفتہ تک بھی صحبت میں رہنے نہ دیا۔ آپ کی صُحبت کے سارے دن شاید ہی دس ہوں تو ہوں۔ آپ کو اللہ تعالےٰ سے شرم کرنی چاہیئے کہ ہزار دنوں میں سے ایک دن بھی اللہ تعالےٰ کے لئے نہیں نکال سکتے اور مختلف تعلقات سے ایک دن کے لئے بھی الگ نہیں ہو سکتے۔ آپ پر حجت درست ہو چکی ہے اور آپ نے اپنے وجدان سے معلوم کر لیا ہے کہ اس صُحبت میں ایک ساعت رہنا مجاہدوں کے کئی چلّوں سے بہتر ہے۔ پھر آپ اس صحبت سے بھاگتے ہیں اور حیلہ وبہانہ سے ٹال دیتے ہیں۔ آپ کی استعداد کا جوہر قیمتی ہے لیکن کیا فائدہ؟ جبکہ قوت سے فعل میں نہیں آیا۔ آپ کی استعداد بلند ہے لیکن ہمت پست ہے۔ بچوں کی طرح قیمتی جوہروں کو چھوڑ کر نکمے ٹھیکروں پر خوش ہو رہے ہیں ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت   کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

ترجمہ: بوقتِ صبح ہو گا تجھ کو معلوم
کٹی کس کی محبت میں تری رات

اب بھی کچھ نہیں گیا۔ آپ اپنی اصل کا فکر کریں۔ اس غرض کے لئے سب سے بہتر جمعیت والے لوگوں کی صحبت ہے۔ اگر یہ دولت میسر نہ ہوسکے تو ہر وقت ذکر الٰہی میں جو کسی صاحبِ دولت سے اخذ کیا ہے مشغول رہیں اور جو کچھ ذکر کے منافی ہے اس سے بچیں۔ شرعی حل و حرمت میں بڑی احتیاط رکھیں۔ اس میں ہرگز سستی نہ کریں۔ پنجوقتی نماز کو جماعت سے ادا کریں اور تعدیلِ ارکان میں بڑی کوشش کریں۔ اور اس امر کی بڑی حفاظت کریں کہ نماز مستحب اوقات میں ادا ہو جائے۔

مکتوب ۴۹

تعلّقات کم کرنے کی نصیحت

سب سے بہتر نصیحت جو اخی خواجہ محمد گدا کو کی جاتی ہے یہ ہے کہ عقائد کلامیہ کے درست کرنے اور فقہیہ احکام کے بجالانے کے بعد ہمیشہ ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مشغول رہیں جس طرح کہ آپ نے سیکھا ہے۔ یہ ذکر اس قدر غالب آجائے کہ باطن میں مذکور کے سوا کچھ نہ چھوڑے اور مذکور کے سوا تمام چیزوں کا علمی اور حُبّی تعلق دور ہو جائے۔ اس وقت دل کو ماسوٰی کا نسیان حاصل ہو جاتا ہے۔ اور غیر کی دید و دانش سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اگر تکلف و بناوٹ سے بھی اس کو اشیاء یاد دلائیں تو اس کو یاد نہیں آتیں اور ان کو پہچان نہیں سکتا۔ ہمیشہ مطلوب میں فانی اور مستغرق رہتا ہے۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے اس راستہ میں ایک قدم طے ہوتا ہے۔ کوشش کریں کہ اس ایک قدم میں بھی کوتاہی واقع نہ ہو۔

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیدان در نمے آید سواراں را چہ شُد

ترجمہ: "گوئے توفیق وسعادت درمیاں میں ہے پڑا
کوئی میدان میں نہیں آتا کہاں ہیں اب سوار؟

آپ کے تعلقات بظاہر کم نظر آتے ہیں مگر آپ شوق سے تعلق والوں کے ساتھ تعلق پا لیتے ہیں۔
اَلرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ۔ "ضرر کا راضی نظر کا مستحق نہیں"، مسئلہ مقررہ ہے۔ والسلام ❁

مکتوب نمبر ۵۰

جہادِ اکبر اور نفسِ مطمئنہ کا بیان

ولایت کا مقدمہ طریقت ہے جہاں ماسوا کی نفی مطلوب ہے اور غیر و غیریت کا رفع مقصود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ماسوا بالکل نظر سے دور ہو جاتا ہے اور دید میں اغیار کا نام و نشان نہیں رہتا تو فنا حاصل ہو جاتی ہے اور مقامِ طریقت ختم ہو جاتا ہے اور سیر الی اللہ تمام ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مقامِ اثبات میں سیر شروع ہوتا ہے جس کو سیر فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی مقامِ بقا ہے جو حقیقت کا موطن ہے جو ولایت سے اعلیٰ مقصد ہے۔ اس طریقت و حقیقت پر جو فناء و بقا ہے ولایت کا اسم صادق آتا ہے اور امّارہ مطمئنہ ہو جاتا ہے اور کفر و انکار سے ہٹ جاتا ہے اور اپنے مولیٰ سے راضی ہو جاتا ہے اور مولیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائشی کراہت دور ہو جاتی ہے۔ اگرچہ کہتے ہیں کہ نفس مقامِ اطمینان میں بھی آکر اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا۔ ؎

ہر چند کہ نفس مطمئنہ گردد ہرگز ز صفاتِ خود نگردد

ترجمہ:- نفس اگرچہ مطمئنہ ہو جائے پر اپنی صفت سے باز نہ آئے

جہادِ اکبر جو اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔ ہم جہادِ اصغر کو چھوڑ کر جہادِ اکبر کی طرف آتے ہیں۔ اس سے مراد نفس کا جہاد ہے۔ مگر جو کچھ فقیر کے کشف میں آیا ہے اور اپنے وجدان سے معلوم کیا ہے اس حکم متعارف و مشہور کے برخلاف ہے۔ اطمینان کے حاصل ہونے کے بعد یہ فقیر نفس میں کسی قسم کی سرکشی اور نافرمانی معلوم نہیں کرتا بلکہ اس کو تابعداری کے

مقام میں برقرار دیکھتا ہے اور قلب متمکن کی طرح جس سے ماسوا کا نسیان ہو چکا ہے معلوم کرتا ہے۔ کیونکہ نفس اس وقت غیر و غیریت کی دید و دانش سے گیا گزرا ہوتا ہے اور حُبِ جاہ و سیاست اور لذت و اَلم سے آزاد ہُوا ہوتا ہے، پھر مخالفت و سرکشی کہاں۔ ہاں اطمینان کے حاصل ہونے سے پہلے طغیان و سرکشی کی نسبت جو کچھ بھی کہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن اطمینان کے حاصل ہونے کے بعد مخالفت و سرکشی کی مجال نہیں۔

اور جہادِ اکبر سے مراد فقیر کے نزدیک وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ ہو سکتا ہے کہ قالب کا جہاد ہو جو مختلف طبیعتوں سے مرکب ہے اور اس کی ہر ایک طبیعت ایک امر کو چاہتی ہے اور دوسرے سے بھاگتی ہے۔ اگر قوت شہوی ہے تو وہ بھی قالب سے پیدا ہے اور اگر غضبی ہے تو وہ بھی وہیں سے ظاہر ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ تمام حیوانات جن میں نفس ناطقہ نہیں ہے ان میں یہ تمام صفاتِ رذیلہ موجود ہیں اور شہوت و غضب و شر و حرص سے متصف ہیں۔ یہ جہاد ہمیشہ تک قائم ہے نفس کا اطمینان اس جہاد کو کم نہیں کر سکتا اور قلب کی تمکین اس لڑائی کو رفع نہیں کر سکتی۔ اس جہاد کے باقی رکھنے میں بہت سے فائدے ہیں جو قالب کے پاک و صاف کرنے میں کام آتے ہیں حتیٰ کہ اس جہان کے کمالات اور آخرت کا معاملہ اصل میں اسی پر وابستہ ہے۔ کیونکہ اس جہان کے کمالات میں قالب تابع ہے اور قلب متبوع۔ وہاں کام برعکس ہے۔ قلب تابع ہے اور قالب متبوع۔ جب یہ جہان درہم برہم ہو جائے گا اور وہ جہان پر تو ڈالے گا، یہ جہاد و قتال بھی ختم ہو جائے گا۔

جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفس مقامِ اطمینان میں آجاتا ہے اور حکمِ الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے تو اسلامِ حقیقی میسر ہوتا ہے اور ایمان کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ بعد ازاں جو کچھ عمل میں آئے گا شریعت کی حقیقت ہو گی۔ اگر نماز ادا کرے گا تو نماز کی حقیقت ہو گی۔ اور اگر روزہ یا حج ہے تو روزہ و حج کی حقیقت ہو گی۔ دوسرے احکامِ شرعیہ کا بجا لانا بھی اسی پر قیاس ہو گا۔

مکتوب نمبر ۵۰

احکامِ شرعیہ بجالانا ہر وقت اور ہر حال میں ضروری ہے

اس مقام میں کوئی یہ غلطی نہ کھا جائے اور یہ نہ کہے کہ اس مقام میں شریعت کی صورت و حقیقت سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے اور احکامِ شرعیہ کے بجالانے کی کچھ حاجت نہیں رہتی۔ کیونکہ میں کہتا ہوں کہ شریعت ہی اس کام کا اصل اور اس معاملہ کی بُنیاد ہے۔ درخت جس قدر بلند اور سرفراز ہوتا جائے اور دیوار جس قدر بلند ہوتی جائے اور اس پر بلند مکان بنتے جائیں اصل و بُنیاد سے مستغنی نہیں ہوتے اور ذاتی احتیاج اُن سے زائل نہیں ہوتی۔ مثلاً خانہ بلند خواہ کس قدر اُونچا ہو جائے اور پستی سے بہت دُور تک بلند ہو جائے۔ نیچے کے گھر کے سوا اس کا چارہ نہیں اور نیچے کے گھر سے اس کی احتیاج دُور نہیں ہوتی۔ اگر بالفرض نچلے گھر میں کسی قسم کا خلل پڑ جائے تو اوپر کے خانہ میں بھی وہ خلل اثر کر جائے گا اور نچلے گھر کا زوال اُوپر کے گھر کو زائل کر دے گا۔

پس شریعت ہر وقت و ہر حال میں درکار ہے اور ہر شخص اُس کے احکام بجالانے کا محتاج ہے۔ جب اللہ تعالےٰ کی عنایت سے معاملہ اس مقام سے بھی بلند ہو جائے اور تفضّل سے محبّت کی نوبت آ جائے تو اس سے آگے ایک اور نہایت بلند مقام آتا ہے جو اصلی طور پر حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور وراثت و تبعیت کے طور پر دیکھیں کس کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ اس بلند محل میں جو نہایت بلندی کے باعث اچھی طرح نظر نہیں آسکتا۔

یہ فقیر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو وراثت کے طور پر ناف تک داخل ہُوا ہُوئے معلوم کرتا ہے۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی اس دولت سے سرفراز ہیں اور امہات المومنین میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو بھی ازدواج کے علاقہ کے باعث آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دیکھتا ہے۔ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ "پوری حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بہتری ہمارے نصیب کر۔"

برادرم عزیز معارف آگاہ شیخ عبدالحیٰ جو مدتوں اور سالوں تک فقیر کی صحبت میں رہے ہیں۔ اب چونکہ اپنے وطن کی طرف جانے والے تھے اور وہ مقام بھی انہی کی جناب سے تعلق رکھتا تھا اس لئے چند سطریں لکھی گئی ہیں اور مشارٌ الیہ کے احوال پر اطلاع دی گئی ہے۔ اہل اللہ کا وجود جہاں کہیں ہوں غنیمت ہے اور وہاں کے رہنے والوں کے لئے موجبِ بشارت ہے۔ فَطُوْبٰى لِمَنْ عَرَفَهُمْ۔ "مبارک ہیں وہ لوگ جو اُن کو پہچان لیں۔

اسی جگہ برادرم عزیز شیخ نور محمد بھی اقامت رکھتے ہیں اور فقر و نامرادی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس جگہ پر رشک آتا ہے جہاں اس قسم کے دو اہل اللہ جمع ہیں اور قران السعدین یعنی دو نیک ستاروں کا اجتماع محقق و ثابت ہے۔

والسّلام

مکتوب ۱۵۱

"محدّث" کا مطلب

برادرم محمد صدیق کو واضح ہو کہ حق تعالیٰ کا کلام بندے کے ساتھ کبھی روبرو بلاواسطہ ہوتا ہے۔ اس قسم کا کلام انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام میں سے بعض افراد کے لئے ثابت ہے اور کبھی انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے کامل تابعداروں کے لئے بھی ہوتا ہے جو وراثت و تبعیت کے طور پر ان کے کمالات سے مشرف ہوتے ہیں۔ جب اس قسم کا کلام ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بکثرت ہو تو ایسے شخص کو مُحدَّث کہتے ہیں۔ جیسے کہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہ کلام الہام اور القاء روحانی اور قلبی اور اس کلام سے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا ہے الگ ہے۔ اس قسم کے کلام کے ساتھ انسان کامل مخاطب ہوتا

ہے جو عالم امر و عالم خلق اور رُوح و نفس اور عقل و خیال کا جامع ہو ۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۔ اللہ تعالےٰ جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے "۔

رو برو و کلام کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کلام کرنے والا سُننے والے کو دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سُننے والے کی آنکھیں کمزور و ضعیف ہوں جو متکلم کے انوار کی چمک برداشت نہ کر سکتی ہوں۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں جو رویت کی بابت آپ سے پوچھا گیا تھا، فرمایا کہ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہٗ ۔ وہ نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکوں۔ نیز کلام کے رو برو ہونے کے وقت تمام شہودی پردے دُور ہو جاتے ہیں نہ کہ وجودی۔ فافہم یہ معرفت شریفہ اس قسم کی ہے کہ آج تک کسی نے بیان نہیں کی۔

مکتوب ۵۳

نیکی کے بعد عُجب اور تکبّر کا حاصل ہونا زہرِ قاتل ہے

آپ نے پوچھا تھا کہ اگر میں اپنے آپ کو ریاضت و عبادت میں مشغول کرتا ہوں تو نفس میں استغناء پیدا ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ میرے جیسا کوئی نیک نہیں اور اگر کوئی خلاف شرع امر صادر ہوتا ہے تو اپنے آپ کو عاجز و محتاج خیال کرتا ہے۔ اس کا علاج کیا ہے؟

اے توفیق کے نشان والے شق ثانی میں احتیاج و فروتنی کا پیدا ہونا جو ندامت کی خبر دیتا ہے نعمتِ عظیم ہے اور اگر خلافِ شرع کر چکنے کے بعد ندامت بھی جو توبہ کی شاخ ہے پیدا نہ ہو اور گناہ کے کر لینے سے متلذّذ و محظوظ ہو تو اس سے اللہ تعالےٰ کی پناہ ۔ کیونکہ گناہ سے لذت حاصل کرنا گناہ پر اصرار کرنا ہے اور گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار کرنا کفر کی دہلیز ہے۔ اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ ندامت پیدا ہو اور خلافِ شریعت کرنے سے ہٹا دے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ "اگر تم شکر کرو گے تو زیادہ دوں گا۔"

شق اوّل کا حاصل اعمالِ صالحہ کے بجالانے سے عجب و تکبّر کا حاصل ہوتا ہے یہ ایسا زہر قاتل اور مرض مہلک ہے جو عمل صالحہ کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ جیسے کہ آگ ایندھن کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے۔ عجب و تکبّر کا باعث یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ عامل کی نظر میں زیبا و پسندیدہ دکھائی دیتے ہیں۔ فَالْمُعَالَجَۃُ بِالْاَضْدَادِ۔ (علاج ضد کے ساتھ ہوتا ہے) یعنی اپنی نیکیوں کو متہم یعنی تہمت زدہ معلوم کرے اور نیکیوں کی پوشیدہ قباحتوں کو نظر میں لائے تاکہ اپنے آپ کو اور اپنے اعمال کو قاصر و کوتاہ جانے بلکہ لعنت اور ردّ ہونے کے لائق خیال کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

رُبَّ تَالٍ لِلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ وَکَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الظَّمَاءُ وَالْجُوْعُ۔

"بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن اُن کو لعنت کرتا ہے اور بہت روزہ دار ایسے ہیں کہ روزہ سے سوائے بھوک پیاس کے اُن کو کچھ حاصل نہیں۔"

یہ خیال نہ کریں کہ آپ کی نیکیوں کی کوئی بُرائی نہیں۔ اگر آپ تھوڑی سی توجہ سے بھی کام لیں گے تو آپ کو اللہ تعالےٰ کی عنایات سے معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی تمام نیکیاں برائیاں ہی برائیاں ہیں اور اُن میں کسی قسم کی حُسن و خوبی نہیں پھر عجب و استغناء کہاں ؟ بلکہ اپنے اعمال کو قاصر دیکھنا اس قدر غالب آئے گا کہ آپ نیکیوں کے بجالانے سے شرمندہ اور نادم ہوں گے نہ کہ متکبّر و مغرور۔

جب اعمال میں دیدِ قصور پیدا ہو جائے گا۔ اعمال کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور قبولیت کے لائق ہو جاتے ہیں۔ کوشش کریں کہ یہ دید پیدا ہو جائے تاکہ عجب و تکبّر دُور ہو جائے۔ وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ رَبِّیْ شَیْئًا۔ "اور نہ بے فائدہ رنج ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مشکل نہیں۔"

بعض لوگ جن کو یہ دید قصور کامل طور پر حاصل ہو جاتی ہے ایسا خیال کرتے ہیں کہ دائیں ہاتھ یعنی نیکیوں کا لکھنے والا معطل اور بے کار ہے اور کوئی نیکی نہیں جو اس کے لکھنے کے لائق ہو اور بائیں ہاتھ یعنی برائیوں کا لکھنے والا ہمیشہ اپنے کام میں ہے۔ کیونکہ جو کچھ اس سے سرزد ہوتا ہے۔ اس کی نظر میں بُرا ہی بُرا دکھائی دیتا ہے۔ جب عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہوتا ہے جو ہوتا ہے۔ ع

قلم ایں جا رسید و سر بشکست

ترجمہ: "یہاں آکر قلم کا کٹ گیا سر"

مکتوب ۵۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سات درجات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت جو دینی اور دُنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے کئی درجے اور مرتبے رکھتی ہے۔

پہلا درجہ عوام اہلِ اسلام کے لئے ہے۔ یعنی تصدیق قلبی کے بعد اور اطمینان نفس سے پہلے جو درجہ ولایت سے وابستہ ہے احکامِ شرعیہ کا بجا لانا اور سنّت سَنِیّہ کی متابعت ہے اور علماء ظاہر اور عابد و زاہد جن کا معاملہ ابھی تک اطمینان نفس تک نہیں پہنچا۔ سب متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی صُورت کے حاصل ہونے میں برابر ہیں۔ چونکہ اس مقام میں نفس ابھی کفر و انکار ہی پر اڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ درجہ متابعت کی صُورت پر مخصوص ہے۔ متابعت کی یہ صورت متابعت کی حقیقت کی طرح آخرت کی نجات اور خلاصی کا موجب ہے اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی اور جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے۔ بیت

اے کہ دُرساختۂ قطرۂ بارانی را   مے توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول

ترجمہ :-   بنایا قطرۂ باراں کو جس نے ہے گہر
عجب نہیں میرا رونا کرے قبولِ نظر

متابعت کا دُوسرا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کا اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً تہذیبِ اخلاق اور بُری صفتوں کا دُور کرنا اور باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا رفع کرنا وغیرہ وغیرہ جو مقامِ طریقت کے متعلق ہیں۔ اتباع کا یہ درجہ اربابِ سلوک کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو طریقہ صوفیہ کو شیخ مقتدا سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں

متابعت کا تیسرا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احوال و اذواق و مواجید کی اتباع ہے جو مقام ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ درجہ ان اربابِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہیں۔ جب مرتبہ ولایت ختم ہو جاتا ہے اور طغیان و سرکشی سے ہٹ جاتا ہے تو اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے۔ متابعت کی حقیقت ہوتی ہے۔ اگر نماز ادا کرتا ہے تو متابعت کی حقیقت بجالاتا ہے۔ اور اگر روزہ ہے یا زکوٰۃ۔ اس کا بھی یہی حال ہے۔ غرض تمام احکام شریعت کے بجالانے میں متابعت کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔۔۔۔

مذکورہ بالا درجہ یعنی کمالاتِ ولایتِ خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد درجہ اتباع کا تیسرا مرتبہ ہوتا ہے نفس کے مطمئن ہونے اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کے بجالانے کا درجہ، متابعت کا چوتھا درجہ ہے۔ پہلے درجے میں اس متابعت کی صورت تھی اور یہاں اتباع کی حقیقت ہے۔ اتباع کا یہ چوتھا درجہ علمائے راسخین شکر اللہ تعالے سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینان نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اگرچہ اولیاء اللہ کو بھی قلب کی تمکین کے بعد تھوڑا سا اطمینانِ نفس حاصل ہوتا ہے لیکن کمالِ اطمینان نفس کو کمالاتِ نبوت کے حاصل کرنے میں ہوتا ہے۔ جن

کمالات سے علماء راسخین کو وراثت کے طور پر حصّہ حاصل ہوتا ہے۔ پس علماء راسخین نفس کے کمال اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے متحقق ہوتے ہیں اور دوسروں کو چونکہ یہ کمالات حاصل نہیں ہوتے اس لئے کبھی شریعت کی صُورت سے اور کبھی اس کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں۔

متابعت کا یہ درجہ جو نفس کے اطمینان اور صاحب شریعت کی متابعت کی حقیقت تک پہنچنے پر موقوف ہے۔ کبھی فناء و فنا اور سلوک و جذب کے وسیلہ کے بغیر حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات میں سے کچھ بھی درمیان نہیں آتا اور یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن دوسرے راستہ کی نسبت ولایت کے راستہ سے اس دولت تک پہنچنا آسان اور اقرب ہے اور وہ دوسرا راستہ اس فقیر کے خیال میں سُنّتِ سنّیہ کی متابعت اور بدعت کے اسم و رسم سے اجتناب کرنا ہے جب تک بدعتِ حسنہ سے بدعتِ سئیہ کی طرح پرہیز نہ کریں۔ تب تک اس دولت کی بُو جان کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔ آج بات مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہے اور بدعت کے اندھیرے میں پھنسا ہُوا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کو دُور کرنے کا دم مارے اور سُنّت کو زندہ کرنے کا دعویٰ کرے۔

اس زمانے کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے اور سُنّتوں کو محو کرتے ہیں شائع اور پھیلی ہُوئی بدعتوں کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتوے دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف و مشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں۔ تعامل جو معتبر ہے وہ وہ ہے جو صدر اول سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہُوا ہے۔ جیسے کہ فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے:۔

شیخ الاسلام شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم بلخ کے مشائخ کے استحسان پر فتویٰ نہیں دیتے۔ بلکہ ہم اپنے متقدمین اصحاب کے استحسان کے موافق فتوے دیتے ہیں۔ کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا بلکہ وہ تعامل جواز پر

دلالت کرتا ہے جو صدر اول سے استمرار کے طور پر ہوتا چلا آیا ہے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پر دلیل ہو اور لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تمام شہروں میں بہت لوگوں سے بطریق اجماع ثابت ہو تو اس وقت جائز ہو گا کیونکہ اجماع حجت ہے۔ کیا نہیں جانتے کہ اگر وہ شراب کی بیع اور سود پر تعامل کریں تو اس کے حلال ہونے کا فتوے نہ دیا جائے۔ اور اس بات میں کچھ شک نہیں کہ تمام مخلوقات کے تعامل اور تمام شہروں اور قصبوں کے عمل کا علم انسان کی طاقت سے خارج ہے۔

باقی رہا تعامل صدر اول کا جو درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ہے اور سُنت سنیہ کی طرف راجع ہے۔ اس میں بدعت کہاں اور بدعت حسنہ کجا؟ اصحاب رضی کرام کے لئے تمام کمالات کے حاصل ہونے اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کافی تھی۔ اور علماءِ سلف میں سے جو لوگ اس رسوخ کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں، بغیر اس بات کے کہ طریق صوفیہ کو اختیار کریں اور سلوک و جذب سے مسافت کو قطع کریں۔ وہ لوگ سنّت سنیہ کی متابعت اور بدعت نامرضیہ سے پورے طور پر بچنے کی بدولت اس رسوخ فی العلم کی دولت سے سرفراز ہوئے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی مُتَابَعَةِ السُّنَّةِ وَ جَنِّبْنَا عَنْ اِرْتِکَابِ الْبِدْعَةِ بِحُرْمَةِ صَاحِبِ السُّنَّتِ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ۔

"یا اللہ تو صاحب السنت صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل ہم کو سنت کی متابعت پر ثابت رکھ اور بدعت کے بجالانے سے بچا۔"

متابعت کا پانچواں درجہ متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم و عمل کا دخل نہیں بلکہ ان کا حاصل ہونا اللہ تعالےٰ کے محض فضل و کرم پر موقوف ہے۔ یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے۔ اس درجہ کے مقابلہ میں پہلے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ کمالات اصل میں اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہیں یا اُن لوگوں کے ساتھ جن کو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت

سے مشرف فرمائیں۔

متابعت کا چھٹا درجہ

متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات کا اتباع ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح پانچویں درجہ میں کمالات کا فیضان محض فضل واحسان پر تھا۔ اس چھٹے درجہ میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو تفضل واحسان سے برتر ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجہ کے سوا متابعت کے یہ پانچ درجے مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا حاصل ہونا صعود پہ وابستہ ہے۔

متابعت کا ساتواں درجہ

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول وہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے۔ کیونکہ اس مقامِ نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی اور اجزاءِ قالب کا اعتدال بھی جو طغیان وسرکشی سے باز آگئے ہوتے ہیں۔ پہلے درجے گویا اس متابعت کے اجزاء ہیں اور یہ درجہ ان اجزاء کا کل ہے۔ اس مقام میں تابع اپنی متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ تبعیت کا نام ہی درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور تابع و متبوع کی تمیز دُور ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تابع متبوع کی طرح جو کچھ لیتا ہے اصل سے لیتا ہے۔ گویا دونوں ایک چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش و ہمکنار اور ایک بستر پر ہیں اور شیر و شکر کی طرح ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون؟ اور تبعیت کس کے لئے ہے نسبت کے اتحاد میں تغائر کی نسبت کچھ گنجائش نہیں۔

عجب معاملہ ہے۔ اس مقام میں جہاں تک غور کی نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے تبعیت کی نسبت کچھ نظر نہیں آتی اور تابعیت و متبوعیت کی امتیازہ ہرگز مشہود نہیں ہوتی ہے۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ اپنے آپ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی اور وارث جانتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے۔ اور

طفیلی و وارث اور اگرچہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا پردہ درکار ہے اور طفیلی و وارث میں کوئی پردہ درکار نہیں۔ تابع پس خوردہ کھانے والا ہے اور طفیلی ضمنی ہمنشین۔ غرض جو دولت آئی ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طفیل اس دولت سے حصّہ پاتے ہیں اور اُن کا پس خوردہ تناول کرتے ہیں ۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم   ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

ترجمہ :۔ جس قافلہ میں یار ہے جا سکتا نہیں میں
بس دُور سے آواز جرس سنتا ہوں ہیں میں

کامل تابعدار وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور وہ شخص جس میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں ہیں، درجوں کے اختلاف کے بموجب مجمل طور پر تابع ہے۔ علماء ظاہر پہلے درجہ پر ہی خوش ہیں۔ کاش یہ لوگ درجہ اول کو ہی سرانجام کرلیں۔ انہوں نے متابعت کو صورت شریعت پر موقوف رکھا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور امر خیال نہیں کرتے اور طریقہ صوفیہ کو جو درجات متابعت کے حاصل ہونے کا واسطہ ہے بیکار تصور کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر علماء ہدایہ اور بزدوی کے سوا کسی اور امر کو اپنا پیرو مقتدار نہیں جانتے ؎

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است   زمین و آسمان او ہماں است

وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے
وہیں اُس کا زمین و آسمان ہے

مکتوب ۵۵

امام ابو حنیفہؒ کا مقام

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جس نے اُن کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصّہ حاصل کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ۔

(فقہاء سب ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں) ان کم ہمتوں کی جرأت پر افسوس ہے کہ اپنا قصور دوسروں کے ذمے لگاتے ہیں۔

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن و قصور حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستہ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

ترجمہ :۔ گر کوئی قاصر لگائے طعن ان کے حال پر
توبہ توبہ گر زباں پر لاؤں میں اس کا گلہ
شیر ہیں باندھے ہوئے اس سلسلہ میں سب کے سب
لومڑی حیلہ سے توڑے کس طرح یہ سلسلہ

اور یہ جو خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔ ممکن ہے کہ اسی مناسبت کے باعث جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے لکھا ہو۔ یعنی حضرت روح اللہ کا اجتہاد حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کے موافق ہو گا۔ نہ یہ کہ اُن کے مذہب کی تقلید کریں گے۔ کیونکہ حضرت روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے برتر ہے کہ علماء اُمت کی تقلید کریں۔

بلا تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیّت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہر میں بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہلِ اسلام سے سوادِ اعظم یعنی بہت زیادہ لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تابعدار ہیں۔ یہ مذہب باوجود بہت سے تابعداروں کے اصول و فروع میں تمام مذہبوں سے الگ ہے اور استنباط میں اس کا طریق علیحدہ ہے اور یہ معنی اس کی حقیّت یعنی حق ہونے کا پتہ بتاتے ہیں۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سنّت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں حتیٰ کہ احادیث مرسل کو احادیث مُسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے اور اپنی رائے پر مقدم سمجھتے ہیں اور ایسے ہی صحابہؓ کے قول کو

حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرفِ صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم جانتے ہیں۔ دوسروں کا ایسا حال نہیں۔ پھر بھی مخالف ان کو صاحب رائے کہتے ہیں اور بہت بے ادبی کے لفظ اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ سب لوگ ان کے کمال علم و ورع و تقوےٰ کا اقرار کرتے ہیں۔ حق تعالےٰ ان لوگوں کو توفیق دے کہ دین کے سردار اور اہلِ اسلام کے رئیس کو بیزار نہ کریں اور اسلام کے سوادِ اعظم کو ایذا نہ دیں۔

یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّطۡفِئُوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ ۔

"یہ لوگ اللہ تعالےٰ کے نُور کو بجھانا چاہتے ہیں"۔

وہ لوگ جو دین کے ان بزرگواروں کو صاحب رائے جانتے ہیں۔ اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار صرف اپنی آرار پر ہی حکم کرتے تھے اور کتاب و سُنّت کی متابعت چھوڑ دیتے تھے تو اُن کے فاسد خیال کے مطابق اسلام کا ایک سوادِ اعظم گمراہ اور بدعتی بلکہ گروہ اسلام سے باہر ہے۔ اس قسم کا اعتقاد وہ بے وقوف جاہل کرتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا وہ زندیق جس کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کا نصف حصّہ باطل ہو جائے۔ ان چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کر لیا ہے اور شریعت کے احکام کو انہی پر موقوف رکھا ہے اور اپنے معلوم کے ماسوا سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہُوا اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ بیت

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است زمین و آسماں او ہماں است

وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے
وہی اس کا زمین و آسماں ہے

ان کے بے ہودہ تعصبوں اور فاسد نظروں پر ہزار ہا افسوس ہے۔ فقہ کا بانی حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے اور فقہ کے تین حصّے اس کو مسلّم ہیں اور باقی چوتھے حصّہ میں سب شریک ہیں۔ فقہ میں صاحب خانہ وہی ہے اور دوسرے سب اُس کے عیال ہیں۔ باوجود اس مذہب کے التزام کے مجھے امام شافعیؒ سے محبت ذاتی ہے اور میں اُن کو بزرگ جانتا ہوں اسی واسطے بعض اعمال

نافلہ میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ دوسرے لوگ باوجود کمال علم و تقویٰ کے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح نظر آتے ہیں۔

"پوری پوری حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے"۔ ❁

مکتوب ایضاً

معرفتِ الٰہیہ احکام شریعت کے اتباع کا ثمرہ ہے

پس معلوم ہوا کہ علوم و معارف احکام شرعیہ کے ماسوا ہیں جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں۔ اگرچہ یہ معارف انہی احکام کے ثمرات و نتائج ہیں۔ درخت لگانے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کا پھل حاصل ہو تو جب تک درخت قائم رہے تب تک پھل کی امید رہتی ہے۔ جب درخت کی جڑ میں خلل آجاتا ہے ثمرات بھی دور ہو جاتے ہیں۔ وہ بہت ہی بے عقل ہے جو درخت کو کاٹ ڈالے اور پھل کی امید رکھے۔ درخت کی جس قدر اچھی تربیت کریں اسی قدر زیادہ پھل دیتا ہے پھل اگرچہ مقصود ہے لیکن درخت کی فرع اور شاخ ہے۔

شریعت کو لازم پکڑنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ جو شخص شریعت کا التزام رکھتا ہے وہ صاحب معرفت ہے۔ جس قدر یہ التزام زیادہ ہو گا اسی قدر معرفت زیادہ ہو گی۔ جو شخص شریعت میں سست ہے معرفت میں بے نصیب ہے اور جو کچھ وہ اپنے خیال فاسد میں رکھتا ہے اگرچہ ہیچ ہے استدراج کی قسم سے ہے جس میں جوگی اور برہمن اس کے ساتھ شریک ہیں۔

کُلُّ حقیقۃٍ ردّتہ الشریعۃ فھو زندقۃٌ وَّاِلحادٌ۔

"جس حقیقت کو شریعت نے رد کر دیا وہ زندقہ اور الحاد ہے"۔

پس ہو سکتا ہے کہ خواص اہل اللہ حق تعالےٰ کی ذات و صفات و افعال کے معارف میں بعض ایسے اسرار و دقائق کو سمجھ لیں جن سے ظاہر شریعت ساکت

ہے اور حرکات و سکنات میں حق تعالےٰ کا اذن یا عدمِ اذن معلوم کرلیں۔ اور مرضی یعنی پسندیدہ اور غیر مرضی یعنی ناپسندیدہ کو جان لیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض نفلوں کا ادا کرنا ناپسند معلوم کرتے ہیں اور ان کے ترک کرنے کا اذن پالیتے ہیں کبھی نیند کو بیداری سے بہتر سمجھتے ہیں۔

احکامِ شرعیہ اپنے اپنے وقتوں پر موقت اور موقوف ہیں اور احکامِ الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں۔ جب ان بزرگواروں کے حرکات و سکنات اذن پر موقوف ہیں تو بے شک دوسروں کے نفل بھی اُن کے لئے فرض ہوں گے۔ مثلاً ایک فعل شریعت کے حکم سے ایک شخص کی نسبت نفل ہے اور وہی فعل دوسرے شخص کے لئے الہامی حکم سے فرض ہے۔

دوسرے لوگ کبھی نوافل کو ادا کرتے ہیں کبھی امورِ مباحہ کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن یہ بزرگوار جب کام کو اللہ تعالےٰ کے اِذن و امر سے کرتے ہیں سب کچھ فرائض ادا کرتے ہیں۔ دوسروں کے مستحب و مباح ان کے فرائض ہیں۔ اس مضمون سے ان بزرگواروں کی شان بلند کو معلوم کرنا چاہیئے۔ علماءِ ظاہر دین کے علوم و امور میں غیبی خبروں کو پیغمبروں کی خبروں کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور دوسروں کو ان اخبار میں شریک نہیں جانتے۔ یہ بات وراثت کے منافی ہے اور اس میں بہت سے ایسے علوم و معارفِ صحیحہ کی نفی ہے جو دینِ متین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں احکامِ شرعیہ اَدِلّہ اربعہ یعنی چار دلیلوں پر موقوف ہیں جن میں الہام کو گنجائش نہیں لیکن احکامِ شرعیہ کے ماسوا بہت سے امورِ دینی ایسے ہیں جن میں پانچواں اصل الہام ہے۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب و سُنّت کے بعد تیسرا اصل الہام ہے۔ یہ اصل جہان کے فنا ہونے تک قائم ہے۔

پس دوسروں کو ان بزرگواروں سے کیا نسبت ہے؟ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ عبادت کرتے ہیں لیکن وہ عبادت ناپسند ہوتی ہے۔ اور یہ بزرگوار بعض اوقات عبادت کو ترک کردیتے ہیں اور وہ ترک پسند ہوتا ہے۔

اس صورت میں ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے لیکن عام لوگ

اس کے برخلاف حکم کرتے ہیں یعنی اس عبادت کرنے والے کو عابد جانتے ہیں اور ترک کرنے والے کو مکار سمجھتے ہیں۔

سوال :۔ جب دین کتاب وسنت سے کامل ہو گیا۔ پھر کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت ہے اور وہ کون سی کمی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے۔

جواب :۔ الہام دین کے پوشیدہ کمالات کا ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں زیادہ کمالات کا ثابت کرنے والا۔ جس طرح اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام ان دقائق واسرار کا مظہر ہے جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہ آتے۔ اگرچہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ رائے کے پیدا کرنے والے جل شانہ کی طرف۔

پس الہام میں ایک قسم کی اصالت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں۔ الہام نبی کے اس اعلام کی مانند ہے جو سنت کا ماخذ ہے جیسے کہ اوپر گزر چکا۔ اگرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّ ھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا

"یا اللہ! تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں میں ہماری بہتری اور بھلائی نصیب کر"

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

"سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی" ☆

مکتوب نمبر ۵۷

درود شریف کے علاوہ بھی ہر ذکر کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہے۔

کچھ مدت تک میں حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ میں مشغول رہا اور قسم قسم کے درود وصلوٰۃ بھیجتا رہا اور بہت سے دنیاوی فائدے اور نتیجے پاتا رہا۔ اور ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اسرار و دقائق

کا مجھ پر فیضان ہوتا رہا۔ کچھ مدت تک اسی طرح کرتا رہا۔ اتفاقاً اس التزام میں فرق آ گیا اور اس اشتغال کی توفیق نہ رہی ۔صرف صلوٰۃ موقتہ پر کفایت کی، اس وقت بھی یہی اچھا معلوم ہوتا تھا کہ صلوٰۃ کی بجائے تسبیح و تہلیل و تقدیس میں مشغول رہوں ۔ مَیں نے اپنے دل میں سوچا کہ شاید اس میں کوئی حکمت ہوگی دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے ؟

پس اللہ تعالےٰ کی عنایت سے معلوم ہُوا کہ اس وقت ذکر کرنا صلوٰۃ و درود بھیجنے سے بہتر ہے۔ درود بھیجنے والے کے لئے بھی اور جس کی طرف درود بھیجا جاتا ہے اس کے لئے بھی، دو وجہ سے ۔

وجہ اوّل : یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے :-

مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَآ اُعْطِی السَّآئِلِیْنَ ۔

"جس کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روک رکھا تو میں اس کو تمام سائلین سے بڑھ کر دیتا ہوں"۔

دُوسری وجہ : یہ ہے کہ جب ذکر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے تو اس کا ثواب جس قدر ذاکر کو پہنچتا ہے اسی قدر ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

مَنْ سَنَّ سُنَّۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا ۔

"جس شخص نے کسی نیک سُنّت کو جاری کیا اس کو اس کا اپنا اجر بھی ملے گا اور اُس شخص کا بھی جو اُس پر عمل کرے گا"۔

اسی طرح جو نیک عمل اُمتوں سے وجود میں آتا ہے اس عمل کا اجر جس طرح عامل کو پہنچتا ہے اسی طرح پیغمبر کو بھی جو اس عمل کا واضع ہے پہنچتا ہے بغیر اس کے کہ عامل کے اجر کو کچھ کم کریں اس بات کی ضرورت نہیں کہ عمل کرنیوالا پیغمبر علیہ السلام کی نیت پر عمل کرے۔ کیونکہ وہ حق تعالےٰ کا عطیہ ہے۔ عامل کا اس میں کچھ دخل نہیں۔ ہاں اگر عامل سے پیغمبرؑ کی نیت بھی ظاہر ہو جائے تو عامل کے زیادہ اجر کا باعث ہے اور یہ زیادتی بھی پیغمبر کی طرف عائد ہو گی ۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۔

"یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اللہ تعالےٰ

بڑے فضل والا ہے"۔

کچھ شک نہیں کہ ذکر سے اصلی مقصود حق تعالیٰ کی یاد ہے اور اس پر اجر کا طلب کرنا اس کا طفیلی اور تابع ہے اور درود میں اصلی مقصد طلب حاجت ہے۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) پس وہ فیض جو ذکر قلبی کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں ان برکات سے کئی گنا زیادہ ہیں جو درود کی راہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ ہر ذکر یہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ذکر جو قبولیت کے لائق ہے وہی اس زیادتی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن جو ذکر ایسا نہیں درود کو اس پر زیادتی اور فضیلت ہے اور درود سے زیادہ برکتیں حاصل ہونے کی اُمید ہے ہاں وہ ذکر جو طالب کسی شیخ کامل سے اخذ کرتا ہے اور طریقت کے آداب و شرائط کو مدنظر رکھ کر اس پر مداومت کرتا ہے۔ درود کہنے سے افضل ہے کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے، جب تک یہ ذکر نہ ہو اس ذکر تک نہیں پہنچ سکتے۔

یہی باعث ہے کہ مشائخ طریقت قدس سرہم مبتدی کے لئے سوائے ذکر کرنے کے اور کچھ جائز نہیں سمجھتے اور اس کے حق میں صرف فرضوں اور سُنتوں پر کفایت کرتے ہیں اور امورِ نافلہ سے منع کرتے ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہُوا کہ اُمت میں سے کوئی شخص خواہ وہ کمالات میں کتنا ہی بلند درجہ حاصل کرلے اپنے پیغمبر علیہ السّلام کے ساتھ برابری نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ سب کمالات اس کو اس پیغمبر کی شریعت کی متابعت کے باعث حاصل ہُوتے ہیں۔ پس اس پیغمبر کو یہ سب کمالات بھی اور دوسرے تابعداروں کے کمالات بھی اور اپنے مخصوصہ کمالات بھی ثابت و حاصل ہوں گے۔ اسی طرح وہ شخص کامل اپنے پیغمبر کے مرتبہ کو کسی دوسرے پیغمبر کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا اگرچہ کسی نے اس پیغمبر کی متابعت نہ کی ہو اور اس کی دعوت کو کسی نے قبول نہ کیا ہو۔ کیونکہ ہر ایک پیغمبر اصلی اور استقلالی کے طور پر صاحب دعوت اور شریعت کی تبلیغ پر مامور ہے۔ اُمتوں کا انکار ان کی دعوت و تبلیغ

میں قصور پیدا نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ کوئی کمال دعوت و تبلیغ کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا۔

فَاِنَّ اَحَبَّ عِبَادِ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ حَبَّبَ اللّٰہَ اِلٰی عِبَادِہٖ وَحَبَّبَ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ وَھُوَ الدَّاعِیْ وَالْمُبَلِّغُ۔

"کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیارا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے نزدیک اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیارا اور محبوب بنائے اور وہ شخص دعوت و تبلیغ کرنے والا ہے۔"

مکتوب ایضاً

عالم صوفی کبریت احمر ہے اور نائب و وارث پیغمبر ہے

آپ نے سنا ہوگا کہ خبریں آیا ہے کہ قیامت کے دن علماء کی سیاہی کو فی سبیل اللہ شہیدوں کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور اس سیاہی والا پلہ اس خون والے پلے پر راجح اور غالب آجائے گا۔ باقی اُمت کے لوگوں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی۔ جو کچھ رکھتے ہیں طفیلی اور ضمنی ہے۔ اصل اصل سے ہے اور فرع اصل سے مستنبط ہے۔

اس بیان سے اس اُمت کے داعیان اور مبلغین کی فضیلت معلوم کرنی چاہیئے۔ اگرچہ دعوت و تبلیغ میں بہت سے درجات ہیں اور داعیان و مبلغین اپنے اپنے درجات میں متفاوت ہیں۔ علماء تبلیغ ظاہری کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور صوفیہ باطن کے ساتھ اہتمام رکھتے ہیں اور جو کوئی عالم صوفی ہے وہ کبریت احمر یعنی اکسیر ہے اور ظاہری و باطنی دعوت و تبلیغ کے لائق ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب و وارث ہے۔

بعض لوگ اس امت کے محدثین کو جو احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کرتے ہیں تمام اُمت سے افضل جانتے ہیں۔ اگر مطلق اور عام طور پر افضل جانتے

ہیں تو محل خدشہ ہے اور اگر ظاہری مبلغین کی نسبت کہا ہے تو ہو سکتا ہے کیونکہ مطلق فضیلت اس جامع مبلغ کے لئے ہے جو ظاہری باطنی تبلیغ کرتا ہے۔ اور ظاہر میں بھی دعوت کرتا ہے اور باطن میں بھی۔

اِنَّ فِی الْاِقْتِصَارِ قُصُوْرًا اَیْنَا فِی اِطْلَاقِ الْفَضْلِ فَافْهَمْ فَلَا تَکُنْ مِنَ الْقَاصِرِیْنَ۔

"کیونکہ اقتصار میں قصور ہے جو فضل کے اطلاق کرنے کے منافی ہے پس سمجھ اور کوتاہ نظروں میں سے نہ ہو۔"

ہاں ظاہر ہر چند عمدہ اور نجات کا مدار اور بڑی برکت والا اور عام نفع والا ہے لیکن اس کا کمال باطن پر موقوف ہے۔ ظاہر بغیر باطن کے ناتمام ہے اور باطن بغیر ظاہر کے نافرجام اور وہ شخص جو باطن کو ظاہر کے ساتھ جمع کرے۔ کبریت احمر یعنی سرخ گندھک (کیمیا و اکسیر) ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ۔

"یا اللہ تو ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش۔ تو تمام چیزوں پر قادر ہے۔"

مکتوب ۵۸

حضرت شیخ ابن عربی کی ایک عبارت سے متعلق حضرت مجددؒ کی تحقیق

صفحہ ۲۰۵ تا ۲۱۱ ملاحظہ کریں۔

مکتوب ایضاً

خواب اور اس کی تعبیر سے متعلق ایک سوال کا جواب

سوال: بعض لوگ واقعات و منامات میں مثال و خیال میں دیکھتے ہیں کہ

ہم بادشاہ بن گئے ہیں اور اپنے نوکروں چاکروں کو دیکھتے ہیں اور نیز یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہم قطب بن گئے ہیں اور تمام جہان ہماری طرف متوجہ ہے اور بیداری اور افاقہ کے وقت جو عالمِ شہادت ہے اِن کمالات کا کچھ ظہور نہیں ہوتا۔ یہ رویت سچی ہے یا جھُوٹی ؟

جواب :- یہ رویت کچھ نہ کچھ صدق رکھتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ بادشاہ اور قطب بننے کے معنی اور استعداد ان لوگوں میں پائی جاتی ہے لیکن ضعیف ہے۔ اس لائق نہیں کہ عالمِ شہادت میں ظہور پاتے۔ بعدازاں یہ امر دو حال سے خالی نہیں۔ اگر یہ معنے اللہ تعالٰے کی قدرت سے قوت پا جائیں تو اس بات کے لائق ہو جائیں گے کہ عالمِ شہادت میں ظہور پیدا کریں اور اللہ تعالٰے کی عنایت سے بادشاہ اور قطبِ وقت بن جائیں۔ اگر ان معنی نے اس قدر قوت نہ پائی کہ عالمِ شہادت میں ظاہر ہوں تو وہی مثالی ظہور جو تمام ظہورات میں سے کمزور اور ضعیف ہے، کفایت کرتا ہے اور قوت کے بموجب ظہور پاتا ہے۔

اسی قسم کے ہیں وہ واقعات جو اس راہ کے طالب دیکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مقاماتِ عالیہ میں پاتے ہیں اور اپنے آپ کو اربابِ ولایت کے مرتبوں سے سرفراز ہُوا پاتے ہیں۔ اگر یہ معنی عالمِ شہادت میں ظہور پیدا کریں تو بڑی اعلیٰ دولت ہے۔ اور اگر ظہور مثالی پر ہی کفایت کریں تو لاحاصل ہے اور جائے مصیبت ہے۔ ہر جولاہا اور حجام خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھتا ہے لیکن کچھ حاصل نہیں اور سوائے خسارہ کے اُن کے ہاتھ میں کچھ نہیں آتا۔ پس واقعات پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ عالمِ شہادت میں جو کچھ حاصل ہو جائے اس کو اپنا سمجھنا چاہیئے۔ ؎

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

ترجمہ: "بیاں سورج کا کرتا ہوں کہ ہوں میں بس غلام اُس کا
نہیں بندہ میں شب کا تا کروں خوابوں کا کچھ چرچا

یہی وجہ ہے کہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم واقعات کا اعتبار نہیں کرتے۔ اور طالب کے واقعات کی تعبیر کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ اس میں کچھ فائدہ نہیں۔ معتبر وہی ہے جو آفاقہ اور بیداری میں حاصل ہو۔ اسی واسطے دوام شہود کا اعتبار کرتے ہیں اور دائمی حضور کو اعلیٰ دولت سمجھتے ہیں۔ وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو، ان بزرگواروں کے نزدیک معتبر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ماسوا ان کے حق میں دائمی ہے اور کسی وقت بھی اُن کے دل پر غیر کا گزر نہیں ہوتا۔ ؎

مکتوب نمبر ۶۰

فضول بحثوں میں پڑنے کے بجائے عقائد فقہ اور تصوّف میں وقت صَرف کرنا ضروری ہے

اے شفقت کے نشان والے مخدوم! امامت کی بحث دین کے فروع میں سے ہے نہ شریعت کے اصول سے۔ ضروریاتِ دینی اور ہیں جو اعتقاد و عمل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن کا متکفل علم کلام اور علم فقہ ہے۔ ضروریات کو چھوڑ کر فضولیات میں مشغول ہونا اپنی عمر کو بے ہودہ باتوں میں صرف کرنا ہے اور اعراض کی علامت میں آیا ہے کہ عَلَامَةُ اِعْرَاضِهٖ تَعَالٰی مِنَ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُهٗ بِمَا لَا یَعْنِیْهِ۔ "بندے کا بے ہودہ باتوں میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے حق تعالےٰ کے منہ پھیرنے کی علامت ہے"۔

اگر امامت کی بحث دین کی ضروریات اور شریعت کے اصول سے ہوتی جیسے کہ شیعہ نے گمان کیا ہے تو چاہیئے تھا کہ اللہ تعالےٰ اپنی کتاب مجید میں استخلاف کا تعین فرما کر خلیفہ کی تشخیص فرماتا اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ایک کی خلافت کا امر فرما جاتے اور تنصیص اور تصریح کے طور پر ایک کو خلیفہ کرتے۔ جب کتاب و سنت میں اس امر کا اہتمام مفہوم نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ امامت کی بحث دین کے فضول سے ہے نہ کہ دین کے اصول سے۔ وہ شخص فضول ہی ہوگا جو اس قسم کی فضول باتوں سے مشغول ہوگا۔ دین کی ضروریات اِس قدر

درپیش ہیں کہ فضول تک نوبت ہی نہیں پہنچتی ۔

اوّل اس اعتقاد کا درست کرنا ضروری ہے جو حق تعالےٰ کی ذات و صفات وافعال سے تعلق رکھتا ہے۔ اور پھر اعتقاد کرنا چاہیئے کہ جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور ضرورت و تواتر کے طور پر دین سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی حشر ونشر و آخرت کا دائمی عذاب و ثواب اور سب سُنی سنائی باتیں حق ہیں ان میں خلاف کا احتمال نہیں۔ اگر یہ اعتقاد نہ ہوگا نجات بھی نہ ہو گی ۔

دوسرے احکام فقہیّہ یعنی فرض و واجب و سنت و مستحب وغیرہ کا بجالانا ضروری ہے۔ شرعی حلّ و حرمت کو اچھی طرح مدِّنظر رکھنا چاہیئے اور حدود شرعی میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ آخرت کے عذاب سے نجات و فلاح حاصل ہو سکے ۔ جب یہ اعتقاد و عمل درست ہو جائیں پھر طریق صوفیہ کی نوبت آتی ہے اور کمالاتِ ولایت کے امیدوار ہو جاتے ہیں۔ امامت کی بحث ضروریاتِ دین کے مقابلہ میں کالمطروح فی الطریق یعنی راستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہے۔ چونکہ مخالفوں نے اس بارے میں بڑا غلو و مبالغہ کیا ہوا ہے اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب میں زبانِ طعن دراز کی ہے اس لئے اُن کے ردّ میں طول طویل مقدمات لکھے جاتے ہیں۔ کیونکہ دین متین سے فساد کو دفع کرنا بھی دین کی ضروریات سے ہے ۔ والسلام ۞

مکتوب ۶۱

ایک شیخ کے انتقال پر ان کے متعلّقین اور ارادت مندوں کے نام ایک مکتوب

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ و عبادت کے بعد بندہ عرض کرتا ہے اور مغفرت پناہ مولانا احمد علیہ الرحمہ کی ماتم پرسی بجالاتا ہے۔ مولانا کا وجود شریف اس وقت کے مسلمانوں کے لئے اللہ تعالےٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اُس کی رحمتوں

میں سے ایک رحمت تھا۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ ۔

" یا اللہ تو اس کے اجر سے ہم کو محروم نہ کر اور اس کے بعد ہم کو فتنہ میں نہ ڈال"۔

اس کے بعد دوستوں اور یاروں سے التجا ہے کہ گذشتہ لوگوں کی امداد و اعانت کریں اور مولانا مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت اور دلجوئی محبتوں اور مخلصوں پر لازم ہے۔

خاص کر اس امر میں بہت کوشش کریں کہ مولانا مرحوم کے فرزندوں کو پڑھائیں اور علوم شرعیہ سے آراستہ کریں اور مولانا مرحوم کے احسان کا بدلہ ان کے بیٹوں پر احسان کر کے ادا کریں۔ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۔ احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔

مولانا مرحوم کے اوضاع و اطوار اور احوال و مقامات کو مدنظر رکھیں اور طریقہ ذکر اور حلقہ مشغولی میں کسی قسم کا قصور واقع نہ ہو۔ اور سب یار جمع ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے میں فانی ہوں تاکہ صحبت کا اثر ظاہر ہو۔

اس فقیر نے اس سے پہلے اتفاق کے طور پر لکھا تھا کہ اگر مولانا سفر اختیار کریں تو ان کو چاہیئے کہ شیخ حسن کو اپنی جگہ پر مقرر کریں شاید یہی سفر مراد ہوگا۔ اب بھی جو بار بار ملاحظہ کرتا ہوں تو شیخ حسن کو اس امر پر متعین اور مقرر پاتا ہوں۔ یہ بات بعض یاروں کو ناگوار معلوم نہ ہو کیونکہ ہمارا اور تمہارا اختیار نہیں۔ بہر صورت انقیاد اور فرمانبرداری لازم ہے۔ شیخ حسن کا طریق مولانا کے طریق کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور مولانا نے آخر میں جو نسبت اس طرف سے حاصل کی تھی شیخ حسن اس نسبت میں شریک ہے اور دوسرے یار اس مطلب سے بے بہرہ ہیں۔ اگرچہ کشف و شہود حاصل کر لیں اور توحید و اتحاد سے متحد ہو جائیں لیکن یہ دولت اور ہے اور یہ کاروبار الگ ہے۔ کشوف کو یہاں جو کے برابر بھی نہیں لیتے اور اس توحید و اتحاد سے پناہ مانگتے ہیں۔

غرض یاروں کو لازم ہے کہ شیخ کی تقدیم میں توقف نہ کریں اور اس کو

سرحلقہ بنا کر اپنے کام میں مشغول ہو جائیں۔ برادرم خواجہ اویس یہ بات یاروں کو سمجھا کر حلقہ مشغولی کی طرف راہنمائی کرے۔ اور شیخ حسن ترغیب و تربیت فرمائے۔ حسن کو بھی چاہیئے کہ پیر بھائیوں کے دل کی محافظت کرے اور برادری کے حقوق بجالائے اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ چھوڑے۔ احکامِ شریعت کو پھیلائے اور سُنت سنیہ کی متابعت کی ترغیب دے۔

اور بدعت سے ڈرلئے اور ہٹائے اور ہمیشہ التجا و تضرع و زاری کرتا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ نفس امارہ دوستوں پر پیشوائی اور ریاست حاصل ہونے کے باعث ہلاکت میں ڈال دے اور خراب و ابتر کر دے۔ ہر وقت اپنے آپ کو قاصر و ناقص جان کر کمال کا طالب رہے۔ نفس و شیطان دو بڑے زبردست دُشمن گھات میں لگے رہتے ہیں ایسا نہ ہو کہ راستہ سے بہکا دیں اور محروم و نا اُمید کر دیں۔ ؎

ہمہ اندر زِ من بتو ایں است کہ تُو طِفلی و خانہ رنگین است

ترجمہ :۔ نصیحت میری تجھ سے ہے بس یہی
کہ رنگیں ہے گھر تو ابھی طفل ہے

مکتوب ۲۲

ہند میں بدعات کا زور

میرے مخدوم و مکرم! اس سلسلہ علیہ کے لوگ اس ملک میں بہت غریب ہیں اور اس مُلک میں رہنے والوں کو بدعتوں کے پھیلنے کے باعث ان بزرگواروں کے طریقہ کے ساتھ جس میں سُنت کا التزام ہے بہت کم مناسبت ہے یہی سبب ہے کہ اس سلسلہ والے لوگوں میں سے بھی بعض نے قصورِ نظر کے باعث اس طریقہ علیہ میں بھی بدعتیں جاری کی ہیں اور لوگوں کے دلوں کو بدعتوں کے اختیار کرنے کی وجہ سے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اس عمل کو اپنے خیال میں اس طریقہ علیہ کی تکمیل گمان کرتے ہیں۔ حاشا و کلا۔ بلکہ یہ لوگ اس طریقہ کے خراب و

برباد کرنے میں کوشش کر رہے ہیں۔ ان کو اس طریقہ کا اصل معاملہ معلوم ہی نہیں ہے۔

هَدَاهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ۔

"اللہ تعالےٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے"۔

مکتوب ۶۳

پہلے شیخ سے مناسبت یا فائدہ نہ ہونے کی بناء پر اُسے چھوڑ کر دُوسرے شیخ کے پاس جانا

حمد و صلوٰت اور تبلیغ دعوات کے بعد گذارش ہے کہ آپ کا خط مُرسلہ پہنچا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ اپنے پیر کے زندہ اور موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب دوسرے شیخ کے پاس جائے اور طلب حق کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

جاننا چاہیئے کہ مقصود حق تعالیٰ ہے اور پیر حق تعالےٰ کی جناب تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ اگر طالب رشید اپنے آپ کو کسی اور شیخ کے پاس لے جائے اور اس کی صحبت میں اپنے دل کو جمع پائے تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں پیر کے اذن کے بغیر طالب اس شیخ کے پاس جائے اور اس سے رُشد و ہدایت طلب کرے لیکن چاہیئے کہ پیر اول کا انکار نہ کرے اور نیکی کے ساتھ اس کو یاد رکھے۔ خاص کر اس وقت کی پیری مُریدی جو محض رسم و عادات کے طور پر ہے۔ جب اس وقت کے پیروں کو اپنی خبر نہیں اور کفر و ایمان کا پتہ نہیں تو پھر اللہ تعالےٰ کی کیا خبر بتلائیں گے اور مریدوں کو کون سا راستہ دکھلائیں گے۔

آں کہ از خویشتن چو نیست خبیر
کے خبر دارد از چناں و چنیں

ترجمہ: جنین کو جبکہ خبر اپنی کچھ بھی نہیں
کیا بتائے گا پھر وہ چناں و چنیں

ایسے مرید پر ہزار ہا افسوس ہے کہ اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ رہے اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کا راستہ تلاش نہ کرے۔ یہ

شیطانی خطرات ہیں جو پیر ناقص کی زندگی کے باعث طالب کو حق تعالیٰ سے ہٹا رکھتے ہیں۔ جہاں دل کی جمعیت اور ہدایت ہو بے توقف ادھر رجوع کرنا چاہیئے اور شیطانی وسوسہ سے پناہ مانگنی چاہیئے۔

مکتوب ۶۵

دُنیا کی مشغولیت سے پرہیز کی تاکید

حمد و صلوٰۃ اور دُعا کے بعد واضح ہو کہ آپ نے اِتنی مُدت سے اپنے باطنی احوال کی کُچھ خبر کوئی نہیں لکھی تاکہ خوشی کا باعث ہوتی۔ دُنیا و مافیہا بے فائدہ اور بے ہودہ امور ہیں۔ اس لائق نہیں ہیں کہ انسان آخرت کے احوال کا تذکرہ چھوڑ کر اپنے بیہودہ کاروباروں میں مشغول رہے۔ اگرچہ آپ کی نیت نیک ہو گی مگر آپ نے سُنا ہی ہو گا کہ حَسَنَاتُ الۡاَبۡرَارِ سَیِّئَاتُ الۡمُقَرَّبِیۡنَ۔ (ابرار کی نیکیاں مقربوں کے گناہ ہیں۔ بہر صورت اپنے احوال کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور طفیلی کو ضروری نہ جاننا چاہیئے۔ اَلضَّرُوۡرَۃُ تُقَدَّرُ بِقَدۡرِهَا (ضرورت بقدر ضرورت ہونی چاہیئے)۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کا احسان ہے کہ یہاں کے فقراء اگرچہ رزق معلوم نہیں رکھتے لیکن سعی و کوشش کے بغیر فراست و وسعت سے گزارہ کر رہے ہیں۔ قدر کفاف یعنی کفایت سے زیادہ رزق پہنچ رہا ہے۔ ہر روز نئی روزی آجاتی ہے اس طرف کے باقی احوال حمد کے لائق ہیں۔ پچھلے چند مہینوں میں پھر وبا کا غلبہ ہو گیا تھا۔ جس جس کی اجل آچکی تھی مر گئے۔ اب وبا دُور ہو گئی ہے۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر اور احسان ہے۔ والسّلام

مکتوب ۶۶ (خان خاناں کے نام)

توبہ اور تقویٰ کے فضائل اور اُس کا طریقہ

چونکہ تمام عمر معصیت اور لغزش اور تقصیر اور بیہودہ کاروائیوں میں گزر

گئی ہے اس لئے مناسب ہے کہ توبہ وانابت کی نسبت کلام کیا جائے اور ورع وتقوے کا بیان کیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

تُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

" اے مومنو! سبھی سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم نجات پا جاؤ "۔

اور فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۔

" اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو ۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری برائیوں کو دور کر کے تمہیں جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہیں "۔

نیز فرماتا ہے :-

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۔ " ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑ دو "۔

گناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص کے لئے واجب اور فرضِ عین ہے ۔ کوئی بشر اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا ۔ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام توبہ سے مستغنی نہیں ہیں تو پھر اوروں کا کیا ذکر ہے ۔ حضرت سید المرسلین خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

إِنَّهُ لَيُغَانُ[1] عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ سَبْعِينَ مَرَّةً ۔

" میرے دل پر پردہ آ جاتا ہے اس لئے رات دن میں ستر بار اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں "۔

پس اگر گناہ اس قسم سے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے جیسے کہ زنا اور شراب کا پینا ۔ اور سرود اور ملاہی کا سننا اور غیر محرم کی طرف

---

[1] غین (تیرگی) ۱۲

بنظر شہوت دیکھنا۔ اور بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ تو ان کی توبہ، ندامت اور استغفار اور حسرت و افسوس اور بارگاہِ الٰہی میں عذر خواہی کرنے سے ہے۔

اور اگر فرائض میں سے کوئی فرض ترک ہو گیا ہو تو توبہ میں اس کا ادا کرنا ضروری ہے اور اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں کے مظالم اور حقوق سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو ان سے توبہ کا طریق یہ ہے کہ بندوں کے حقوق اور مظالم ادا کئے جائیں اور ان سے معافی مانگیں اور اُن پر احسان کریں اور اُن کے حق میں دُعا کریں اور اگر مال و اسباب والا شخص مر گیا ہو تو اس کے لئے استغفار کریں اور اس کا مال اُس کے وارثوں اور اولاد کو دے دیں۔ اور اگر اس کا وارث معلوم نہ ہو تو مال و جنایت کے برابر صاحبِ مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی ہو۔ فقراء و مساکین پر صدقہ و خیرات کر دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو صادق ہیں، سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

مَا مِنْ عَبْدٍ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَامَ فَتَوَضَّاءَ وَصَلّٰى وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ مِنْ ذَنْبِهٖ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ۔

"جب کسی بندہ سے گناہ سرزد ہو تو وضو کرے اور نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

"جو شخص بُرائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو غفور الرحیم پائے گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے:

"جو شخص گناہ کر کے نادم ہوا تو یہ ندامت اُس کے گناہ کا کفارہ ہے۔"

اور حدیث میں ہے :-

اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَالَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ ثُمَّ عَادَ ثُمَّ قَالَهَا ثُمَّ عَادَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ كُتِبَ فِى الرَّابِعَةِ مِنَ الْكَبَائِرِ ۔

"کہ جب آدمی نے کہا میں بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ پھر اس نے گناہ کیا، پھر اسی طرح کہا، پھر گناہ کیا تین بار، چوتھی بار کبیرہ گناہ لکھا جائے گا۔"

ایک اور حدیث میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ "آج کل کرنے والے ہلاک ہو گئے۔"

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کے طور پر فرمایا کہ اے بیٹا! توبہ میں کل تک تاخیر نہ کر۔ کیونکہ موت ناگاہ آجاتی ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرام کے ایک پیسے کا پھیر دینا سو پیسوں کے صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک رتی چاندی کا پھیر دینا اللہ تعالےٰ کے نزدیک چھ سو حج قبول سے افضل ہے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۔

"یا اللہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو نے ہم پر بخشش اور رحمت نہ کی تو ہم زیانکار ہوں گے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

عَبْدِىْ اَدِّ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْكَ تَكُنْ مِنْ اَعْبَدِ النَّاسِ وَانْتَهِ عَمَّا نَهَيْتُكَ عَنْهُ تَكُنْ مِنْ اَوْرَعِ النَّاسِ وَاقْنَعْ بِمَا رَزَقْنَاكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ ۔

"میرے بندے جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے ادا کر۔ تو سب لوگوں

میں سے زیادہ عابد ہو جائے گا۔ اور جن باتوں سے میں نے تجھے
منع کیا ہے ہٹ جا تو سب سے پرہیزگار ہو جائے گا اور جو کچھ
میں نے تجھے رزق دیا ہے، اس پر قناعت کر، تو سب سے
غنی بن جائے گا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو
فرمایا کہ کُنْ وَرِعًا تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ ۔ تو پرہیزگار بن، تمام لوگوں سے
زیادہ عابد بن جائے گا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مثقال ورع ہزار مثقال
نماز روزہ سے بہتر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کو پرہیزگار اور
زاہد اللہ تعالےٰ کے ہمنشین ہوں گے۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرا تقرب حاصل کرنے
کے لئے جیسے کہ ورع کام دیتا ہے ویسے کوئی اور شئے نہیں۔

بعض علماء ربانی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان ان دس چیزوں کو اپنے
اوپر فرض نہ کرے تب تک کامل ورع حاصل نہیں ہوتی۔

(۱) زبان کو غیبت سے بچائے (۲) بدظنی سے بچے (۳) مسخرہ پن یعنی ہنسی
ٹھٹھے سے پرہیز کرے (۴) حرام سے آنکھ بند رکھے (۵) سچ بولے (۶) ہر حال میں
اللہ تعالےٰ ہی کا احسان جانے تاکہ اس کا نفس مغرور نہ ہو (۷) اپنا مال راہِ
حق میں خرچ کرے اور راہِ باطل میں خرچ کرنے سے بچے (۸) اپنے نفس
کے لئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے (۹) نماز کی محافظت کرے (۱۰) سنت و
جماعت پر استقامت اختیار کرے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

"یا اللہ! تو ہمارے لئے نور کامل کر اور ہم کو بخش، تو تمام
باتوں پر قادر ہے"۔

اے میرے مخدوم مکرم ! اور اے شفقت و مکرمت کے نشان والے ! اگر تمام گناہوں سے توبہ میسّر ہو جائے اور تمام محرمات اور مشتبہات سے ورع و تقویٰ حاصل ہو جائے تو بڑی اعلیٰ دولت و نعمت ہے۔ ورنہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض محرمات سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کی برکات و انوار بعض دوسروں میں بھی اثر کر جائیں اور تمام گناہوں سے توبہ و ورع کی توفیق نصیب ہو جائے۔

مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ ۔

"جو چیز ساری حاصل نہ ہو اس کو بالکل ہی ترک نہ کرنا چاہیئے"

مکتوب ۶۸

"خان جہان" کے نام اہم مکتوب۔

عقائد اسلام اور ارکان اسلام کی پوری تفصیل

از صہ ۲۲۸ تا صہ ۲۴۳ ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب ۶۹

مکتوب نصیحت، نماز باجماعت آداب ظاہری و باطنی کے ساتھ ادا کرنا۔

صحیفہ شریفہ جو آپ نے ارسال کیا تھا پہنچا۔ یاروں کی ثابت قدمی اور استقامت کا حال پڑھ کر بہت خوشی حاصل ہوئی۔

زَادَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ ثَبَاتًا وَّ اِسْتِقَامَةً ۔

"اللہ تعالےٰ آپ کو زیادہ سے زیادہ ثابت قدمی اور استقامت عطا فرمائے"

آپ نے لکھا تھا کہ خادم جس امر کے بجالانے کے لئے مامور ہے مع ان یاروں کے جو داخل طریقہ ہیں، ہمیشہ بجالاتا ہے اور پنج وقتی نماز کو پچاس ساٹھ آدمیوں کی جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ اس بات پر اللہ تعالےٰ کی حمد ہے۔ یہ کس قدر اعلیٰ نعمت ہے کہ باطن ذکرِ الٰہی سے معمور ہو اور ظاہر احکام شرعیہ سے آراستہ ہو۔ چونکہ اکثر لوگ اس زمانہ میں نماز کے ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں۔ اور طمانینت اور تعدیل ارکان میں کوشش نہیں کرتے۔ اس لئے اس بارے میں بڑی تاکید اور مبالغہ سے لکھا جاتا ہے۔ غور سے سُنیں۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ چوروں میں سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز سے کس طرح چراتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں چوری یہ ہے کہ رکوع وسجود کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس شخص کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو رکوع وسجود میں اپنی پیٹھ کو ثابت نہیں رکھتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز ادا کرتے دیکھا کہ رکوع سجود پورا نہیں کرتا۔ تو فرمایا کہ تو اللہ تعالےٰ سے نہیں ڈرتا۔ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو دین محمدؐ پر تیری موت نہ ہو گی۔ یعنی تو دین محمدؐ کے برخلاف کریگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کی نماز پوری نہیں ہو گی جب تک رکوع کے بعد سیدھا نہ کھڑا ہو اور اپنی پیٹھ کو ثابت نہ رکھے اور اس کا ہر ایک عضو اپنی اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت اپنی پشت کو درست نہیں رکھتا اور ثابت نہیں رکھتا اس کی نماز تمام نہیں ہوتی۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ایک نمازی کے پاس سے گزرے دیکھا کہ احکام وارکان وقومہ وجلسہ بخوبی ادا نہیں کرتا، تو فرمایا کہ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو قیامت کے دن تو میری امت میں نہ اٹھے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ ایسا وہ شخص ہے جو رکوع و سجود کو بخوبی ادا نہیں کرتا۔

لکھتے ہیں کہ زید بن وہب نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے۔ اور رکوع و سجود بخوبی ادا نہیں کرتا۔ اس مرد کو بُلایا اور اس سے پوچھا کہ تُو کب سے اس طرح کی نماز پڑھ رہا ہے؟ اُس نے کہا کہ چالیس سال سے۔ فرمایا کہ اس چالیس سال کے عرصہ میں تیری کوئی نماز نہیں ہوئی۔ اگر تُو مر گیا تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت پر نہ مرے گا۔

منقول ہے کہ جب بندۂ مومن نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے اور اس کے رکوع و سجود کو بخوبی بجالاتا ہے، اُس کی نماز بشاش اور نورانی ہوتی ہے۔ فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ وہ نماز اپنے نمازی پر دُعا کرتی ہے اور کہتی ہے: حَفِظَكَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ كَمَا حَفِظْتَنِیْ۔ (اللہ تعالےٰ تیری حفاظت کرے جس طرح تُو نے میری حفاظت کی)۔

اور اگر نماز کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا وہ نماز سیاہ رہتی ہے۔ فرشتوں کو اس نماز سے کراہت آتی ہے اور اس کو آسمان پر نہیں لے جاتے۔ وہ نماز اس نمازی پر بددُعا کرتی ہے اور کہتی ہے:-

ضَیَّعَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَمَا ضَیَّعْتَنِیْ۔

"اللہ تعالےٰ تجھے ضائع کرے جس طرح تُو نے مجھے ضائع کیا"۔

پس نماز کو پوری طرح ادا کرنا چاہیئے۔ تعدیلِ ارکان رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ اچھی طرح بجالانا چاہیئے۔ دوسروں کو بھی فرمانا چاہیئے کہ نماز کو کامل طور پر ادا کریں اور طمانیت اور تعدیلِ ارکان میں کوشش کریں۔ کیونکہ اکثر لوگ اس دولت سے محروم ہیں اور یہ عمل متروک ہو رہا ہے۔ اس عمل کا زندہ کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری کسی مُردہ سُنّت کو زندہ کرتا ہے اس کو سَو شہید کا ثواب ملتا ہے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے

کے وقت صفوں کو برابر کرنا چاہیئے۔ نمازیوں میں سے کوئی شخص آگے پیچھے کھڑا نہ ہو۔ کوشش کرنی چاہیئے کہ سب ایک دوسرے کے برابر ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوّل صفوں کو درست کر لیا کرتے تھے پھر تحریمہ کہا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صفوں کو درست کرنا نماز کی اقامت ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔

"یا رب اپنے پاس سے تو ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں سے ہدایت ہمارے نصیب کر۔"

مکتوب ایضاً ۶۹

جہاد میں نیت کی درستی کا اہتمام رکھنا

اے سعادت کے نشان والے! عمل نیت کے ساتھ درست ہوتا ہے۔ چونکہ آپ دارالحرب کے کافروں کے ساتھ جہاد کرنے پر جا رہے ہیں اس لئے اوّل نیت کو درست کریں تاکہ اس پر نتیجہ مرتب ہو۔ اس جنگ و جدال سے مقصود یہ ہونا چاہیئے کہ اسلام کا بول بالا ہو اور دین کے دشمن کو نیچا دیکھیں۔ کیونکہ ہم اسی امر پر مامور ہیں اور جہاد سے مقصود یہی ہے۔ غازیوں کی رسد یا وظیفہ جو بیت المال سے مقرر ہے جہاد کے منافی نہیں اور غازیوں کے اجر میں کچھ کمی نہیں ہوتی بُری نیتیں عمل کو باطل کر دیتی ہیں۔ نیت کو درست کر کے بیت المال سے وظیفہ کھائیں اور جہاد کریں۔ اور غازیوں اور شہیدوں کے اجروں کے امیدوار رہیں۔

آپ کے حال پر رشک آتا ہے کہ آپ باطن میں حق تعالےٰ کے ساتھ مشغول ہو اور ظاہر میں نماز کو جماعت کثیرہ کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دارالحرب کے کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کی دولت سے بھی مشرف ہو گئے ہیں جو شخص سلامت بچ کر آ گیا وہ غازی اور مجاہد ہے۔ جو ہلاک ہو گیا وہ شہید پاک ہے۔ لیکن یہ سب کچھ نیت کے درست کرنے کے بعد متصور ہے۔ اگر نیت کی حقیقت

ثابت نہ ہو تو تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو اس نیت پر لانا چاہیئے۔ اور حق تعالےٰ کی بارگاہ میں بڑی التجا اور زاری کرنی چاہیئے، تاکہ نیت کی حقیقت حاصل ہو جائے۔

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

"یا اللہ! تُو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش۔ تُو سب شے پر قادر ہے۔"

تہجد کی عادت ڈالنا

دوسری نصیحت جو بیان کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ نماز تہجد کو لازم پکڑیں کیونکہ طریقت کی ضروریات میں سے ہے۔ سامنے بھی آپ کو تاکید کی گئی تھی کہ اگر یہ بات آپ کو مشکل معلوم ہوتی ہے اور خلافِ عادت بیدار نہیں ہو سکتے تو متعلقین میں سے کسی کو اس امر پر مقرر کر دیں تاکہ آپ کو اس وقت جبراً اکراہاً جگا دیا کرے۔ اور آپ کو خوابِ غفلت میں نہ پڑا رہنے دے۔ جب چند روز تک اس طرح کریں گے، امید ہے کہ بلا تکلف یہ دولت میسر ہو جائے گی۔

کھانے پینے میں حلال و حرام کی پوری احتیاط رکھنا

اور نصیحت یہ ہے کہ لقمہ میں احتیاط رکھیں۔ یہ اچھا نہیں کہ جو کچھ آیا اور جو جس جگہ سے آیا جھٹ کھا لیا اور حلال و حرام شرعی کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ یہ انسان خود مختار نہیں ہے کہ جو کچھ چاہے کرے، نہیں بلکہ اس کا ایک مولا ہے جس نے اس کو امر و نہی پر مکلف فرمایا ہے اور انبیائے علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اپنی رضامندی اور نارضامندی کو بیان کر دیا ہے۔ وہ بہت ہی بدبخت انسان ہے جو اپنے مالک کی مرضی کے برخلاف کرے اور مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مُلک و ملک میں تصرف کرے۔

بڑی شرم کی بات ہے کہ مجازی حاکم کی رضامندی میں اس قدر کوشش کرتے ہیں کہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے اور مولائے حقیقی کی رضاجوئی

کے لئے جس نے تاکید و مبالغہ کے ساتھ بُرے کاموں سے منع کیا ہے اور جھڑکا ہے کچھ التفات نہیں کرتے ۔

غور کرنا چاہیئے کہ یہ اسلام ہے یا کفر۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ ابھی گزشتہ کا تدارک ہو سکتا ہے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ (گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ اُس نے کوئی گناہ نہیں کیا) قصور کرنے والوں کے لئے بشارت ہے۔ اور اگر کوئی شخص گناہ پر اصرار کرے اور اس پر خوش رہے تو وہ منافق ہے۔ ظاہری اسلام اس کے عذاب و عقاب کو دُور نہیں کر سکے گا۔ اس سے زیادہ کیا تاکید و مبالغہ کیا جائے۔ عاقل کو ایک اشارہ کافی ہے ۔

دُشمنوں کے غلبہ اور خوف کے وقت کا ایک عمل

دوسرے واضح ہو کہ دُشمنوں کے غلبہ اور خوف کے وقت امن و امان کے لئے سُورۃ لِاِیْلٰفِ کا پڑھنا خوب ہے۔ ہر دن اور رات کو کم از کم گیارہ گیارہ بار پڑھا کریں ۔

حدیث نبوی ؐ میں آیا ہے کہ :

مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَا يَضُرُّهٗ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ ۔

"جو شخص کسی جگہ اُترے اور اعوذ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ الخ پڑھے۔ وہاں سے کوچ کرنے تک اس کو کوئی چیز ضرر نہ دے گی "۔

مکتوب ۴۷

آیت " فمنھم ظالم لنفسہ" آیت " انا عرضنا الامانۃ" اور حدیث " ان اللہ خلق آدم علی صورتہ" سے متعلق بعض نکات

صد ۲۵۹ جلد ۲ ملاحظہ کریں ۔

مکتوب ۷۵

مصیبت اور رسوائی میں بھی بعض اوقات منجانب اللہ خیر ہوتی ہے

دُنیا کے زود و رنج اور مصیبتیں اور تکلیفیں دوستوں کے قصوروں کا کفارہ ہیں۔ عاجزی اور زاری اور التجا و انکسار کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے عفو و عافیت طلب کرنی چاہیئے۔ حتیٰ کہ قبولیت کا اثر مفہوم ہو جائے اور فتنہ کا فرو ہونا معلوم ہو جائے۔ اگرچہ دوست اور خیر خواہ سب اس کام میں لگے ہیں مگر صاحب معاملہ اس کام کا زیادہ مستحق ہے۔ دوا کھانا اور پرہیز کرنا بیمار کا کام ہے۔ دوسرے لوگ مرض کے دُور کرنے میں صرف اس کے مددگار ہیں۔

معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو کچھ آئے کشادہ پیشانی اور فراخ دلی سے احسان کے ساتھ اس کو قبول کر لینا چاہیئے۔ بلکہ اس سے لذت حاصل کرنی چاہیئے وہ رسوائی اور بے ناموسی جس میں محبوب کی مراد ہو۔ محب کے نزدیک اس ننگ و ناموس و عزت سے بہتر ہے جس میں محب کے اپنے نفس کی مُراد ہو۔ اگر یہ بات محب کو حاصل نہیں تو محبت میں ناقص بلکہ کاذب ہے۔

ھ

گر طمع خواہد زمن سلطان دین | خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

مجھ سے اگر چاہے طمع سلطان دیں
پھر قناعت کی ہمیں حاجت نہیں

مکتوب ۷۶

قلب اور عرش کا اتصال اور من وجہ قلب کی فضیلت جزئی

صہ ۲۶۳ جلد ۲ ملاحظہ کریں۔

مکتوب ۱۷۷

بزرگوں پر اعتراض ناروا ہے اور اس کی وجہ بزرگوں سے تعلق باقی نہ رکھنا ہے

آپ کو اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں اور حق تعالےٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے مدعی آپ کو اس فتنہ وفساد پر آمادہ کرتے ہیں۔ آپ کو بزرگوں کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ اگر آپ ان مدعیوں کی بنی بنائی اور من گھڑت باتوں پر اعتراض کرتے تو بجا تھا۔ لیکن وہ امر جو قوم کے نزدیک مقرر اور طریقت میں ضروری ہے اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے۔

آپ نے فقیر کے رسالوں اور مکتوبات میں دیکھا ہے کہ توحید شہودی کی نسبت کیا کچھ لکھا ہے۔ اور اس کو طریقت کی ضروریات سے مقرر کیا ہے۔

آپ کو چاہیئے تھا کہ اس کے معنے دریافت کرتے اور ادب سے سوال کرتے۔ یہ پہلا پھول ہے جو مولانا علیہ الرحمہ کی جدائی کے بعد کھلا ہے۔ مولانا کی زندگی میں اس قسم کی باتیں آپ سے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ خیر اچھا ہُوا کہ آپ نے لکھا اور آپ کو آگاہی ہوئی۔ آئندہ بھی جو کچھ ظاہر ہوتا رہے، لکھتے رہا کریں۔ اور صحت وسقم کا ملاحظہ نہ کیا کریں۔ کیونکہ اگر صحیح ہوگا تو خوشی کا باعث ہے اور اگر سقیم ہوگا تو تنبیہ کا باعث ہوگا۔

بہر صورت لکھنے میں سستی نہ کیا کریں۔ سال کے بعد آپ کا خط قافلہ کے ہمراہ آتا ہے۔ سال میں ایک بار تو نصیحتوں کا لکھنا ضروری ہے۔ جب تک آپ نہ لکھیں نہ پوچھیں تب تک گفتگو کا راستہ نہیں کھلتا۔

مکتوب ۷۸

شیخ کی محبت اور فناء فی الشیخ ہونا کلیدِ کامیابی ہے

یہ ایک بڑی خوشگوار دولت ہے جو آپ کے خاندان میں محسوس ہوتی ہے۔ یعنی باوجود اسباب غناء اور استغناء کے پھر بھی آپ کو فقراء کے ساتھ نیازمندی اور اس طبقہ کی خدمت گذاری کا خیال ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس طائفہ علیہ کے ساتھ بڑی محبت و اخلاص ہے اور اس فرقہ ناجیہ کے ساتھ بڑی اعلیٰ دوستی ہے۔ اس گروہ کے محبوں کے لئے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کی بشارت کافی ہے اور اس طائفہ کے جبیبوں کے لئے هُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُهُمْ کی خوشخبری وافی ہے۔ جب اللہ تعالےٰ کی عنایت سے یہ محبت یہاں تک غالب آجائے کہ دل سے دوسروں کی محبت اور تعلقات کو دور کرے اور لوازم محبت یعنی محبوب کی اطاعت اور اُس کی مُراد پر قائم رہنا اور اس کے اخلاق و اوصاف سے متخلق ہونا ظاہر ہو جائے تو اس وقت محبوب میں فنا حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں جو اس راہ میں پہلا زینہ ہے۔

یہی فنا فی الشیخ پھر فنا فی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے جس پر بقا باللہ مترتب ہے جس سے ولایت حاصل ہوتی ہے۔

غرض اگر ابتداء میں کسی کے وسیلہ کے بغیر محبوب حقیقی کا جذب و انجذاب میسر ہو جائے تو بڑی اعلیٰ دولت ہے۔ اسی سے فناء و بقاء حاصل ہوتی ہے ورنہ شیخ کامل مکمل کا وسیلہ ضروری ہے۔ یعنی اپنی مرادوں کو اس کی مراد کے تابع کر دے اور اس میں فانی ہو جائے تاکہ یہ فناء فی اللہ کا وسیلہ بن جائے اور ماسواء کے تعلقات سے بالکل آزاد کر کے درجات ولایت تک پہنچا دے۔

مکتوب ۸۱

مشتبہات اور محرمات سے اجتناب اصل پرہیز گاری ہے

ایسا نہ ہو کہ یارانِ نیک انجام بچوں کی طرح دُنیائے کمینی کی بیہودہ زیب و زینت اور نکمی سج دھج پر جو بظاہر طراوت وحلاوت رکھتی ہے، فریفتہ ہو جائیں اور دشمن لعین کے ورغلانے سے مباح کو چھوڑ کر مشتبہ میں اور مشتبہ سے حرام میں جا پڑیں اور اپنے مولائے جل شانہٗ سے خجل اور شرمندہ ہوں۔ توبہ و انابت میں قدم راسخ رکھنا چاہیئے۔ اور منہیاتِ شرعیہ کو زہر قاتل جاننا چاہیئے ؎

ہمہ اندر زمن بتو ایں است — کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

ترجمہ:- نصیحت ہے، تجھ سے یہی سر بسر
کہ لڑکا ہے تُو اور رنگین ہے گھر

حق تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے اپنے بندوں پر مباحات کا دائرہ وسیع کیا ہے۔ وہ شخص بہت ہی بدبخت ہے جو اپنی تنگدلی کے باعث اس وسعت کو تنگ خیال کر کے اس دائرہ وسیع کے باہر قدم رکھے اور حدودِ شرعیہ سے نکل کر مشتبہ اور محرم میں جا پڑے، حدودِ شرعیہ کو لازم پکڑنا چاہیئے اور ان حدود سے سرِ مو تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔ رسم و عادت کے طور پر نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے بہت ہیں۔ لیکن پرہیز گار جو حدود شرعیہ کی محافظت کریں بہت کم ہیں۔ وہ فارق یعنی فرق کرنے والی شئے جو حق کو باطل سے اور جھوٹے کو سچے سے جُدا کرے، یہی پرہیز گاری ہے کیونکہ نماز و روزہ تو جھوٹا اور سچا دونوں ادا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:- مِلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ۔ (دین کا اصل پرہیز گاری) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لَا تَعْدِلُ بِالْوَرَعَةِ شَیْئًا۔ "پرہیز گاری کے برابر اور کوئی شئے نہیں"۔

یارا اگرچہ پُر تکلف کھانے کھاتے ہیں اور نفیس لباس پہنتے ہیں لیکن لذت کا پانا اور نفع حاصل کرنا فقراء کے لباس و طعام میں ہے ؎

آنکہ آں داد بشاہاں بگدایاں ایں داد

ترجمہ :۔ جو دیا شاہوں کو اس نے گداؤں کو دیا

آں وایں میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ وہ رضائے مولیٰ سے دُور ہے۔ اور یہ اس کی رضا کے نزدیک۔ اور نیز اس کا حساب بھاری ہے اور اس کا حساب ہلکا۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔

" یااللہ تُو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں سے ہمارے نصیب ہدایت کر۔"

مکتوب ۸۶

فرائض کے مقابلہ میں نوافل کی کوئی حیثیت نہیں

اے میرے عزیز اور باتمیز فرزند! دُنیا کی بیہودہ زیب وزینت کی طرف راغب نہ ہونا اور اس فانی سج دھج پر فریفتہ نہ ہونا بلکہ کوشش کرنا کہ تمام حرکات وسکنات میں شریعت روشن کے مطابق عمل کیا جائے اور ملّتِ نورانی کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ اوّل اپنے اعتقاد کو اہل سُنّت والجماعت کے عقائد کے موافق درست کرنا چاہیئے۔ پھر احکام فقہیہ کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ خاص کر اداءِ فرائض میں بڑی کوشش کرنی چاہیئے اور حل وحرمت میں بڑی احتیاط بجالانی چاہیئے۔ اور عباداتِ نافلہ کو عباداتِ فرائض کے مقابلہ میں راستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کی طرح بے اعتبار جاننا چاہیئے۔ اکثر اس زمانہ کے لوگ نفلوں کو رواج دیتے ہیں اور فرائض کو خراب کرتے ہیں۔ نوافل کے ادا کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خوار اور بے اعتبار جانتے ہیں۔

روپیہ سب کا سب وقت بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں لیکن ایک جیتل زکوٰۃ کے طور پر خرچ نہیں کر سکتے۔ یہ نہیں جانتے کہ ایک جیتل زکوٰۃ کے طور پر مصرف شرعیہ میں دینا صدہا صدقہ نافلہ سے بہتر ہے۔ کیونکہ اداءِ زکوٰۃ میں حق تعالےٰ کے حکم کی بجاآوری ہے اور صدقہ نافلہ میں اکثر ہوائے نفسانی کی تابعداری۔

اسی واسطے فرض میں ریاء کی گنجائش نہیں اور نفل میں ریار کا دخل ہے۔ یہی سبب ہے کہ زکوٰۃ کو ظاہر کر کے دینا بہتر ہے تاکہ تہمت دور ہو جائے اور صدقۂ نافلہ کو چھپا کر دینا بہتر ہے۔ جو قبولیت کے لئے مناسب ہے۔

غرض جب تک احکامِ شرعیہ کو لازم نہ پکڑیں تب تک دنیا میں مضرت سے نہیں بچ سکتے۔ اگر دنیا کا ترک حقیقی میسر نہ ہو تو ترک حکمی میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے۔ اور وہ اقوال و افعال میں شریعت کا لازم پکڑنا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ ۔

مکتوب ۸۷

باطن کی درستی ظاہر کی درستی پر موقوف ہے ورنہ الحاد اور استدراج ہے

سب سے اعلیٰ نصیحت جو دوستانِ سعادت مند کے لئے لائق ہے وہ یہ ہے کہ سُنّت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت کریں اور بدعت ناپسندیدہ سے بچیں۔ جو شخص سُنتوں میں سے کسی سُنّت کو جو متروک العمل ہو چکی ہو زندہ کرلے تو اُس کے لئے سو شہید کا ثواب ہے۔ تو پھر معلوم کرنا چاہیئے کہ جب کوئی فرض یا واجب کو زندہ کرے گا تو اس کو کس قدر ثواب ملے گا۔ نماز میں ارکان کا برابر کرنا جو اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام شافعی رح کے نزدیک فرض ہے۔ بعض علماء حنفیہ کے نزدیک سُنّت۔ اکثر لوگوں نے اس امر کو ترک کر دیا ہوا ہے۔ اس ایک عمل کا زندہ اور جاری کرنا سو شہید فی سبیل اللہ کے ثواب سے زیادہ ہو گا۔ باقی احکامِ شرعیہ یعنی حلال و حرام و مکروہ کا بھی یہی حال ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ نیم وانگ اس شخص کو واپس دے دینا جس سے خلافِ شرع ظلم سے لیا ہو، دو سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص کے نیک عمل پیغمبر کے نیک عملوں کی طرح ہوں اور اس پر

نیم دانگ جتنا کسی کا حق باقی رہا ہو، تو اس شخص کو بہشت میں نہ لے جائیں گے جب تک اس نیم دانگ کو ادا نہ کرے گا۔

غرض ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے تاکہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ رہے۔ کیونکہ باطن کی امداد کے بغیر احکام شرعی سے آراستہ ہونا مشکل ہے۔ علماء صرف فتویٰ دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں۔ باطن میں کوشش کرنا ظاہر کی کوشش کو مستلزم ہے۔ اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پرواہ نہ کرے وہ مُلحد ہے اور اس کے وہ باطنی احوال استدراج ہیں۔ باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے۔ استقامت کا طریق یہی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ "اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے"۔

مکتوب ۸۹

زندگی کی قیمت پہچانیں ورنہ محرومی ہو گی

میرے مشفق و مخدوم مکرم! وقت گزرتا چلا جا رہا ہے اور جُوں جُوں گزرتا ہے عمر کم ہوتی جاتی ہے اور موت نزدیک آتی جاتی ہے۔ اگر آپ نے آج فکر نہ کی تو کل ندامت و حسرت اٹھانی پڑے گی۔ کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ چند روزہ زندگی شریعت غرّا کے موافق بسر ہو جائے تاکہ نجات کی امید ہو۔ اب عمل کا وقت ہے عیش و آرام کا وقت ابھی آگے ہے۔ جب اس عمل کا پھل ملے گا عمل کے وقت آرام کرنا گویا اپنی کھیتی کو کچّا کھا جانا اور اس کے پھل سے محروم رہنا ہے۔ زیادہ لکھنا موجب تکلیف ہے۔ ظاہری باطنی دولت آپ کے نصیب ہو۔

مکتوب ۹۰

مخلوق کے ساتھ احسان کرنا بڑی نیکی ہے

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے :۔

اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ وَ اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ۔
"خلق اللہ تعالےٰ کا عیال ہے اور مخلوقات میں سے زیادہ پیارا اللہ تعالےٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو اُس کے عیال کے ساتھ احسان کرے"۔

حق تعالےٰ بندوں کے رزق کا متکفل ہے اور مخلوقات اس کے عیال کی طرح ہے۔ جو شخص کسی کے عیال کے ساتھ غمخواری کرے اور اس کے بوجھ کو اُٹھائے تو وہ شخص اس عیال والے شخص کے نزدیک بہت محبوب ہو گا۔ کیونکہ اُس نے اس کو سبکسار کر دیا ہے اور اس کا بار مؤنت اپنے ذمّے لے لیا ہے اسی سبب آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ حافظ حامد مرد صالح اور قرآن مجید کا قاری ہے۔ کثرت عیالداری کے باعث حیران و پریشان ہے کیونکہ ان کے حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ آپ کے کرم اور بخشش سے امید ہے کہ آپ اس کی مدد و اعانت فرمائیں گے۔ کریموں کو بخشش کے لئے ایک بہانہ کافی ہے۔

مکتوب ۹۲

کشف و کرامت کی پُوری تحقیق پر مبنی ایک اہم مکتوب

برادرم عزیز سیادت پناہ میر محمد نعمان خوشحال رہیں۔ آپ کو واضح ہو کہ خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں۔ جس طرح علماء خوارق کے حاصل کرنے کے لئے مکلف نہیں ہیں اسی طرح اولیاء بھی خوارق کے ظہور پر مکلف نہیں ہیں۔ کیونکہ ولایت قرب الٰہی سے مراد ہے جو ماسوا اللہ کے نسیان کے بعد اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ بعض کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع نہیں بخشتے اور بعض کو یہ قرب بھی دیتے ہیں اور غائبانہ اشیاء کی اطلاع بھی بخشتے ہیں اور بعض کو قرب کچھ نہیں دیتے لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع دے دیتے ہیں۔

یہ تیسری قسم کے لوگ اہل استدراج ہیں۔ نفس کی صفائی نے ان کو غائبانہ کشف میں مبتلا کر کے گمراہی میں ڈالا ہے۔

يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ۔

"گمان کرتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں، خبردار یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پاکر ان کو اللہ تعالےٰ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خبردار یہ شیطان کا گروہ گھاٹا کھانے والا ہے"

ان لوگوں کا نشان حال ہے۔ پہلی اور دوسری قسم کے لوگ جو دولتِ قرب سے مشرف ہیں، اولیاء اللہ ہیں۔ نہ غائبانہ امور کا کشف ان کی ولایت کو بڑھاتا ہے نہ عدم کشف ان کی ولایت کو گھٹاتا ہے۔ ان کے درمیان درجاتِ قرب کے اعتبار سے فرق ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عدم کشف والا باعث زیادہ قرب کے جو اس کو حاصل ہوتا ہے کشف والے شخص سے افضل و پیش قدم ہوتا ہے۔

صاحبِ عوارف جو شیخ الشیوخ ہیں اور تمام گروہوں میں مقبول ہیں اپنی کتاب عوارف میں اس امر کی تصریح کرتے ہیں۔ اگر کسی کو میری بات کا یقین نہ ہو تو اس کتاب میں دیکھ لے۔ وہاں کراماتِ خوارق کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ کرامات و خوارق اللہ تعالےٰ کی بخشش ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض کو کشف و کرامات کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں اور یہ دولت عطا فرماتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک شخص زیادہ اعلیٰ رتبہ رکھتا ہے۔ لیکن خوارق و کرامات اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتے۔ کیونکہ کرامات یقین کی زیادہ تقویت کے لئے عطا فرماتے ہیں اور جب کسی کو صرف یقین حاصل ہو چکا ہو تو اس کو کرامات کی کیا حاجت ہے! یہ سب کرامات ذکرِ ذات اور اس میں قلب کے فانی ہونے کے ماسوا ہیں جو اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ انتہیٰ کلام الشیخ

اور اس گروہ کے امام خواجہ عبداللہ انصاری نے جو شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہے۔ اپنی کتاب منازل السائرین میں فرمایا ہے کہ فراست کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اہلِ معرفت کی فراست۔ دوسری اہل جوع و ریاضت کی فراست۔

اہل معرفت کی فراست طالبوں کی استعداد اور ان اولیاء اللہ کے پہچاننے سے تعلق رکھتی ہے جو حضرت جمع کے ساتھ واصل ہو چکے ہیں اور اہلِ ریاضت و اہل جوع کی فراست غائبانہ صورتوں اور احوال کے کشف پر مخصوص ہے جو مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ اکثر لوگ جو حق تعالےٰ کی بارگاہ سے جُدا ہوتے ہیں اور دُنیا کے ساتھ اشتغال رکھتے ہیں اور جن کے دل صُورتوں کے کشف اور مخلوقات کی غائبانہ خبروں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ امر بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے اور گمان کرتے ہیں کہ یہی لوگ اہل اللہ اور حق تعالیٰ کے خاص بندے ہیں اور اہلِ حقیقت کے کشف سے انکار کرتے ہیں اور اہل حقیقت کو ان احوال میں جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں۔ تہمت لگاتے اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہل حق ہوتے۔ جیسے کہ لوگوں کا گمان ہے۔ تو یہ لوگ بھی ہمارے اور تمام مخلوق کے غیبی احوال بتلاتے۔ جب ان کو کشف احوال پر قدرت نہیں ہے تو ان امور کے کشف پر جو مخلوقات کے احوال سے اعلیٰ ہیں کس طرح قدرت رکھیں گے۔ اور اہلِ معرفت کی فراست کو جو حق تعالےٰ کی ذات و صفات و افعال سے تعلق رکھتی ہے، اپنے اسی قیاس فاسد سے جھوٹا جانتے ہیں اور ان بزرگوں کے علوم و معارف صحیحہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔

اور نہیں جانتے کہ حق تعالےٰ نے ان لوگوں کو خلق کے ملاحظہ سے محفوظ رکھا ہے اور ان کو اپنی جناب پاک کے ساتھ ہی مخصوص کر لیا ہے اور ان کی حمایت و غیرت کے باعث ان کو مخلوقات کی طرف سے ہٹا رکھا ہے۔ اگر یہ لوگ خلق کے احوال کے درپے ہوتے تو بارگاہِ الٰہی کے حضور کی صلاحیت ان میں نہ رہتی۔ انتہی کلامہٗ

اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں فرمائی ہیں اور میں نے اپنے خواجہ قدس سرہٗ سے سُنا ہے فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین بن عربی نے لکھا ہے کہ بعض اولیاء جن سے خوارق و کرامات ظاہر ہوئے ہیں۔ آخر دم میں ان کرامات کے ظہور سے نادم ہوئے ہیں اور یہ خواہش کرتے رہے ہیں کہ کاش ہم سے یہ خوارق و کرامات ظاہر نہ ہوتے۔ اگر فضیلت خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کے

باعث ہوتی تو اس طرح ندامت کیوں کرتے۔

سوال ۹: جب خوارق کا ظاہر ہونا ولایت میں شرط نہیں تو پھر ولی غیر ولی سے کس طرح متمیز ہو سکتا ہے؟ اور سچا جھوٹے سے کس طرح جُدا ہو سکتا ہے؟

جواب: گو متمیز نہ ہو اور جھوٹا سچے کے ساتھ ملا رہے۔ کیونکہ حق کا باطل کے ساتھ ملا رہنا اس جہان کے لوازم میں سے ہے۔ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ اپنی ولایت کا علم نہیں رکھتے تو پھر دوسروں کو اُن کی ولایت کا علم کس طرح ہوگا؟ ہاں نبیؑ کے لئے خوارق کا ہونا ضروری ہے تاکہ نبی اور غیر نبی میں تمیز ہو سکے۔ کیونکہ نبی کے لئے اپنی نبوت کا علم ہونا ضروری ہے۔ اور ولی چونکہ اپنے نبی کی شریعت کے موافق دعوت کرتا ہے نبیؑ کا مُعجزہ اس کیلئے کافی ہے۔ اور اگر ولی اپنے پیغمبر کی شریعت کے سوا دعوت کرتا تو اس کے لئے خوارق کا ہونا ضروری تھا لیکن جب اس کی دعوت اپنے نبی کی شریعت پر مخصوص ہے تو پھر اس کے لئے خوارق کی حاجت نہیں۔ علماء صرف ظاہر شریعت کے موافق دعوت کرتے ہیں اور اولیاء شریعت کے ظاہر اور باطن کے موافق دعوت کرتے ہیں۔ اوّل مریدوں اور طالبوں کو توبہ وانابت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور احکامِ شرعیہ کے بجالانے کی ترغیب دیتے ہیں پھر ذکرِ الٰہی بتاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ تمام اوقات ذکر میں مشغول رہیں تاکہ ذکر غالب آجائے اور مذکور کے سوا دل میں کچھ نہ رہے اور مذکور کے ماسوا کا نسیان یہاں تک ہو جائے کہ اگر تکلف کیساتھ بھی اسکو یاد دلائیں تو اسکو یاد نہ آئے۔

ظاہر ہے کہ ولی کو اس دعوت کیلئے جو شریعت کے ظاہر و باطن سے تعلق رکھتی ہے خوارق کی کیا ضرورت ہے۔ پیری و مریدی اس دعوت سے مراد ہے جس کا خوارق و کرامات سے تعلق واسطہ نہیں۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مرید رشید اور طالب مستعد ہر گھڑی سلوک طریق میں اپنے پیر سے خوارق و کرامات محسوس کرتا ہے اور معاملہ غیبی میں ہر دم اس سے مدد لیتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی نسبت خوارق کا ظاہر ہونا ضروری نہیں لیکن مریدوں کی نسبت کرامات ہی کرامات اور خوارق ہی خوارق ہیں۔ مرید کس طرح پیر کے خوارق کو محسوس نہ کرے۔ جبکہ پیر نے مُردہ دل کو زندہ کر دیا ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک بدنوں کا زندہ کرنا عظیم الشان ہے اور خواص کے نزدیک قلب و روح کا زندہ کرنا اعلیٰ درجہ کی بُرہان ہے۔

خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ رسالہ "قدسیہ" میں فرماتے ہیں کہ جسد کا زندہ کرنا چونکہ اکثر لوگوں کے نزدیک بڑا اعتبار رکھتا تھا۔ اس لئے اہل اللہ اس طرف سے مُنہ پھیر کر روح وقلب کے زندہ کرنے میں مشغول ہُوئے ہیں۔ واقعی جسدی زندگی قلبی و روحانی زندگی کے مقابلہ میں راستہ میں پھینکے ہُوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہے اور اُس کی طرف نظر کرنا عبث و بے فائدہ ہے۔ کیونکہ جسدی زندگی چند روزہ زندگی کا باعث ہے اور روحانی و قلبی زندگی دائمی حیات کا موجب ہے۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ درحقیقت اہلِ اللہ کا وجود ہی کرامت ہے اور خلق کو حق تعالےٰ کی طرف دعوت کرنا اللہ تعالےٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مُردہ دِلوں کا زندہ کرنا اللہ تعالےٰ کی آیات میں سے آیتِ عظمےٰ ہے۔ یہی لوگ اہلِ زمین کا امن اور غنیمت روزگار ہیں۔ بِہِمْ یُرْزَقُوْنَ وَبِہِمْ یُمْطَرُوْنَ (انہی کی طفیل لوگوں پر بارش اُترتی ہے اور انہی کی طفیل ان کو رزق ملتا ہے) انہی کی شان میں وارد ہے۔ ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفاء۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالےٰ کے ہمنشین ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین بدبخت نہیں ہوتا اور ان کا دوست رحمتِ حق سے نااُمید نہیں ہوتا۔

وہ علامت جس سے اس گروہ کا جھوٹا اور سچا جدا ہو سکے یہ ہے کہ جو شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور اس کی مجلس میں دل کو حق تعالےٰ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہو جائے اور ماسوائے کی طرف سے دل سرد ہو جائے وہ شخص سچا ہے اور درجات کے اختلاف کے بموجب اولیاء کے شمار میں ہے مگر یہ بھی ان لوگوں کے لئے ہے جو اس گروہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور جن کو اس گروہ کے ساتھ مناسبت نہیں وہ محرومِ مطلق ہیں۔

مکتوب نمبر ۹۲ ایضاً

حاکمانِ وقت میں دینی غیرت کا ہونا

مکتوب شریف میں سلطانِ وقت کی خدا پرستی اور احکامِ شریعت کے موثق

عدل و انتظام کا حال لکھا ہُوا تھا۔ اس کے مطالعہ سے بہت خوشی حاصل ہُوئی اور کمال ذوق پیدا ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بادشاہِ وقت کو عدل و عدالت کے نور سے منوّر کیا ہُوا ہے اسی طرح ملّتِ محمدیّہ کو بھی بادشاہ کے حسنِ اہتمام سے نصرت و عزت بخشے۔

اے شریعت کے نشان والے۔ اَلشَّرِیعَتُ تَحْتَ السَّیْفِ (شریعت تلوار کے نیچے ہے) کے موافق شریعت غرّا کی ترقی و رواج شاہانِ بزرگ کے حسن انتظام پر موقوف ہے۔ جب سے یہ امر ضعیف ہو گیا ہے اسی دن سے اسلام بھی ضعیف ہو گیا ہے۔ کفارِ ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانیسر میں حوض کرکھیت کے درمیان ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا، اُس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے۔ نیز کفار اپنی رسموں کا کھلم کھلا بجا لا رہے ہیں، اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں۔ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان اس دن نہ روٹی پکائے اور نہ بیچے۔ اور ماہِ مبارک رمضان میں برملا نان و طعام پکاتے اور بیچتے ہیں۔ مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی روک نہیں سکتا۔

ہائے افسوس! بادشاہِ وقت ہم میں سے ہو اور پھر ہم فقیروں کا اس طرح خستہ اور خراب حال ہو۔ بادشاہوں کے اعزاز و اکرام ہی سے اسلام کو رونق تھی اور انہی کی بدولت علماء و صوفیا معزز و محترم تھے اور انہی کی تقویت سے شریعت کے احکام کو جاری کرتے تھے۔

میں نے سُنا ہے کہ ایک دن صاحبِ قرآن امیر تیمور علیہ الرحمۃ بخارا کی گلی سے گزر رہا تھا۔ اتفاقاً اس وقت حضرت خواجہ نقشبند قدس سرّہٗ کی خانقاہ کے درویش خانقاہ کی دریوں اور بستروں کو جھاڑ دے رہے تھے اور گرد سے پاک کر رہے تھے۔ امیر مذکور مسلمانی کے حسن خلق سے جو اس کو حاصل تھا، اس کوچہ میں ٹھہر گیا تاکہ خانقاہ کی گرد کو اپنا صندل و عبیر بنا کر درویشوں کے برکات فیوض سے مشرف ہو۔ شاید اسی تواضع اور فروتنی کے باعث جو اس کو اہل اللہ کے ساتھ

حاصل تھی۔ حسن خاتمہ سے مشرف ہوا۔

منقول ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ امیر کے مرجانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ تیمور مر گیا اور ایمان لے گیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ جمعہ کے دن خُطبہ میں بادشاہوں کے نام جو ایک درجہ نیچے لاکر پڑھتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی تواضع ہے جو شاہانِ بزرگ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی نسبت ظاہر کی ہے۔ اور جائز نہیں رکھتے کہ ان کے نام دین کے بزرگواروں کے نام کے ساتھ ایک درجہ میں مذکور ہوں۔

مکتوب ۹۸

واقعۂ قرطاس اور مشاجرات صحابہؓ سے متعلّق تفصیلی مکتوب

از صفحہ ۲۹۸ تا ۳۰۷ جلد دوم ملاحظہ کریں۔

مکتوب ۹۹

سالک کا اپنی حیثیت سے اُونچے مقام میں جا پُہنچنا

آپ نے پوچھا تھا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک عروج کے وقت اپنے آپ کو انبیاؑ کے اصحابؓ کرام کے مقامات میں پاتا ہے جو انبیاءؑ کے بعد بالاتفاق تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔ بلکہ بسا اوقات اپنے آپ کو انبیاءؑ کے مقامات میں پاتا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس امر سے بعض لوگ وہم کرتے ہیں کہ وہ سالک ان مقامات والوں کے ساتھ برابر اور شریک ہے۔ اور اس وہم وخیال سے سالک کو ردّ وطعن کرتے ہیں اور اس کے حق میں ملامت وشکایت کی زبان دراز کرتے ہیں۔ اس معمہ کو بخوبی حل کرنا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ادنےٰ شخص کا اعلےٰ لوگوں کے مقامات میں پہنچنا کبھی اس طرح ہوتا ہے جس طرح فقراء و محتاج دولتمندوں کے دروازوں اور منعموں کے خاص مکانوں میں جا نکلتے ہیں تاکہ ان سے اپنی حاجت طلب کریں اور ان کی دولت و نعمت سے کچھ مانگیں۔ وہ بہت ہی بے وقوف ہے جو اس طرح کے جانے کو برابری اور شرکت خیال کرے۔ کبھی یہ وصول تماشا کے طور پر ہوتا ہے۔ تاکہ کسی واسطہ اور وسیلہ سے امیروں اور بادشاہوں کے خاص مکانوں کا سیر کریں اور اعتبار کی نظر سے تماشا کریں۔ تاکہ بلندی کی رغبت پیدا ہو۔ اس وصول سے برابری کا وہم کس طرح ہو سکتا ہے اور اس سیر و تماشا سے شرکت کا خیال کس طرح پیدا ہو سکتا ہے اور خادموں کا اپنے مخدوموں کے خاص مکانوں میں اس غرض کے لئے جانا کہ حقِ خدمت بجالائیں ہر ایک ادنیٰ اعلیٰ کو معلوم ہے۔ وہ بے وقوف ہی ہوگا جو اس وصول سے برابری و شرکت کا وہم کرے گا۔ فراش و مگس ران اور شمشیر بردار ہر وقت بادشاہوں کے ہمراہ رہتے ہیں اور اُن کے خاص خاص مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں وہ خبطی اور دیوانہ ہے جو اس سے شرکت و مساوات کا وہم کرے ؎

بلائے دردمنداں از در و دیوار مے آید

ترجمہ: "در و دیوار سے آتی بلا ہے دردمندوں کی"

لوگ بے چارے سالک کی ملامت کے لئے بہانہ طلب کرتے ہیں اور اس کی طعن و تشنیع کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ تلاش کرتے ہیں۔ حق تعالےٰ ان کو انصاف دے۔ ان کو چاہیئے تھا کہ اس بے چارہ کے حق میں کوئی ایسی وجہ ڈھونڈتے جس سے شر و ملامت اس سے دُور ہوتی اور مُسلمان کی عزت محفوظ رہتی۔

طعن کرنے والوں کا حال دو امر سے خالی نہیں۔ اگر ان کا یہ اعتقاد ہے کہ اس حال والا شخص ان مقاماتِ عالیہ والے لوگوں کے ساتھ شرکت و مساوات کا معتقد ہے تو واقعی اس کو کافر زندیق خیال کریں اور مسلمانوں کے گروہ سے خارج تصور کریں۔ کیونکہ نبوت میں شریک ہونا اور انبیاءؑ کے ساتھ برابری

کرنا کفر ہے۔ ایسے ہی شیخین کی افضلیت کا حال ہے۔ جو صحابہؓ اور تابعینؒ کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو بہت سے آئمہ بزرگواران نے جن میں سے ایک امام شافعیؒ ہیں، نقل کیا ہے بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کو باقی تمام امت پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی فضیلت نہیں۔ وہ تھوڑا سا فعل جو اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی کمی کے وقت دین متین کی تائید اور حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے اصحاب کرامؓ سے صادر ہوا ہے۔ دوسرے لوگ عمر بھر ریاضتوں اور مجاہدوں سے طاعتیں بجا لائیں۔ تو بھی اس فعل یسیر کے برابر نہیں ہو سکتیں اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

"اگر تم میں سے کوئی کوہِ احد جتنا سونا اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرے تو میرے اصحاب کے ایک آدھ مد جَو کے خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں ہوتا۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اسی واسطے افضل ہیں کہ ایمان میں تمام سابقین میں سے اسبق اور بڑھے ہوئے ہیں اور خدماتِ لائقہ میں اپنے مال و جان کو بکثرت خرچ کیا ہے۔ اسی واسطے آپ کی شان میں نازل ہوا ہے :-

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قَاتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۔

"نہیں برابر تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح سے اوّل خرچ کیا اور لڑائی کی، یہ لوگ زیادہ درجے والے ہیں، اُن لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑائی کی اور اللہ تعالےٰ نے سب کے لئے حسنیٰ یعنی جنّت کا وعدہ دیا ہے۔"

مکتوب نمبر ۹۹ ایضاً

انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ پر مصائب اور پریشانیوں کا پیش آنا اور اُس کی حکمتیں

آپ نے پُوچھا تھا کہ کیا باعث ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء علیہم الرضوان دُنیا میں اکثر بلا و مصائب اور رنج و تکلیف میں مبتلا و گرفتار رہے ہیں، جیسے کہ کہا گیا ہے :-

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔

"لوگوں میں زیادہ بلا و مصیبت والے انبیاء ہیں، پھر اولیاء، پھر اُن کے ہم مثل، پھر اُن کے ہم مثل"۔

اور حق تعالےٰ اپنی کتاب مجید میں فرماتا ہے :-

مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ -

"جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے"۔

اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص زیادہ بُرائیاں کرے اس پر زیادہ مصیبتیں آتی ہیں۔ تو چاہیئے کہ پہلے انبیاء اور اولیاء کے سوا اور لوگ بلا و مصیبت میں گرفتار ہوں اور پھر اولیاء و انبیاء۔ اور نیز یہ بزرگوار اصالت و تبعیت کے طور پر حق تعالےٰ کے محبوب اور اس کے خواص مقربین ہیں۔ حق تعالےٰ اپنے محبوبوں اور خواص مقربوں کو بلیّات و رنج کے حوالے کیوں کرتا ہے اور دُشمنوں کو ناز و نعمت میں اور دوستوں کو رنج و مصیبت میں کیوں رکھتا ہے ؟

جواب :- اللہ تعالےٰ آپ کو سعادت مند کرے اور سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ آپ کو واضح ہو کہ دُنیا نعمت و لذّت کے لئے نہیں ہے وہ آخرت ہی ہے جو نعمت و لذّت کے لئے تیار کی گئی ہے۔ چونکہ دُنیا اور آخرت ایک

دوسرے کی سوکن اور ضد اور نقیض ہیں۔ اور ایک کی رضامندی میں دوسرے کی ناراضگی ہے۔ اس لئے ایک میں لذت پانا دوسرے میں رنج والم کا باعث ہوگا۔ پس انسان جس قدر دُنیا میں لذت ونعمت کے ساتھ رہے گا اسی قدر زیادہ رنج والم آخرت میں اُٹھائے گا۔ ایسے ہی جو شخص دُنیا میں زیادہ تر رنج والم میں مُبتلا ہوگا۔ آخرت میں اُسی قدر زیادہ ناز ونعمت میں ہوگا۔ کاش دُنیا کی بقا کو آخرت کی بقا کے ساتھ وہی نسبت ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ مگر متناہی کو غیر متناہی کے ساتھ کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ اسی لئے دوستوں کو اپنے فضل وکرم سے اس جگہ کی چند روزہ محنت ومصیبت میں مُبتلا کیا تاکہ ان کو دائمی ناز ونعمت میں محظوظ ومسرور فرمائے اور دُشمنوں کو مکر و استدراج کے بموجب تھوڑی سی لذتوں کے ساتھ محظوظ کر دیا تاکہ آخرت میں بے شمار رنج والم میں گرفتار رہیں۔

سوال :۔ کافر فقیر جو دُنیا وآخرت میں محروم ہے۔ دُنیا میں اس کا دردمند و مصیبت زدہ رہنا آخرت میں لذت ونعمت پانے کا باعث نہ ہُوا۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب :۔ کافر خدا کا دشمن اور دائمی عذاب کا مستحق ہے۔ دُنیا میں اس سے عذاب کا دُور رکھنا اور اُس کو اپنی وضع پر چھوڑ دینا اس کے حق میں عین ناز و نعمت ولذت ہے۔ اسی واسطے کافر کے حق میں دُنیا پر جنت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دُنیا میں بعض کفار سے عذاب بھی رفع کر دیتے ہیں اور لذت و نعمت بھی دیتے ہیں۔ اور بعض سے صرف عذاب ہی ہٹا رکھتے ہیں اور لذت ونعمت کچھ نہیں دیتے۔ بلکہ فرصت ومہلت کی لذت اور عذاب کے دُور ہونے پر کفایت کرتے ہیں۔ لِکُلِّ ذٰلِكَ حِكَمٌ وَمَصَالِحُ" ۔ " ہر ایک کے لئے کوئی نہ کوئی حکمت وبہتری ہے "۔

سوال :۔ حق تعالےٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور توانا ہے کہ دوستوں کو دُنیا میں بھی لذت ونعمت بخشے اور آخرت میں بھی ناز ونعمت کرامت فرمائے اور اُن کے حق میں ایک کا لذت پانا دوسرے میں دردمند ہونے کا باعث

نہ ہو۔ اُس کے جواب کئی ہیں۔

ایک یہ کہ دُنیا میں جب تک چند روزہ محنت و بلیات کو برداشت نہ کرتے تو آخرت کی لذت و نعمت کی قدر نہ جانتے اور دائمی صحت و عافیت کی نعمت کو کما حقہٗ معلوم نہ کر سکتے۔ چنانچہ جب تک بھوک نہ ہو طعام کی لذت نہیں آتی اور جب تک مصیبت میں مُبتلا نہ ہوں فراغت اور آرام کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔ گویا ان کی چند روزہ مصیبتوں سے مقصود یہ ہے کہ ان کو دائمی ناز و نعمت کامل طور پر حاصل ہو۔ یہ ان لوگوں کے حق میں سراسر جمال ہے جو عوام کی آزمائش کے لئے جلال کی صُورت میں ظاہر ہُوا ہے۔

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا۔

"اکثر کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے"۔

جواب دوم: بلیات و محن اگرچہ عوام کے نزدیک تکلیف کے اسباب ہیں۔ لیکن ان بزرگواروں کے نزدیک جو کچھ جمیل مطلق کی طرف سے آئے ان کی لذت نعمت کا اسباب ہے۔ یہ لوگ بلیتوں سے ویسے ہی لذت حاصل کرتے ہیں جیسے کہ نعمتوں سے، بلکہ بلایا سے زیادہ محظوظ ہوتے ہیں کیونکہ ان میں محبوب کی خالص مراد ہے اور نعمتوں میں یہ خلوص نہیں ہے۔ کیونکہ نفس نعمتوں کو چاہتا ہے اور بلا و مصیبت سے بھاگتا ہے۔

پس بلا ان بزرگواروں کے نزدیک عین نعمت ہے اور اس میں نعمت سے بڑھ کر لذت ہے۔ وہ حظ جو اُن کو دُنیا میں حاصل ہے وہ بلیات و مصائب ہی کے باعث ہے۔ اگر دُنیا میں یہ نمک بھی نہ ہوتا تو اُن کے نزدیک جَو کے برابر بھی قیمت نہ رکھتی۔ اور اگر اس میں یہ حلاوت نہ ہوتی تو ان کو عبث و بے فائدہ دکھائی دیتی۔

غرض از عشق تو ام چاشنئ درد و غم است
ورنہ زیر فلک اسباب تنعم چہ کم است

ترجمہ: "عشق سے تیرے غرض ہے چاشنئ درد و غم
ورنہ نیچے آسمان کے کونسی نعمت ہے کم"

حق تعالیٰ کے دوست دُنیا میں بھی متلذذ ہیں اور آخرت میں بھی محظوظ و مسرور ہیں۔ ان کی یہ دُنیاوی لذت اُن کی آخرت کی لذت کے مخالف نہیں۔ وہ حظ جو آخرت کے حظ کے مخالف ہے اور ہے جو عوام کو حاصل ہے۔ الٰہی یہ کیا ہے جو تُو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمایا ہے کہ جو کچھ دوسرے کے رنج و الم کا سبب ہے وہ ان کی لذت کا باعث ہے اور جو کچھ دُوسروں کے لئے زحمت ہے اُن کے واسطے رحمت ہے۔ دوسروں کی نقمت ان کی نعمت ہے۔ لوگ شادی میں خوش ہیں اور غمی میں غمناک۔ یہ لوگ شادی میں بھی اور غم میں بھی خوش و خُرم ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر افعالِ جمیلہ و رذیلہ کی خصوصیتوں سے اُٹھ کر ان افعال کے فاعل یعنی جمیل مطلق کے جمال پر جا لگی ہے اور فاعل کی محبت کے باعث اُس کے افعال بھی اُن کی نظروں میں محبوب اور لذت بخش ہو گئے ہیں جو کچھ جہان میں فاعل جمیل کی مراد کے موافق صادر ہو خواہ رنج و ضرر کی قسم سے ہو وہ اُن کے محبوب کی عین مراد ہے اور اُن کی لذت کا موجب ہے۔

خداوندا! یہ کیسا فضل و کرامت ہے کہ ایسی پوشیدہ دولت اور خوشگوار نعمت اغیار کی نظرِ بد سے چھپا کر اپنے دوستوں کو تُو نے عطا فرمائی ہے اور ہمیشہ ان کو اپنی مراد پر قائم رکھ کر محظوظ و متلذذ کیا ہے اور کراہت و تالّم جو دوسروں کا نصیب ہے ان بزرگواروں سے دُور کر دیا ہے اور ننگ و رسوائی کو جو دوسروں کا نصیب ہے اس گروہِ بلند کا جمال و کمال بنایا ہے یہ نامرادی ان کی عین مراد ہے اور ان کا یہ دُنیاوی التذاذ و سُرور دوسروں کے برعکس آخرت کے حظوظ کی ترقیوں کا باعث ہے:۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

"یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے"

جواب سوم یہ ہے کہ یہ دار دارِ ابتلاء و آزمائش ہے۔ جس میں حق باطل کے ساتھ اور جھوٹا سچے کے ساتھ ملا جلا ہے۔ اگر دوستوں کو بلاء و محنت نہ دیتے اور صرف دُشمنوں کو دیتے تو دوست دُشمن کی تمیز نہ ہوتی اور ابتلاء و

آزمائش کی حکمت باطل ہوتی ۔ یہ امر ایمان غیب کے منافی ہے جس میں دُنیا و آخرت کی سعادتیں شامل ہیں۔ آیت کریمہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (غیب پر ایمان لاتے ہیں) اور آیت کریمہ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ (اللہ تعالٰے جانتا ہے جو شخص اُس کی اور اُس کے رسول کی غائبانہ مدد کرتا ہے، بے شک اللہ تعالٰے طاقت ور اور غالب ہے) اسی مضمون کی رمز ہے۔

پس دشمنوں کی آنکھ میں خاک ڈال کر دوستوں کو بھی محنت و بلا میں مبتلا کیا ہے تاکہ ابتلا و آزمائش کی حکمت تمام ہو۔ اور دوست عین بلا میں لذت پائیں اور دشمن دل کے اندھے خسارہ اور گھاٹا کھائیں۔ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ۔ (اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے) انبیاء کا معاملہ کفار کے ساتھ اسی طرح ہُوا ہے کہ کبھی اس طرف کا غلبہ ہُوا ہے اور کبھی اس طرف کا۔ جنگِ بدر میں اہل اسلام کو فتح ہوئی اور جنگ احد میں کافروں کو غلبہ ہُوا۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے :-

اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُھَدَآءَ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ ۔

"اگر تم کو زخم لگا ہے تو آگے بھی لوگوں کو ایسے ہی زخم لگے ہیں اور ان دنوں کو اللہ تعالٰے لوگوں میں بدلاتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالٰے ایمان داروں کو جان لے اور تم میں سے گواہ بنالے اور اللہ تعالٰی ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور اس لئے کہ اللہ تعالٰے ایمانداروں کو خالص کرے اور کافروں کو مٹا دے۔

جواب چہارم یہ ہے کہ حق تعالٰے سب چیزوں پر قادر ہے اور توانا ہے کہ دوستوں کو یہاں بھی ناز و نعمت عطا فرمائے اور وہاں بھی لیکن یہ بات حق تعالٰی کی حکمت و عادت کے برخلاف ہے۔ حق تعالٰے دوست رکھتا ہے کہ اپنی

قدرت کو اپنی حکمت و عادت کے پیچھے پوشیدہ رکھے اور اسباب و علل کو اپنے جناب پاک کا روپوش بنائے۔

پس دُنیا و آخرت کے باہم نقیض ہونے کے باعث دوستوں کے لئے دُنیا کی محبت و بلا ہونا ضروری ہے تاکہ آخرت کی نعمتیں اُن کے حق میں خوشگوار ہوں۔ یہی مضمون اصل سوال کے جواب میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور اصل سوال کا جواب دیتے اور کہتے ہیں کہ درد و بلا و مصیبت کا سبب اگرچہ گناہوں اور بُرائیوں کا کرنا ہے لیکن درحقیقت بلا و مصیبت ان بُرائیوں کا کفارہ اور ان گناہوں کے ظلمات کو دُور کرنے والی ہیں پس کرم یہی ہے کہ دوستوں کو زیادہ نہ زیادہ بلا و محنت دیں تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ اور ازالہ ہو۔ دوستوں کے گناہوں اور بُرائیوں کو دشمنوں کے گناہوں اور بُرائیوں کی طرح نہ خیال کریں۔

آپ نے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ سُنا ہوگا اور اگر ان سے گناہ عصیان بھی صادر ہو تو اور لوگوں کے گناہ و عصیان کی طرح نہ ہوگا بلکہ وہ سہو و نسیان کی قسم سے ہوگا اور عزم و جد سے پاک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰٓی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔

"ہم نے اس سے اول آدم سے عہد کیا تھا لیکن اس نے بھلا دیا اور ہم نے اس کا کوئی عزم و قصد نہ پایا"۔

پس درد و مصائب کا زیادہ ہونا بُرائیوں کے زیادہ کفارہ ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ کہ بُرائیوں کے زیادہ کمانے پر، دوستوں کو زیادہ بلا دیتے ہیں تاکہ اُن کے گناہوں کا کفارہ کر کے ان کو پاکیزہ لے جائیں اور آخرت کی محنت سے ان کو محفوظ رکھیں۔

منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکرات موت کے وقت جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اُن کی بے قراری و بے آرامی دیکھی تو حضرت فاطمہ زہراؓ بھی جن کو آنحضرتؐ نے اَلْفَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّیْ (فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے) فرمایا تھا۔ کمال و شفقت و مہربانی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھتی

تھیں۔ نہایت بے قرار و بے آرام ہوگئیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بیقراری و بے آرامی کو دیکھا تو حضرت زہرؓا کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تیرے باپ کے لئے یہی ایک محنت و تکلیف ہے۔ اس سے آگے کوئی تکلیف و مصیبت نہیں۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ چند روزہ محنت کے عوض دائمی سخت عذاب دُور ہو جائے۔ ایسا معاملہ دوستوں کے ساتھ کرتے ہیں دوسروں کے ساتھ اس طرح نہیں کرتے اور ان کے گناہوں کا کفارہ کما حقہٗ اس جگہ نہیں فرماتے بلکہ ان کی جزا آخرت پر ڈال دیتے ہیں۔

پس ثابت ہُوا کہ دوست ہی دُنیاوی رنج و بلا کے زیادہ مستحق ہیں اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں کیونکہ اُن کے گناہ کبیرہ ہیں اور التجا و تضرع و استغفار و انکسار سے بے بہرہ ہیں اور گناہوں کے کرنے پر دلیر ہیں اور ارادہ و قصد سے گناہ کرتے ہیں جو تمرّد و سرکشی سے خالی نہیں ہیں۔ اور عجب نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی آیات پر ہنسی اُڑائیں اور انکار کریں اور جزا گناہ کے اندازہ کے موافق ہے۔ اگر گناہ خفیف ہے اور گناہ کرنے والا بھی التجا و زاری کرنے والا ہے تو اُس گناہ کا کفارہ دُنیاوی بلا و رنج سے ہو جائے گا اور گناہ غلیظ و شدید و ثقیل ہے اور گناہ کرنے والا سرکش و متکبّر بھی ہے تو وہ جرم آخرت کی جزا کے لائق ہے جو گناہ کی طرح شدید اور دائمی ہے :۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔

"اللہ تعالےٰ نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں"۔

آپ نے لکھا تھا کہ لوگ ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالےٰ اپنے دوستوں کو بلا و محنت کیوں دیتا ہے؟ اور ہمیشہ ناز و نعمت میں کیوں نہیں رکھتا۔ اور اس گفتگو سے اس گروہ کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ کفار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس قسم کی باتیں کہا کرتے تھے :۔

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۔

"یہ رسول کیسا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے کیوں
نہیں اس پر فرشتہ اُترا تاکہ اُس کے ساتھ ہو کر لوگوں کو ڈراتا یا اُس
کو خزانہ دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس سے کھایا کرتا۔"

ایسی باتیں وہی شخص کرتا ہے جس کو آخرت اور اُس کے دائمی عذاب و ثواب کا انکار ہو۔ اور دُنیا کی چند روزہ فانی لذتیں اس کی نظر میں بڑی عزیز اور شاندار دکھائی دیتی ہوں۔ کیونکہ جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے ثواب و عذاب کو دائمی جانتا ہے۔ دنیاوی چند روزہ فانی بلا و محنت اس کو ہیچ نظر آتی ہیں بلکہ اس چند روزہ محنت کو جس سے ہمیشہ کی راحت حاصل ہو عین راحت تصور کرتا ہے اور لوگوں کی گفتگو پر نہیں جاتا۔ درد و بلا و محنت کا نازل ہونا محبت کا گواہ عادل ہے۔ کور باطن اور بے وقوف لوگ اگر اس کو محبت کے منافی جانیں تو جانیں۔ جاہلوں اور ان کی گفتگو سے روگردانی کے سوا اور کوئی علاج نہیں۔
فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا۔ "پس اچھا صبر کر۔"

اصل سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بلا تازیانۂ محبوب ہے جس کے ذریعہ محب اپنے محبوب کے ماسوا کی التفات سے ہٹ کر کلی طور پر محبوب کی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ پس درد و بلا کے لائق دوست ہی ہیں اور یہ بلا اس بُرائی کا کفارہ ہے کہ ان کا التفات ماسوا کی طرف ہے اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں ان کو زور سے محبوب کی طرف کیوں لائیں جس کو چاہتے ہیں مار کوٹ کر بھی محبوب کی طرف لے آتے ہیں اور اُس کو محبوبیت سے سرفراز فرماتے ہیں اور جس کو محبوب کی طرف لانا نہیں چاہتے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر سعادت ابدی اُس کے شامل حال ہو گئی تو توبہ و انابت کی راہ سے ہاتھ پاؤں مار کر فضل و عنایت کی امداد سے مقصد تک پہنچ جائے گا۔ ورنہ وہ جانے اور اس کا کام۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ۔
"یا اللہ تُو مجھے ایک لحظہ بھی اپنے حال پر نہ چھوڑ۔"

پس معلوم ہوا کہ مریدوں کی نسبت مرادوں پر زیادہ بلا آتی ہے۔ اسی

واسطے آنحضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جو مرادوں اور محبوبوں کے
یس ہیں فرمایا ہے کہ :-

مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ۔

" کسی نبی کو اتنی ایذا نہیں پہنچی جتنی مجھے پہنچی ہے "

گویا بلا دلّالہ اور رہنما ہے جو اپنی حسن دلالت سے ایک دوست کو دوسرے دوست تک پہنچا دیتی ہے اور دوست کے ماسویٰ کی التفات سے پاک کر دیتی ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ دوست کروڑہا دے کر بلا کو خریدتے ہیں، اور دوسرے لوگ کروڑہا دے کر بلا کو رفع کرنا چاہتے ہیں۔

سوال :- کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درد و بلا کے وقت دوستوں سے بھی اضطراب و کراہت مفہوم ہوتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب :- یہ اضطراب و کراہت بتقاضائے بشری ضروری ہے اور اس کے باقی رکھنے میں کئی طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر نفس کے ساتھ جہاد و مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

آپ نے سُنا ہو گا کہ دین و دنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سکرات موت کے وقت کس قسم کی بے قراری و بے آرامی ظاہر ہوئی تھی وہ گویا نفس کے جہاد کا بقیہ تھا تا کہ حضرت خاتم الرّسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاتمہ اللہ کے دشمنوں کے جہاد پر ہو۔

شدّتِ مجاہدہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ صفات بشریت کے تمام مادّے دُور ہو جائیں اور نفس کو کمال فرمانبردار بنا کر اطمینان کی حقیقت تک پہنچائیں اور پاک و پاکیزہ رکھیں۔

گویا بلاء بازار محبت کی دلّالہ ہے اور جو کوئی محبت نہیں رکھتا اس کو دلّالہ سے کیا کام ہے ؟ اور دلّالگی اُس کے کس کام آئے گی اور اس کے نزدیک کیا قدر و قیمت رکھے گی ؟

وُرُودِ بلا کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محبِّ صادق اور مدّعیٔ کاذب کے درمیان تمیز ہو جاتی ہے۔ اگر صادق ہے تو بلاء کے آنے سے متلذذ و محظوظ

ہوگا۔ اور اگر مدعی کاذب ہے تو بلا سے کراہت و رنج اس کے نصیب نہ ہوگا۔ سوائے صادق کے اس تمیز کو کوئی نہیں معلوم کر سکتا۔ صادق ہی کراہت والم کی حقیقت کو کراہت والم کی صورت سے جدا کر سکتا ہے اور صفاتِ بشریت کی حقیقت کو صفاتِ بشریت کی صورت سے الگ کر سکتا ہے۔

اَلْوَلِیُّ یَعْرِفُ الْوَلِیَّ "ولی را ولی مے شناسد" اسی بیان کی رمز ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْھَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ۔

"اور اللہ تعالٰے ہی راہِ راست کی طرف ہدایت کرنے والا ہے"

بحمد اللہ! "مکتوبات امام ربانی" دفتر دوم کا انتخاب مکمل ہوا۔

مکتوباتِ امام ربانی

دفتر (حصہ) سوم

مکتوب ۲

ایک ابتلاء اور پریشانی کے زمانہ میں اپنے بیٹوں کے نام مکتوب گرامی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَفِی الْیُسْرِ وَفِی الْعُسْرِ وَالنِّعْمَۃِ وَالنِّقْمَۃِ وَفِی الرَّحْمَۃِ والزحمۃ وَفِی الشِّدَّۃِ وَالرَّخَاءِ وَفِی الْعَطِیَّاتِ وَالْبَلَاءِ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ اِیْذَائِہٖ وَمَا ابْتُلِیَ رَسُوْلٌ مِثْلَ اِبْتِلَائِہٖ وَلِھٰذَا صَارَ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَسَیِّدَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ۔

"خوشی اور رنج اور تنگی و فراخی اور نعمت و عذاب اور رحمت و زحمت اور دکھ سکھ اور عطاء و بلا میں اللہ رب العٰلمین کی حمد ہے اور صلوٰۃ وسلام ہو اُس رسولؐ پر جس کے برابر کسی اور رسول کو ایذا نہیں دی گئی اور نہ ہی اُس جیسا کوئی نبی بلاء میں مبتلا ہوا ہے۔ اسی واسطے تمام اہل جہان کے لئے رحمت اور اولین و آخرین کے سردار بن گئے"

اے فرزندانِ عزیز! ابتلا کا وقت اگرچہ تلخ و بے مزہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر فرصت دیں تو غنیمت ہے تم کو اب فرصت مل گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی حمد بجالا کر اپنے کام میں لگے رہو اور ایک دم بھی فراغت و آرام اپنے لئے پسند نہ کرو۔ اور تین

چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہو۔ قرآن مجید کی تلاوت کرو یا لمبی قرأت کے ساتھ نماز کو ادا کرو یا کلمہ طیبہ لا اِلٰہ اِلّا اللہ کا تکرار کرتے رہو۔

کلمہ لَا اِلٰہ کے ساتھ حق تعالےٰ کے سوا تمام جھوٹے خداؤں اور اپنے نفس کی نفی کرنی چاہیئے اور اپنی تمام مُرادوں اور مقصدوں کو دفع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اپنی مراد کا طلب کرنا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے بلکہ سینہ میں کسی مُراد کی گنجائش نہ رہے اور متخیلہ میں کوئی ہوس باقی نہ رہے تاکہ بندگی کی حقیقت حاصل ہو۔ اپنی مراد کا طلب کرنا گویا اپنے مولا کی مراد کو دفع کرنا اور اپنے مالک کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ اس امر میں اپنے مولیٰ کی نفی اور اپنے مولا بننے کا اثبات ہے۔

اس امر کی بُرائی اچھی طرح معلوم کرکے اپنی الوہیت کے دعوےٰ کی نفی کرو تاکہ تمام ہوا و ہوس سے کامل طور پر پاک ہو جاؤ۔ اور طلب مولےٰ کے سوا تمہاری کوئی مُراد نہ رہے۔ یہ مطلب اللہ تعالےٰ کی عنایت سے بلا و ابتلاء کے زمانہ میں بڑی آسانی سے میسّر ہو جاتا ہے اور اس زمانے کے سوا ہوا و ہوس سدِ سکندری ہے۔

گوشہ میں بیٹھ کر اس کام میں مشغول رہو کہ اب فرصت غنیمت ہے۔ فتنہ کے زمانے میں تھوڑے کام کو بہت اجر کے عوض قبول کر لیتے ہیں اور فتنہ کے زمانے کے سوا سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہیں۔ اطلاع دینا ضروری ہے شاید مُلاقات ہو یا نہ ہو۔ یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد و ہوس نہ رہے۔ اپنی والدہ کو بھی اس امر پر اطلاع دے دو اور اسے اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دو۔ باقی احوال چونکہ یہ جہان فانی اور گزرنے والا ہے کیا لکھے جائیں چھوٹوں پر شفقت رکھو اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دو۔ اور جہاں تک ہو سکے تمام اہلِ حقوق کو ہماری طرف سے راضی کرو اور ایمان کی سلامتی کی دُعا سے ممد و معاون رہو۔

بار بار یہی لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بے ہُودہ امور میں ضائع نہ کرو۔ اور ذکرِ الٰہی کے سوا کسی کام میں مشغول نہ ہو۔ اب کتابوں کے مطالعہ اور طلباء

کے تکرار کا وقت نہیں ہے۔ اب ذکر کا وقت ہے۔ تمام نفسانی خواہشوں کو جو جھوٹے خدا ہیں، لاَ کے نیچے لا کر سب کی نفی کردو اور کوئی مراد و مقصود دینے ہیں، نہ رہنے دو حتّٰی کہ میری خلاصی بھی جو کہ تمہارے لئے نہایت ضروری ہے تمہاری مراد و مطلوب نہ ہو۔ اور حق تعالیٰ کی تقدیر اور فعل اور ارادہ پر راضی رہو۔ اور کلمہ طیبہ کے اثبات کی جانب میں غیب ہویت کے سوا جو تمام معلومات و متخیلات کے وراء الورا ہے کچھ نہ رہے۔

حویلی و سرائے و چاہ و باغ اور کتابوں اور دوسری تمام اشیاء کا غم سہل ہے، ان میں سے کوئی چیز تمہارے وقت کی مانع نہ ہو اور حق تعالیٰ کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ رہے۔ ہم اگر مر جاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں۔ بہتر ہے کہ ہماری زندگی میں چلی جائیں تاکہ کوئی فکر نہ رہے۔ اولیاء نے ان امور کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے۔ ہم حق تعالیٰ کے اختیار سے ان امور کو چھوڑ دیں اور شکر بجا لائیں۔

امید ہے کہ مخلَصین بفتح لام میں سے ہو جائیں گے۔ جہاں تم بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن خیال کرو۔ چند روزہ زندگی جہاں گزرے یادِ حق میں گزر جائے۔ دُنیا کا معاملہ آسان ہے اس کو چھوڑ کر آخرت کی طرف متوجّہ رہو اور اپنی والدہ کو تسلی اور آخرت کی ترغیب دو۔ باقی رہی ایک دوسرے کی مُلاقات، اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہُوا تو ہو رہے گی ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہو اور دُعا کرو کہ دارالسلام میں سب جمع ہوں اور دُنیاوی ملاقات کی تلافی کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آخرت کے حوالہ کریں۔

الحمدللہ علیٰ کلِّ حالٍ (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔)

مکتوب ۳۰

مقولہ "جو تیرا مقصود وہی تیرا معبود" کی تشریح

سوال: مشائخ طریقت کی عبارات میں واقع ہے کہ جو کچھ تیرا مقصود ہے

وہی تیرا معبود ہے"۔ اس عبارت کے معنے کیا ہیں اور وہ وجہ جو صداقت رکھتی ہے کونسی ہے؟

جواب: شخص کا مقصود وہی ہوتا ہے جس کی طرف اُس کی توجہ ہوتی ہے اور وہ شخص جب تک زندہ ہے اپنے مقصود کے حاصل کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتا اور ہر طرح کی ذلت و خواری اور انکسار جو اُس کے حاصل ہونے میں پیش آتی ہے برداشت کرتا ہے اور کسی طرح سستی نہیں کرتا یہی معنی عبادت کا مقصود ہیں جس میں کمال ذلت و انکسار پائی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ شئے کا مقصود اس شئے کا معبود ہوتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے غیر کے معبود ہونے کی نفی اس وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ حق تعالےٰ کا غیر مقصود نہ رہے اور حق تعالےٰ کے سوا کوئی اس کی مراد نہ ہو۔ اس دولت کے حاصل ہونے کے لئے سالک کے حال کے مناسب کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے معنی لا مقصود الا اللہ کے ہیں۔ اس کلمہ کا اس قدر تکرار کرنا چاہیئے کہ غیر کی مقصودیت کا نام و نشان تک نہ رہے اور حق تعالےٰ کے سوا اس کی کچھ مراد نہ ہو تاکہ غیر کی معبودیت کی نفی میں صادق ہو اور بے شمار خداؤں کے دفع کرنے میں سچا ہو۔ بے شمار خداؤں اور غیر کی مقصودیت و معبودیت کی اس قسم کی نفی کرنا کمال ایمان کی شرط ہے جو ولایت سے وابستہ ہے اور ہوائی خداؤں کی نفی کے متعلق ہے۔ جب تک نفس مطمئنہ نہ ہو جائے تب تک یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا اور نفس کا مطمئن ہونا کمال فناء و بقاء کے بعد متصور ہے۔

ظاہر شریعت غرا میں جو آسانی اور سہولت اور بندوں کے (جو ضعیف پیدا کئے گئے ہیں) حرج و نقصان کے دفع کرنے کی خبر دیتی ہے۔ یہ ہے کہ اگر مقصود کے حاصل کرنے میں نعوذ باللہ شریعت کی متابعت کو چھوڑ دے اور اس کے حاصل کرنے میں حدود شرعیہ سے تجاوز کرے تو وہ مقصود اس کا معبود اور خدا ہوگا اور اگر وہ مقصود ایسا نہ ہو اور اُس کی تحصیل حصول میں منکراتِ شرعیہ کا ارتکاب نہ کرے وہ مقصود شرعی طور پر ممنوع نہ ہوگا۔ گویا وہ مقصود اس کے مقاصد سے نہیں اور وہ مطلوب اس کے مطالب سے نہیں۔ بلکہ اس کا مقصود

درحقیقت حق تعالےٰ ہے اور اس کا مطلوب حق تعالےٰ کے اوامر و نواہی۔ اس نے اس شئے مقصود کے ساتھ میلان طبعی سے زیادہ تعلق پیدا نہیں کیا اور وہ بھی احکام شرعیہ کا مغلوب ہے اور حقیقت شریعت میں جو کمال ایمان پر دلالت کرتی ہے غیر کی مقصودیت کے مادہ کی بیخ کنی مطلوب ہے۔ کیونکہ غیر کی مقصودیت کی تجویز میں حق تعالیٰ کی مقصودیت کا معارضہ ہے۔

اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفسانی ہوا و ہوس کے غلبہ کی امداد و اعانت سے غیر کی مقصودیت حق تعالےٰ کی مقصودیت کا معارضہ پیدا کر لیتی ہے بلکہ حق تعالےٰ کی مرضیات کے حاصل ہونے پر اس کے حاصل ہونے کو اختیار کر لیتا ہے اور ہمیشہ کا خسارہ پا لیتا ہے۔ پس غیر کی مقصودیت کی نفی مطلق طور پر ایمان کے کامل ہونے میں ضروری ہے تاکہ زوال و رجوع سے مامون و محفوظ ہو۔ ہاں بعض صاحب دولتوں کو ارادہ کی نفی اور اختیار کے رفع کرنے کے بعد صاحب ارادہ اور صاحب اختیار بنا دیتے ہیں اور ارادۂ جزئیہ کو اُس سے مسلوب کر کے کُلی ارادہ اور اختیار کا صاحب بنا دیتے ہیں۔ اس معنی کی تحقیق کسی اور مکتوب میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥

"یا اللہ تُو ہمارے نُور کو کامل کر اور ہمیں بخش تُو سب پر قادر ہے۔"

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالْبَرَكَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

"سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا۔"

مکتوب ۷۲

آیت "لا یمسہ الا المطھرون" میں ایک اور نکتہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ٥ لَا يَمَسُّهٗ

اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۔ (بیشک یہ قرآن کریم ہے پوشیدہ کتاب میں لکھا ہُوا ہے۔ اس کو ہاتھ نہیں لگاتے مگر پاک لوگ) آیت کریمہ کی مراد اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ وہ رمز جو اس مقام میں فقیر کے فہم قاصر میں آئی ہے کہ ہے کہ قرآنی پوشیدہ اسرار کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ مگر وہ لوگ جو تعلقاتِ بشریت کی آلودگی سے پاک ہو گئے ہوں۔ جب قرآنی اسرار کا مس کہ ناپاک لوگوں کا نصیب ہو۔ تو پھر اوروں کا کیا حال ہے ؟

دوسری رمز یہ ہے کہ قرآن کو نہ پڑھیں۔ مگر وہ لوگ جن کے نفس ہواو ہوس سے پاک ہو گئے ہوں اور شرک جلی اور خفی اور انفسی اور آفاقی خداؤں سے صاف ہو گئے ہوں۔ اس کا بیان یہ ہے مبتدی سلوک کے حال کے مناسب ذکر اور ماسوائے مذکور کی نفی ہے۔ یہاں تک کہ ماسوی کچھ نہ رہے اور حق تعالےٰ کے سوا اُس کی کچھ مُراد نہ ہو اور اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو اشیاء یاد دلائیں تو اس کو یاد نہ آئیں ۔ جب ایسا حال ہو جاتا ہے تو شرک سے پاک اور انفسی اور آفاقی خداؤں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس وقت لائق ہے کہ ذکر کی بجائے قرآن کی تلاوت کرے اور تلاوت کی بدولت مدارج حاصل کرے۔

اس مذکورہ حالت کے حاصل ہونے سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت ابرار کے اعمال میں داخل ہے۔ اور اس حالت کے حاصل ہونے کے بعد تلاوت قرآن مجید مقربین کے اعمال میں شمار ہوتی ہے جیسے کہ ذکر کرنا اس نسبت کے حاصل ہونے سے پہلے مقربین کے اعمال میں گنا جاتا تھا۔ ابرار کے اعمال عبادات کی قسم سے ہیں اور مقربین کے اعمال تفکرات کی قسم سے۔ آپ نے تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ اَوْ سَبْعِيْنَ سَنَةٍ (ایک ساعت کا تفکر ایک سال یا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے) سُنا ہو گا۔ تفکر کے معنی باطل سے حق کی طرف جانے کے ہیں۔ جس قدر فرق ابرار و مقربین کے درمیان ہے اسی قدر فرق عبادت و تفکر کے درمیان ہے۔

جاننا چاہیئے کہ مبتدی کا وہ ذکر جو مقربین کے اعمال میں شمار ہوتا ہے۔ وہ ہے جو اس نے شیخ کامل مکمل سے حاصل کیا ہو اور اس کا مقصود سلوکِ

طریقت ہو۔ ورنہ وہ ذکر بھی ابرار کے اعمال میں گنا جاتا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ

" اللہ تعالےٰ ہی بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے "

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّہَا وَ اَکْمَلُہَا۔

" سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ ؐ کی متابعت کو لازم پکڑا "

مکتوب ۵

رنج و ابتلاء اور طعن و ملامت کے باطنی فوائد

پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک اللہ تعالےٰ کی عنایت سے اس عنایت نے حق تعالےٰ کے جلال و غضب کی صورت میں تجلّی نہ فرمائی اور قید خانہ کے قفس میں قید نہ ہُوا، تب تک ایمان شہودی کے تنگ کوچہ سے کلّی طور پر نہ نکلا۔ اور ظلال و خیال و مثال کے کُوچوں سے پورے طور پر نہ نکلا۔ ایمان بالغیب کے شاہراہ میں مطلق العنان ہو کر نہ دوڑا۔ اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کے ساتھ اور شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پر نہ ملا۔ اور ذوقِ کامل اور وجدانِ بالغ کے ساتھ دُوسروں کے ہُنر کو عیب اور اُن کے عیب کو ہُنر نہ معلوم کیا۔ بے ننگی و بے ناموسی کے خوشگوار شربت اور رسوائی اور خواری کے مزے دار مربّے نہ چکھے اور خلق کے طعن و ملامت کے جمال سے حظ نہ پایا۔ اور لوگوں کے بلاء و جفاء کے حُسن سے محظوظ نہ ہُوا اور کَالْمَیِّتِ بَیْنَ یَدَیِ الْغَسَّالِ کی طرح ہو کر کلّی طور پر اپنے ارادہ و اختیار کو ترک نہ کیا اور آفاقی و انفسی تعلقات کے رشتہ کو کامل طور پر نہ توڑا اور تضرع و التجا انابت و استغفار اور ذلت و انکسار کی حقیقت حاصل نہ ہوئی۔ اور حق تعالےٰ کے استغنا کی رفیع الشان بارگاہ کو جس کے گرد عظمت و کبریا کے پردے تنے ہوئے ہیں مشاہدہ نہ کیا اور اپنے

آپ کو بندۂ خوار و زار و ذلیل و بے اعتبار و بے ہنر و بے طاقت اور کامل محتاج اور فقیر معلوم نہ کیا۔

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔

"میں اپنے نفس کو پاک نہیں کرتا نفس برائی کی طرف امر کرنے والا ہے مگر جس پر اللہ تعالےٰ نے رحمت کی ۔ بے شک میرا رب بخشنے والا اور مہربان ہے"

اگر محض فضل سے حق تعالےٰ کے فیوض و واردات اور اُس کے نامتناہی عطیات و انعامات پے در پے اس محنت کدہ میں اس شکستہ دل کے شامل حال نہ ہوتے تو نزدیک تھا کہ معاملہ نا امیدی تک پہنچ جاتا اور اُمید کا رشتہ ٹوٹ جاتا۔ اللہ تعالےٰ کی حمد ہے جس نے اس فقیر کو عین بلا میں عافیت دی اور نفس جفا میں کرم فرمایا اور سختی کی حالت میں احسان کیا اور رنج و خوشی میں شکر کی توفیق دی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے تابعداروں اور اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے قدم بقدم چلنے والوں اور علماء و صلحا کے محبوں میں سے بنایا۔

صَلَوَاتُ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَسْلِیْمَاتُہٗ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ اَوَّلًا وَعَلٰی مُصَدِّقِیْهِمْ ثَانِیًا۔

"اوّل انبیاء پر اور پھر ان کی تصدیق کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام ہو"

مکتوب ۱۷

تربیتِ جمالی کے ساتھ تربیتِ جلالی بھی ضروری بلکہ زیادہ نافع ہے

آپ کا صحیفہ شریفہ جو شیخ فتح اللہ کے ہمدست ارسال کیا تھا پہنچا۔ آپ نے خلق کی جفا و ملامت کے بارے میں جو لکھا تھا بہ خود اس گروہ کا جمال اور اُن کے

زنگار کا صیقل ہے۔ پھر قبض و کدورت کا باعث کیوں ہو؟ ابتدا حال میں جب فقیر اس قلعے میں پہنچا تو محسوس ہوتا تھا کہ خلق کی ملامت کے انوار شہروں اور گاؤں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے برس رہے ہیں اور کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ سالوں تک جمالی تربیت کے ساتھ قطع مسافت کرتے رہے اب جو جلالی تربیت کے ساتھ قطع مسافت کرنے لگے ہیں تو صبر بلکہ رضا کے مقام میں رہیں اور جمال و جلال کو برابر جانیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ فتنہ کے ظاہر ہونیکے وقت نہ ذوق رہا ہے نہ حال، چاہیئے تھا کہ ذوق و حال دگنا ہوتا کیونکہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت دیتی ہے۔ آپ کو کیا ہو رہا ہے کہ عام لوگوں کی طرح باتیں کر رہے ہیں۔ اور محبت ذاتیہ سے دُور نکل گئے ہیں۔ برخلاف گذشتہ کے آپ جلال کو جمال سے زیادہ خیال کریں اور درد و الم کو انعام سے زیادہ تصور کریں۔ کیونکہ جمال اور انعام میں محبوب کی مراد اپنی مراد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اور جلال و ایلام میں خالص محبوب کی ہی مراد ہے اور اپنی مراد کے برخلاف ہے۔

وقت و حال سے مراد اس جگہ سابقہ وقت و حال کے ماسوا ہے۔ شَتَّانَ مَابَیْنَهُمَا۔ (ان دونوں میں بہت فرق ہے)۔

آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کے بارے میں لکھا تھا۔ کیا مانع ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (کافی ہے ہم کو اللہ تعالےٰ اور وہی اچھا وکیل ہے)۔

مکتوب ۷۷

مخلوق خصوصًا رشتہ داروں کی ایذاء برداشت کر کے صبر کرنا چاہیئے

سیادت پناہ برادرم میر محب اللہ کا صحیفہ شریفہ پہنچا بڑی ہی خوشی حاصل ہوئی۔ خلق کی ایذا کی برداشت کرنے اور نزدیکی رشتہ داروں کی جفا پر صبر کرنے سے چارہ نہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب کو امر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ۔
"صبر کر جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے اور ان کے واسطے جلدی نہ کر۔"

اس مقام کی سکونت میں نمک یہی ایذا و جفا ہے لیکن آپ اس نمک سے بھاگتے ہیں۔ ہاں شکر کا پلا ہوا نمک کی تاب نہیں لا سکتا۔ آپ یاد رکھیں ؎

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم است
نازکی کے راست آید نازمی باید کشید

ترجمہ:
جو ہوا عاشق نزاکت اُس کو پھر پھبتی نہیں
گرچہ عاشق حسن میں ہو خود جہاں کا نازنین

آپ نے لکھا تھا کہ اگر اجازت ہو جائے تو الہ آباد میں منزل اختیار کروں بیشک آپ وہاں منزل مقرر کر لیں تاکہ وہاں کی جفا کی افراط سے چھوٹ کر کوئی دم آرام سے بسر کریں۔ لیکن یہ رخصت کا طریق ہے اور عزیمت کا طریق یہی ہے کہ آپ ایذا پر صبر و تحمل فرمائیں۔ اس موسم میں فقیر پر ضعف غالب ہے چنانچہ آپ کو معلوم ہی ہے اس لئے چند کلموں پر کفایت کی گئی۔ والسلام

مکتوب ۹

تقویٰ اصل ہے اور گناہوں سے بچنا کثرتِ عبادت سے افضل ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ قال الله تعالىٰ: مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔

"جو کچھ رسول تمہارے پاس لے آئے اُس کو پکڑ لو اور جس سے تم کو منع کرے اُس سے ہٹ جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔"

اوامر کے بجا لانے اور منہیات سے ہٹ جانے کے بعد تقویٰ کا ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ منہیات سے ہٹے رہنا زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ یہی تقوے کی حقیقت ہے جو دین کا اصل مقصود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے ۔ مِلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ (تمہارے دین کا اصل مقصود ورع ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہ فرمایا ہے :۔

لَاتَعْدِلُ بِالرِّعَةِ شَیْئًا (رعۃ یعنی ورع کے برابر کوئی شے نہیں)۔

اور اس کے زیادہ ضروری اور مہتم بالشان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ منہیات سے ہٹ جانا وجود میں علم اور نفع میں زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ اوامر کے بجالانے کے ضمن میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ کسی امر کا بجالانا گویا اس کے ضد سے ہٹ جانا ہے اور یہ ظاہر ہے۔ لیکن انتہا یعنی منہیات سے ہٹ جانے کا عموم کی جہت کے سوا کثیر النفع ہونا اس لئے ہے کہ اس میں محض نفس کی مخالفت ہے اور اس میں نفس کی کوئی لذت نہیں۔ برخلاف امتثال اوامر کی صورت کے کہ اس میں اکثر نفس کی لذت بھی ہوتی ہے اور جس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہو کچھ شک نہیں کہ اس کا نفع بھی زیادہ ہوگا اور نجات کے لئے سب سے زیادہ اقرب راستہ ہوگا۔ کیونکہ تکلیفاتِ شرعیہ کا اصلی مقصود نفس کا مغلوب کرنا ہے جو اللہ تعالےٰ کی مخالفت و عداوت میں قائم رہتا ہے۔

حدیثِ قدسی میں وارد ہے :۔

عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ ۔

" اپنے نفس کو دشمن جان کیونکہ وہ میری عداوت پر قائم ہے "

پس مشائخ کے طریقوں میں سے جس طریقہ میں احکامِ شرعیہ کی زیادہ رعایت ہوگی۔ وہ تمام وصول الی اللہ طریقوں میں سے زیادہ اقرب ہوگا۔ کیونکہ اس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہے۔

مکتوب ۱۲

ذکر اللہ کی تاکید اور اس کی افضلیت کا بیان

برادرم سیادت پناہ کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے لکھا تھا کہ حق تعالےٰ کی بارگاہ میں دعا اور تضرع اور زاری اور دوام التجا بہتر ہے۔

یاذکر کرنا یا یہ سب کچھ ذکر کے ساتھ ملا ہُوا بہتر ہے ؟

میرے عزیز ذکر کرنا ضروری ہے۔ اُس کے ساتھ جو کچھ جمع ہو جائے دولت و نعمت ہے۔ وصول کا مدار ذکر پر موقوف ہے۔ دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات و نتائج ہیں۔ نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ذکر نفی اثبات اور تلاوتِ قرآن اور طول قنوت کے ساتھ نماز ادا کرنا، ان تینوں میں سے کونسا بہتر ہے؟ سو نفی اثبات کا ذکر وضو کی طرح ہے جو نماز کی شرط ہے۔ جب تک طہارت درست نہ ہو، نماز کا شروع کرنا منع ہے۔ اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے تب تک فرائض وواجبات اور سُنّتوں کے سوا عباداتِ نافلہ جسقدر کریں سب وبال میں داخل ہے۔ پہلے مرض کو دُور کرنا چاہیئے۔ جو نفی اثبات کے ذکر پر وابستہ ہے۔ بعد ازاں دوسری عبادات وحسنات میں جو بدن کے لئے اچھی غذا کی طرح ہیں مشغول ہونا چاہیئے۔ مرض کے دُور ہونے سے پہلے جو غذا کھائیں فاسد ومفسد ہے۔ ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود

ترجمہ : جو کچھ مریض کھائے اس کی مرض بڑھائے

اس حالت کے انجام کا تعین کرنا لازم نہیں کیونکہ وہ حالت خود اپنے تمام و کمال ہونے کی خبر دیتی ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ تیسری جلد کس کے نام پر مسجّل کریں۔ اس سے پہلے بھی فقیر نے لکھا تھا کہ آپ کے نام پر مسجّل کیا جائے۔ اب بھی آپ کے خط کے جواب میں وہی بات ہے۔ آپ سے بہتر کون ہے۔ ہمیشہ دل کی توجہ اور نگرانی آپ ہی کی طرف رہتی ہے۔ آگرہ میں آپ کے بیٹھنے کے لئے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اگرچہ قرب و جوار میں ہے۔ لیکن جب ملاقات سے خالی ہے تو بے اعتبار ہے۔

فقیر کی تقریب پر وہاں نہ رہیں۔ فقیر کو خدائے ارحم الراحمین کے سپرد کر کے وطن کی طرف چلے جائیں اور وہاں کے مشتاقوں کو خوش کریں اور اگر آپ نے وہاں رہنے کے لئے کوئی وجہ دل میں تصور کی ہو تو وہ امر دیگر ہے۔ والدہ محمد امین کو خدا توفیق دے اور عصمت و آبرو کے ساتھ رکھے۔ اس کے دور ودراز واقعات

جو آپ نے لکھے تھے، سب کا مطالعہ کیا۔ اگرچہ سب میں کچھ کچھ وحشت و کدورت کا سامنا نظر آتا ہے مگر امید ہے کہ ہر ایک کا انجام بخیر ہوگا۔ آپ اُس کو فرمائیں کہ اس قسم کے واقعات سے آگاہ رہے اور توبہ و استغفار کے ساتھ ان کا تدارک کرے۔ دنیاوی مال و متاع اور فانی زیب و زینت لاشئے محض ہے، عقلمند اس پر مفتون اور مبتلا نہیں ہوتا۔ آخرت کے احوال کو مدِ نظر رکھ کر ذکر میں مشغول رہنا چاہیئے۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ ذکر میں لذت تمام پیدا ہو اور چیزیں دکھائی دیں۔ یہ سب کچھ لہو و لعب اور کھیل کود میں داخل ہے۔

ذکر میں جس قدر مشقت ہو بہتر ہے۔ نماز پنج وقتی کو ادا کر کے اوقات کو ذکرِ الٰہی کے ساتھ آباد رکھے اور ذکر کے التذاذ سے بیکار نہ رہے۔ آپ کی صحبت کو غنیمت جان کر آپ کی رضا جوئی میں رہے۔ آپ کو بھی لازم ہے کہ آپ اُس کے پاس اکثر جایا کریں اور بڑی نرمی اور محبت سے اس کو اپنی طرف کھینچیں۔ اور نیکیوں کی طرف رہنمائی کریں۔ والسلام

مکتوب ۱۳

شریعت کا اتباع اور شیخ سے عقیدت و محبّت موجود ہو تو نااُمیدی کفر ہے

سیادت مآب برادرم میر محب اللہ کا مکتوب شریف پہنچا۔ یاس و ناامیدی کے مقدّمات و حالات جو از راہِ اضطرار و اضطراب کے درج تھے سب واضح ہوئے نااُمیدی کفر ہے۔ اُمیدوار رہنا چاہیئے۔ اگر ان دو امور میں رسوخ ہو تو کچھ غم نہیں۔ ایک صاحبِ شریعت عزّ اعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی متابعت دوسرے شیخ طریقت کا اعتقاد و محبّت۔ آپ اس امر سے واقف رہیں اور تضرع و التجا کرتے رہیں۔ کہ ان دونوں دولتوں میں فتور نہ آئے۔ ان کے سوا اور جو کچھ ہو آسان و سہل ہے اور اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ جب آپ مانکپور کی سکونت سے بیزار ہیں تو الہ آباد میں وطن اختیار کر لیں اُمید

ہے کہ مبارک ہوگا۔ مگر آپ نے اس کے برعکس سمجھ لیا۔ کیا لفظ مبارک نے بھی آپ کو دلالت نہ کی۔ اب بھی وہی بات ہے۔ آج رات کو نظر آیا کہ آپ کے اسباب کو مانکپور سے الہ آباد کی طرف لے گئے ہیں۔ آپ وہیں اپنا ویرانہ اختیار کر لیں اور اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی جلشانہٗ سے آباد رکھیں اور کسی سے کچھ تعلق نہ رکھیں نفی اثبات کے ذکر کو لازم پکڑیں۔ اور اس کلمہ کے تکرار سے تمام مرادوں کو سینہ کے میدان سے نکال دیں تاکہ ایک کے سوا کچھ مقصود و مطلوب و محبوب نہ ہو۔

اگر دل ذکر کرنے سے تھک جائے تو زبان کے ساتھ پوشیدہ طور پر شروع کریں۔ کیونکہ ذکرِ جہر اس طریق (یعنی نقشبندیہ) میں ممنوع ہے۔ باقی طریق کی وضع و روش آپ کو معلوم ہی ہے۔ جہاں تک ہو سکے تقلید کا راستہ نہ چھوڑیں۔ کیونکہ شیخ طریقت کی تقلید سے بہت فائدے اور بڑے ثمرے حاصل ہوتے ہیں اور شیخ کے طریق کے خلاف میں سراسر خطرات ہیں۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام

مکتوب ۱۵۱

زمانۂ ابتلاء میں حضرت مجددؒ کی اپنی کیفیت اور ابتلاء کے منافع کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ "اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو"۔

سیادت پناہ برادرم میر محمد نعمان کو معلوم ہو گا کہ یارانِ خیر اندیش نے ہر چند خلاصی کے بارے میں کوشش کی مگر کارگر اور فائدہ مند نہ ہوئی۔

اَلْخَیْرُ فِیْ مَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے)۔

اس امر سے بشریت کے باعث کچھ غم و حزن لاحق ہوا اور سینہ میں تنگی ظاہر ہوئی۔ لیکن کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ سب حزن

اور سینہ کی تنگی خوشی اور شرح صدر (سینہ کی فراخی) سے بدل گئی۔ اور خاص یقین سے معلوم ہُوا کہ اگر ان لوگوں کی مُراد جو آزار کے درپے ہیں حق تعالےٰ کی مُراد کے موافق ہے۔ تو پھر سینہ کی تنگی اور کدورت بے فائدہ اور دعوئے محبت کے برخلاف ہے۔ کیونکہ محبوب کا ایلام اس کے انعام کی طرح محب کے نزدیک محبوب و مرغوب ہوتا ہے۔ محب جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے اسی طرح اُس کے ایلام سے بھی متلذذ ہوتا ہے بلکہ اُس کے ایلام میں زیادہ تر لذت پاتا ہے۔ کیونکہ محب کی اپنی مراد اور حظِ نفس سے پاک ہے۔

جب حق تعالےٰ جو جمیلِ مطلق ہے اُس شخص کا آزار چاہتا ہے تو حق تعالےٰ کا یہ ارادہ بھی حق تعالےٰ کی عنایت سے اُس شخص کی نظر میں جمیل بلکہ لذت کا سبب ہے اور جب ان لوگوں کی مراد حق تعالےٰ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد اُس مراد کا دریچہ ہے تو ان لوگوں کی مراد بھی نظر میں پسندیدہ اور کذب کا موجب ہے۔ کیونکہ اس شخص کا فعل بھی جو محبوب کے فعل کا مظہر ہے۔ محبوب کے فعل کی طرح محبوب دکھائی دیتا ہے اور وہ شخص فاعل بھی اس نظر کے علاقہ سے محب کی نظر میں محبوب ظاہر ہوتا ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ جوں جوں اس شخص سے جفا زیادہ متصوّر ہوتی ہے توں توں محب کی نظر میں زیادہ زیبا دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ محبوب کے غضب کی صورت زیادہ تر نمائش رکھتی ہے۔ اس راہ کے دیوانوں کا کام اُلٹا اور برعکس ہے۔

پس اُس شخص کی برائی چاہنا اور اُس کے ساتھ بگڑنا محبوب کی محبت کے برخلاف ہے۔ کیونکہ وہ شخص درمیان میں صرف محبوب کے فعل کا آئینہ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ لوگ جو آزار کے درپے ہیں، باقی خلائق کی نسبت فقیر کی نظر میں محبوب دکھائی دیتے ہیں۔ آپ یاروں کو کہہ دیں کہ سینہ کی تنگیوں کو دُور کریں۔ اور ان لوگوں کے ساتھ جو آزار کے درپے ہیں دشمنی اور بگاڑ نہ کریں بلکہ انہیں چاہیئے کہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں۔

ہاں چونکہ ہم کو دُعا کا امر ہے۔ اور حق تعالےٰ دعا و التجا و تضرع و زاری کو پسند کرتا ہے اس لئے بلیہ و مصیبت کے دفع ہونے کے لئے دُعا اور عفو و عافیت

کا سوال کریں۔ اور یہ جو غضب کی صورت کی گئی ہے وہ اس لئے ہے کہ غضب کی حقیقت دشمنوں کے نصیب ہے دوستوں کے ساتھ صورت میں غضب ہے اور حقیقت میں عین رحمت۔ غضب کی اس صورت میں محب کے اس قدر فائدے اور نفعے رکھے ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ نیز غضب کی صورت میں جو دوستوں کو عطا فرماتے ہیں منکر لوگوں کی خرابی ہے اور ان کی ابتلاء و آزمائش کا باعث ہے۔

شیخ محی الدین عربی قدس اللہ سرہٗ کی عبارات کے معنی آپ کو معلوم ہوں گے کہ انہوں نے کہا ہے کہ عارف کے لئے ہمت نہیں۔ یعنی وہ ہمت جو بلیہ کے دفع کرنے کے لئے ہو۔ عارف سے مسلوب ہے۔ کیونکہ عارف جب بلیہ کو محبوب کی طرف سے جانتا اور محبوب کی مراد تصور کرتا ہے تو اس کے دفع کرنے کے لئے کس طرح ہمت کرے اور اس کو کیوں دفع کرے۔ اگرچہ بظاہر اس بلیہ کے دفع کرنے کی دعا زبان پر لاتا ہے لیکن وہ صرف دعا کا امر بجا لانے کے لئے ہے۔ درحقیقت کچھ نہیں چاہتا۔ اور جو کچھ آتا ہے اس سے لذت پاتا ہے۔ وَالسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ اسلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۱۶

کبھی شیخ کے احوال اُس کے مُریدوں میں ظاہر ہوتے ہیں

آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔ آپ نے لکھا تھا کہ میں اپنے آپ میں اس گروہ کے احوال و مواجید اور علوم و معارف کچھ نہیں پاتا۔ باوجود اس بات کے دو طالبانِ راہ کو طریقہ بتایا۔ وہ بہت متاثر ہوئے اور اُن سے عجیب و غریب احوال ظاہر ہوئے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ واضح ہو کہ وہ احوال جو اِن دو شخصوں میں ظاہر ہوئے ہیں، آپ کے احوال کے عکس ہیں۔ جو اُن کی استعداد کے آئینوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ دونوں شخص صاحبِ علم تھے انہوں نے اپنے احوال کو معلوم کر لیا۔ اور آپ کو بھی اس حال مستور کے حاصل ہونے کے علم کی طرف راہنمائی

کی جس طرح کہ آئینہ شخص کے خفیہ کمالات کے حاصل ہونے کی طرف دلالت کرتا ہے اور اس کے پوشیدہ ہنروں کو ظاہر کر دیتا ہے، مقصود احوال کا حاصل ہونا ہے اور ان احوال کا جاننا ایک علیحدہ دولت ہے۔ بعض کو یہ علم دیتے ہیں اور بعض کو نہیں دیتے۔ لیکن دونوں صاحب ولایت اور قرب میں برابر ہوتے ہیں۔ مِنَّا مَنْ عَلِمَ وَ مِنَّا جَهِلَ (ہم میں سے ہے جو جانتا ہے اور ہم میں سے ہے جو نہیں جانتا ہے)۔ اس گروہ کے نزدیک مقرر اور مانی ہوئی بات ہے۔

اپنے احوال کا علم نہ ہونے سے آزردہ نہ ہوں۔ کوشش کریں کہ احوال حاصل ہوں۔ بلکہ احوال سے گزر کر احوال کے پھیرنے والے (حق تعالےٰ) کے ساتھ واصل ہوں۔

احوال کا علم اگر مریدوں کے واسطہ کے بغیر میسر نہ ہو تو اسی پر قناعت کریں کہ ان کے آئینوں میں مطالعہ کریں اور مظہروں کے ذریعے حظ حاصل کریں۔ احوال حاصل ہونے چاہئیں اور ان احوال کا علم اگر بلا واسطہ میسر نہ ہو تو امید ہے کہ وسیلہ سے حاصل ہو جائے گا۔

مکتوب ۱۷

عقائد، عبادات اور تصوّف سے متعلق ایک اہم اور مفصّل مکتوبِ گرامی

جاننا چاہیئے کہ حق تعالےٰ منعم علی الاطلاق ہے۔ اگر وجود ہے تو اُس کا بخشا ہُوا ہے اور اگر بقا ہے تو اسی کی عطا ہے۔ اور اگر صفاتِ کاملہ ہیں تو اُسی کی رحمتِ شاملہ سے حاصل ہیں۔ زندگی اور توانائی، دیکھنے اور سُننے اور کہنے کی طاقت سب اُسی کی طرف سے ملی ہے اور ہر طرح کے انعام و اکرام جو حد و شمار سے باہر ہیں، سب اسی کی طرف سے پہنچے ہیں۔ وہی سختی اور تنگی کو دُور کرتا ہے اور وہی دُعا کو قبول اور بلاء کو دفع کرتا ہے۔ وہ ایسا رزاق ہے کہ

اپنی کمال مہربانی سے گناہوں کے باعث بندوں کی روزی کو بند نہیں کرتا۔ وہ ایسا ستار ہے کہ اپنی زیادہ عفو و درگذر سے برائیوں کے ارتکاب کے باعث بندوں کی پردہ دری نہیں کرتا۔ وہ ایسا حلیم ہے کہ ان کے عذاب و مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا اور وہ ایسا کریم ہے کہ اپنی عام بخشش کو دوست و دشمن سے ہٹا نہیں رکھتا۔

ان تمام نعمتوں میں سے اعظم اور اجل اور اعز و اکرم نعمت اسلام کی طرف دعوت کرنا اور دار السلام کی طرف ہدایت کرنا اور حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی طرف راہنمائی کرنا ہے جس پر دائمی زندگی اور ہمیشہ کی لذت و نعمت اور لقاء و رضائے مولیٰ جلشانہٗ موقوف ہے۔

غرض حق تعالیٰ کے انعام و اکرام و احسان سورج سے زیادہ ظاہر اور چاند سے زیادہ روشن ہیں۔ دوسروں کے انعام اسی کی اقدار و تمکین اور قدرت و بخشش سے ہیں اور ان کا احسان اِسْتِعَارَۃٌ مِنَ الْمُسْتَعِیْرِ وَسَوَالٌ مِنَ اَلْفَقِیْرِ (ادھار اور عاریۃً کسی چیز کے رکھنے والے سے مانگنا اور فقیر سے سوال کرنا) کی قسم سے ہے۔ اس بات کو دانا اور نادان سب جانتے ہیں اور غبی و ذکی (کند فہم اور تیز فہم) یعنی جاہل اور عالم سب اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔

گر بر تن من زبان شود ہر موئے یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

ترجمہ: اگر ہر بال میں میرے زباں ہو
نہ پھر بھی شکر کچھ مجھ سے عیاں ہو

شک نہیں کہ عقل کی بداہت منعم کے شکر کے واجب ہونے کا حکم کرتی ہے اور اس کی تعظیم و تکریم کو لازم جانتی ہے۔ پس حق تعالےٰ کا شکر جو منعم حقیقی ہے عقل کی بداہت سے واجب ہوا اور اس کی تعظیم و تکریم ضروری ہوئی۔ چونکہ حق تعالےٰ کمال تقدس و تنزہ میں ہے اور بندے نہایت گندگی اور آلودگی میں ہیں۔ کمال بے مناسبتی سے کیا معلوم کر سکتے ہیں کہ حق تعالےٰ کی تعظیم و تکریم کس امر میں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندے بعض امور کا اطلاق اس پاک جناب پر مستحسن

اور پسندیدہ جانتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ حق تعالےٰ کے نزدیک مکروہ ہوتا ہے اور جس کو تعظیم خیال کرتے ہیں وہ توہین ہوتی ہے اور جس کو تکریم تصور کرتے ہیں وہ تحقیر ہوتی ہے۔

پس جب تک حق تعالےٰ کی تعظیم وتکریم اسی کی جناب پاک سے مستفاد نہ ہو تب تک اُس کے شکر کے لائق اور اُس کی عبادت کے قابل نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ حمد جو بندوں کی اپنی طرف سے ہے وہ سراسر ہجو ہے اور ان کی مدح نری قدح ہے۔ حق تعالےٰ کی تعظیم و توقیر وتکریم جو اسی بارگاہ سے ہمیں پہنچی ہے وہ یہی شریعت حقہ ہے۔ اگر تعظیم قلبی ہے تو وہ بھی شریعتِ حقہ میں بیان ہو چکی ہے۔ اور اگر زبانی ثنا ہے تو وہ بھی ظاہر ہے۔ اعضائے کے اعمال و افعال کو بھی صاحبِ شریعت نے مفصل طور پر بیان فرما دیا ہے۔

پس حق تعالےٰ کے شکر کا ادا کرنا شریعت کے بجالانے میں منحصر ہے خواہ وہ شکر قلبی ہو یا بدنی، اعتقادی ہو یا عملی۔ حق تعالےٰ کی وہ تعظیم وعبادت جو شریعت کے برخلاف ادا کی جائے وہ اعتماد کے لائق نہیں۔ بلکہ بسا اوقات ایسی عبادت سے ضد حاصل ہوتی ہے اور وہ ہمیتہ نیکی درحقیقت بُرائی ہوتی ہے۔ پس بیان مذکور کے ملاحظہ سے عقل کے نزدیک بھی شریعت کے موافق عمل کرنا واجب ہے اور اس کے اتباع کے بغیر منعم تعالےٰ کے شکر کا ادا کرنا مشکل ہے۔ شریعت کے دو جزو ہیں، ایک اعتقادی دوسرا عملی۔

اعتقاد دین کا اصل ہے اور عمل اس کی فروع۔ جو شخص اعتقاد کا منکر ہو وہ اہلِ نجات میں سے نہیں ہے اُس کے حق میں عذابِ آخرت سے خلاصی متصور نہیں۔ اور جس شخص میں عمل مفقود ہو اُس کے لئے نجات کی اُمید ہے۔ اس کا معاملہ حق تعالیٰ کی مرضی کے سپرد ہے۔ خواہ معاف کرے خواہ گناہوں کے موافق عذاب دے۔ دوزخ میں ہمیشہ رہنا اعتقاد اور ضروریات دین کے منکر پر مخصوص ہے اور عمل کا نہ کرنے والا اگرچہ عذاب میں داخل کیا جائے گا۔ لیکن دوزخ کا دائمی عذاب اس کے حق میں مفقود ہے۔ اعتقادیات چونکہ دین کے اصول اور اسلام کی ضروریات میں سے ہیں، اس لئے اس کا بیان کیا جاتا ہے

اور عملیات چونکہ فرع ہیں اور ان کی تفصیل بھی دراز ہے اس لئے ان کی تفصیل کو کتب فقہ کے حوالے کر کے بعض ضروری عملیات بھی بیان کئے جائیں گے تاکہ طالبوں کو ترغیب ہو۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

اعتقادیات

(۱) اللہ تعالےٰ اپنی ذاتِ اقدس میں موجود ہے اور اُس کی ہستی اپنی خودی سے ہے۔ حق تعالےٰ جیسا کہ تھا اب بھی ویسا ہی ہے اور ہمیشہ ویسا ہی رہے گا عدم سابق اور عدم لاحق کو اُس کی پاک بارگاہ کی طرف راستہ نہیں۔ کیونکہ وجوبِ وجود اس مقدس درگاہ کا کمینہ خادم ہے اور سلب عدم اس بارگاہِ بزرگ کا کمینہ خاکروب ہے اور حق تعالےٰ ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ وجوب وجود میں نہ الوہیت میں اور نہ عبادت کے استحقاق میں۔ کیونکہ شریک کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جبکہ وہ کافی اور مستقل نہ ہو اور یہ نقص کی علامت ہے جو وجوب والوہیت کے منافی ہے اور جب وہ کافی اور مستقل ہے تو شریک بیکار اور عبث ہوگا۔ یہ بھی نقص کی علامت ہے جو وجوب والوہیت کے منافی ہے۔

پس شریک کے ثابت کرنے میں دونوں شریکوں میں سے کسی ایک کا نقص لازم آتا ہے جو شرکت کے منافی ہے۔ پس شرکت کا ثابت کرنا شرکت کی نفی کو مستلزم ہے اور یہ محال ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ حق تعالےٰ کا شریک محال ہے۔

(۲) حیاتؔ، علمؔ، قدرتؔ، ارادہؔ، سمعؔ، بصرؔ، کلامؔ، تکوینؔ۔ حق تعالےٰ کی صفات کاملہ ہیں۔ ان آٹھ صفتوں کو صفاتِ حقیقیہ کہتے ہیں۔ یہ صفات قدیم ہیں اور حق تعالےٰ کی ذات پر وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں جیسے کہ علماء اہلِ حق شکر اللہ تعالےٰ سعیہم کے نزدیک مقرر ہے۔ اہل سنت والجماعت کے سوا مخالف گروہوں میں سے کوئی گروہ بھی صفاتِ زائدہ کے وجود کا قائل نہیں۔ حتیٰ کہ اس فرقہ ناجیہ میں سے صوفیاء متاخرین نے بھی صفات کو ذات کا

علین کہاہے اور مخالفوں کے ساتھ موافق ہو گئے ہیں۔ اگرچہ صفات کی نفی سے کنارہ کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے اصول اور ظاہر عبارات سے صفات کی نفی لازم آتی ہے مخالفوں نے صفاتِ کاملہ کی نفی کو کمال سمجھا ہے اور اپنی عقل کے پیچھے لگ کر نصوص قرآنی سے جُدا پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے اور دوسری صفات یا اعتباریہ ہیں یا سلبیہ جیسے قِدَمْ اَزَلِیَّتْ وَجُوْبْ ، اُلُوْهِيَّتْ۔
چنانچہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ جسم و جسمانی نہیں۔ عرض و جوہر نہیں۔ مکانی اور زمانی بھی نہیں۔ حال و محل بھی نہیں۔ محدود و متناہی بھی نہیں۔ جہت سے بے جہت ہے اور نسبت سے بے نسبت ہے۔ کفاوت اور مثلیت یعنی ہمسر اور ہم مثل ہونا اُس کی جناب پاک سے مسلوب ہے اور ضدیت و ندیت اس بارگاہِ بلند سے مفقود ہے۔ ماں و باپ و عورت و بیٹے سے پاک و مبرا ہے۔ کیونکہ یہ سب حدوث کے نشان ہیں اور ان سے نقص لازم آتا ہے اور تمام قسم کے کمالات حق تعالیٰ کی جناب کے لئے ثابت ہیں۔ اور تمام قسم کے نقائص اس درگاہ سے مسلوب ہیں۔ غرض امکان و حدوث کی صفات جو سراسر نقص و شرارت ہیں، سب اس کی جناب پاک سے مسلوب سمجھنے چاہئیں۔

۳۔ حق تعالیٰ کلیات و جزئیات کا عالم ہے اور اسرار و خفیہ چیزوں کا جاننے والا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرہ حقیر بھی اُس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں ہے۔ ہاں جب تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا وہی ہے تو ان اشیاء کا عالم بھی ضرور ہو گا۔ کیونکہ خالق کو خلق کے علم سے چارہ نہیں۔ بعض بدبخت لوگ حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے اور اس امر کو اپنی عقلِ ناقص میں کمال سمجھتے ہیں اور اپنی کمال بے وقوفی سے کہتے ہیں کہ واجب الوجود جلّ شانہ سے صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے اور وہ بھی اضطرار یعنی مجبوری سے نہ کہ اختیار سے اور اس کو بھی کمال خیال کرتے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی جاہل ہیں جو جہل کو کمال تصور کرتے ہیں اور اضطرار کو اختیار سے بہتر جانتے ہیں اور اضطرار و اختیار میں تمیز نہیں کر سکتے اور اپنی جہالت سے دوسری اشیاء کو حق تعالیٰ کے غیر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور عقلِ فعّال کو اپنے پاس سے بنا کر

محدثات کو اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور زمینوں اور آسمانوں کے خالق کو معطل و بیکار سمجھتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک اس گروہ سے زیادہ کمینہ اور بیوقوف گروہ کوئی جہان میں پیدا نہیں ہُوا۔

سبحان اللہ! بعض اہلِ اسلام لوگ ان پلیدوں کو ارباب معقول تصوّر کرتے ہیں اور اُن کو حکمت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اُن کے جھوٹے احکام کو نفس الامر کے مطابق خیال کرتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

"یا اللہ تُو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما تُو بڑا بخشنے والا ہے۔"

(۴) حق تعالےٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے۔ اگر امر ہے تو اسی ایک کلام سے ہے اور اگر نہی ہے تو وہ بھی اسی سے ہے۔ ایسے ہی اخبار و استخبار اسی ایک کلام سے پیدا ہیں۔ اور اگر توریت و انجیل ہے تو اسی ایک کلام کی دلیل ہے اور اگر زبور و فرقان ہے تو اسی کلام کا نشان ہے۔ اسی طرح تمام کتابیں اور صحیفے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام پر نازل ہُوئے ہیں، سب اسی کلام کی تفصیل ہیں۔

جب ازل و ابد باوجود اس قدر وسعت اور درازی کے وہاں آن واحد ہے بلکہ وہاں آن کی گنجائش بھی نہیں۔ کیونکہ آن کا اطلاق اس جگہ عبارت کی تنگی کے باعث ہے۔ تو پھر وہ کلام جو اس آن میں صادر ہو گا، وہ ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ ہو گا۔ نقطہ کا اطلاق بھی عبارت کی تنگی کے باعث کیا گیا ہے۔ ورنہ وہاں نقطہ بھی گنجائش نہیں رکھتا۔ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی وسعت بیچونی اور بیچگونی کی قسم سے ہے اور اس وسعت و تنگی سے جو امکان کی صفات ہیں، پاک و منزّہ ہیں۔

(۵) مومن حق تعالےٰ کو بیچونی اور بیچگونگی کے طور پر دیکھیں گے۔ کیونکہ وہ رویت جو بیچون کے متعلق ہے وہ بھی بیچون ہو گی۔ بلکہ دیکھنے والا بھی بیچونی سے

حظِ وافر پائے گا تاکہ بے چون کو دیکھ سکے : لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمُلْکِ اِلَّا مَطَایَاہُ (بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں) آج اس معمہ کو اپنے اخص خواص اولیاء پر حل و منکشف کیا ہے۔ یہ مسئلہ پوشیدہ بھی ان بزرگوں کے نزدیک تحقیقی ہے اور دوسروں کے نزدیک تقلیدی۔ اہل سنت والجماعت کے سوا تمام مخالف گروہ کیا مومن کیا کافر اس مسئلہ کے قائل نہیں ہیں اور سب کے سب حق تعالیٰ کے دیدار کو محال جانتے ہیں۔ مخالفوں کی دلیل حاضر پر غائب کا قیاس ہے۔ جس کا فساد ظاہر ہے سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے بغیر اس قسم کے پوشیدہ مسئلہ پر ایمان کا حاصل ہونا مشکل ہے ؎

لائق دولت نبود ہر سرے　　　　بارِ مسیحا نکشد ہر خرے

ترجمہ :　　لائق دولت نہیں ہر ایک سر
　　　　　مرکب عیسےٰؑ نہیں ہر ایک خر

تعجب آتا ہے کہ جو لوگ دولتِ رویت کا ایمان نہیں رکھتے وہ اس سعادت کو کس طرح حاصل کریں گے؟ کیونکہ منکر کے نصیب مایوسی اور ناامیدی ہوتی ہے اور اس سے زیادہ تعجب کی یہ بات ہے کہ بہشت میں رہیں اور پھر نہ دیکھیں۔ کیونکہ شرع سے جو کچھ بظاہر مفہوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ تمام اہل بہشت کو دیدار کی دولت حاصل ہوگی۔ اور یہ کہیں نہیں آیا کہ بعض اہلِ بہشت دیکھیں گے اور بعض نہ دیکھیں گے۔ ان لوگوں کے حق میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہی جواب کافی ہے جو انہوں نے فرعون کے سوال میں فرمایا تھا۔ اللہ تعالےٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے :۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۝

"کہا کہ پہلے قرنوں کا کیا حال ہے؟ کہا کہ ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا رب نہیں بھولتا جس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنایا اور تمہارے واسطے راستے بنائے اور آسمانوں سے پانی اُتارا۔"

جاننا چاہیئے کہ بہشت اور ماسوائے بہشت سب حق تعالیٰ کے نزدیک برابر ہیں۔ کیونکہ سب اسی کی مخلوق ہیں اور ان میں سے کسی میں حق تعالیٰ کے لئے حلول وتمکین نہیں۔ لیکن بعض مخلوق کو حق تعالیٰ کے انوار کے ظہور کی لیاقت ہے۔ اور بعض کو نہیں جس طرح کہ آئینہ صورتوں کے ظہور کی لیاقت رکھتا ہے اور پتھر و مٹی یہ قابلیت نہیں رکھتے۔ پس اس بارگاہ جل شانہٗ کی طرف سے مساوات کی نسبت کے باوجود فرق اسی طرف سے ہے ؎

ایں قاعدہ یاد دار آنجا کہ خداست　　　نہ جزو وکل نہ ظرف نہ مظروف است

ترجمہ : یاد رکھو جس جا وہ خداوندِ برین ہے
ظرف و مظروف وجزو کل نہیں ہے

دُنیا میں رویت واقع نہیں۔ کیونکہ یہ مقام اس دولت کے ظہور کی لیاقت نہیں رکھتا۔ جو شخص دُنیا میں رویت کے واقع ہونے کا قائل ہے وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔ اُس نے حق تعالےٰ کے غیر کو حق جانا ہے۔ یہ دولت اگر اس جہان میں میسّر ہوتی تو دوسروں کی نسبت حضرت کلیم اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام زیادہ حقدار تھے اور ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسّلام جو اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں تو اس کا وقوع دُنیا میں نہیں ہوا ہے بلکہ بہشت میں گئے ہیں اور دیکھا ہے جو عالمِ آخرت میں سے ہے دُنیا میں نہیں دیکھا بلکہ دُنیا میں دُنیا سے نکل کر آخرت کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں اور پھر دیکھا ہے۔

(۶) حق تعالےٰ زمینوں اور آسمانوں اور پہاڑوں اور دریاؤں اور درختوں اور میوؤں اور کانوں اور نباتات کا پیدا کرنے والا ہے۔ آسمان کو ستاروں کے ساتھ اور زمین کو انسانوں کے ساتھ آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ اگر بسیط ہے تو اسی کی ایجاد سے موجود ہوا ہے۔ اور اگر مرکب ہے تو وہ بھی اسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ غرض اسی نے تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لا کر حادث کیا ہے۔

حق تعالےٰ کے سوا کسی کے لئے قدم یعنی ہمیشگی نہیں اور نہ ہی اُس کے سِوا کوئی چیز قدیم ہو سکتی ہے۔ تمام اہلِ ملّت ماسوی اللہ کے حدوث پر اجماع رکھتے

ہیں اور بالاتفاق حق تعالیٰ کے غیر کو قدیم نہیں جانتے اور جو شخص اُن کے قدم کا قائل ہے اُس کو گمراہ اور کافر جانتے ہیں۔

امام حجۃ الاسلام نے رسالہ "منقذ من الضلال" میں اس بات کی تصریح کی ہے اور ان لوگوں کے لئے جو حق تعالیٰ کے غیر کو بھی قدیم جانتے ہیں کفر کا حکم کیا ہے اور وہ لوگ جو آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کے قدم کے قائل ہیں ان کی تکذیب قرآن مجید میں فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔

"اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا ہے پھر عرش پر متمکن ہُوا۔"

قرآن مجید میں اس قسم کی آیتیں بہت ہیں۔ وہ بہت ہی بیوقوف اور نادان ہے جو اپنی ناقص عقل سے قرآنی نصوص کے برخلاف کرے۔

فَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

"جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نور نہیں بنایا، اس کے لئے کوئی نُور نہیں۔"

(۷) جس طرح بندے حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اسی طرح بندوں کے افعال بھی اسی کی مخلوق ہیں۔ کیونکہ اس کے غیر کے لئے خلق و پیدا کرنا لائق نہیں اور ممکن سے ممکن کا وجود ہونا ناممکن ہے کیونکہ ممکن ناطاقتی اور بے علمی کے ساتھ متصف ہے جو ایجاد و خلق کے لائق نہیں اور جو کچھ بندہ اپنے اختیاری افعال میں دخل رکھتا ہے وہ اس کا کسب ہے جو بندے کی قدرت و ارادہ سے واقع ہُوا ہے۔ فعل کا پیدا کرنا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور فعل کا کسب کرنا بندے کی طرف سے۔

پس بندہ کا فعل اختیاری بمعہ بندہ کے کسب کے حق تعالیٰ کی پیدائش ہے اور اگر بندہ کے فعل میں اُس کے کسب و اختیار کا ہرگز دخل نہ ہو تو مرتعش (رعشہ دار و بلا اختیار) کا حکم پیدا کرے گا جو محسوس و مشاہدہ کے برخلاف ہے۔

ہم بداہتہً یعنی صاف طور پر جانتے ہیں کہ مرتعش (بے اختیار) کا فعل اور ہے اور مختار کا فعل اور، بندہ کے فعل میں اُس کے کسب کو دخل دینے کے لئے اسی قدر فرق کافی ہے، حق تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنی خلق کو بندہ کے فعل میں بندہ کے قصد کے تابع بنایا ہے۔ بندہ کے قصد کے بعد بندہ میں فعل کا ایجاد فرماتا ہے۔ اسی لئے بندہ مدح و ملامت اور ثواب و عذاب کے لائق ہوتا ہے اور قصد و اختیار جو حق تعالےٰ نے بندہ کو دیا ہے، فعل و ترک کی دونوں جہتیں رکھتا ہے اور فعل و ترک کی خوبی و برائی کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر مفصل بیان فرمایا ہے۔

اب اگر بندہ ایک جہت کو اختیار کرے تو وہ ضروری ملامت کے لائق ہوگا یا مدح و تعریف کے قابل۔ اور شک نہیں کہ حق تعالیٰ نے بندہ کو اسی قدر قُدرت و اختیار دیا ہے جس سے اوامر و نواہی کو بجا لا سکے، یہ ضروری نہیں کہ اس کو قدرتِ کاملہ عطا کی جاتی اور پورا پورا اختیار دیا جاتا۔ جو کچھ اور جس قدر چاہیئے تھا دے دیا ہوا ہے۔ اس کا منکر بداہت و صراحت کا مخالف ہے اور اس کا دل بیمار ہے کہ شریعت کے بجالانے میں عاجز اور درماندہ ہے:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ۔

"مشرکوں پر وہ امر جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے بہت بھاری ہے۔"

یہ مسئلہ علمِ کلام کے پوشیدہ مسائل میں سے ہے۔ اس مسئلہ کا نہایت شرح و بیان یہی ہے جو ان اوراق میں لکھا جا چکا ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُوَفِّقُ۔

"اللہ تعالےٰ توفیق دینے والا ہے۔"

جو کچھ اہلِ حق نے فرمایا ہے اُس پر ایمان لانا چاہیئے اور بحث و تکرار کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن | کہ جاہا سپر باید انداختن

ترجمہ: ہر اک جا مناسب نہیں حملہ کرنا
کہ اکثر جگہوں سے مناسب ہے ڈرنا

(۸) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام اہلِ جہان کے لئے سراسر رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خلق کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور ان بزرگواروں کے ذریعے بندوں کو اپنی جناب پاک کی طرف بُلایا ہے اور دار السلام کی طرف۔ جو اُس کی رضا کا مقام ہے، دعوت فرمائی ہے۔ وہ بہت ہی بدبخت ہے جو کریم کی دعوت کو قبول نہ کرے اور اُس کی دولت کے دستر خوان سے فائدہ حاصل نہ کرے۔ ان بزرگواروں نے حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ پہنچایا ہے سب سچ اور حق ہے اس کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے۔ عقل اگرچہ حُجت ہے لیکن حجیت میں ناقص ہے۔ حُجت کاملہ و بالغہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی بعثت سے حاصل ہوئی ہے جس نے بندوں کے لئے عذر کا کوئی موقع نہیں چھوڑا۔ پیغمبروں میں سے اوّل حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور اُن میں سے اخیر و خاتم النبوت حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمان لانا چاہیئے اور سب کو معصوم یعنی گناہ سے پاک اور راست گو جاننا چاہیئے۔ ان بزرگواروں میں سے ایک پر ایمان نہ لانا گویا ان تمام پر ایمان نہ لانا ہے۔ کیونکہ ان کا کلمہ متفق ہے اور اُن کے دین کے اصول واحد ہیں۔ حضرت عیسےٰ علی نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام جو آسمان سے نزول فرمائیں گے تو حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کریں گے۔

حضرت خواجہ محمد پارسؒا جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہما کے کامل خلفاء میں سے ہیں اور بڑے عالم اور محدث بھی ہیں۔ اپنی کتاب فصولِ ستہ میں معتبر نقل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علی نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے اور ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام جانیں گے۔

(۹) فرشتے حق تعالیٰ کے بزرگ بندے ہیں اور حق تعالیٰ کی رسالت و تبلیغ کی دولت سے مشرف ہیں اور جس چیز کا ان کو امر ہے بجالاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی سرکشی اور نافرمانی اُن کے حق میں مفقود ہے۔ کھانے، پینے، پہننے اور زن و مرد

وتوالد و تناسل سے پاک ہیں۔ حق تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے انہی کے ذریعے نازل ہوئے ہیں اور انہی کی امانت پر محفوظ و مامون رہے ہیں۔ ان سب پر ایمان لانا دین کی ضروریات میں سے ہے اور اُن کو سچا جاننا اسلام کے واجبات میں سے ہے۔ جمہور اہلِ حق کے نزدیک خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔ کیونکہ ان کا وصول باوجود عوائق اور موانع کے ہے اور فرشتوں کا قرب بغیر مزاحمت و ممانعت کے ہے۔ تسبیح و تقدیس اگرچہ قدسیوں کا کام ہے۔ لیکن جہاد کو اس دولت کے ساتھ جمع کرنا کامل انسانوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَۃً وَّکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی۔

"اللہ تعالیٰ نے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر کئی درجے فضیلت دی ہے اور ہر ایک کو حسنیٰ یعنی اعلےٰ جزا کا وعدہ دیا ہے۔"

(۱۰) مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبر و قیامت اور حشر و نشر اور دوزخ و بہشت کے احوال کی نسبت جو کچھ خبر دی ہے سب سچ ہے۔ آخرت پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے ایمان کی طرح اسلام کی ضروریات میں سے ہے۔ آخرت کا منکر صانع کا منکر ہے اور قطعی کافر ہے۔

قبر کا عذاب اور اُس کی تنگی وغیرہ حق ہے۔ اس کا منکر اگرچہ کافر نہیں، لیکن بدعتی ضرور ہے۔ کیونکہ احادیثِ مشہورہ کا منکر ہے۔ قبر چونکہ دُنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس لئے اس کا عذاب بھی ایک لحاظ سے دنیا کے عذاب کے مشابہ ہے جو انقطاع پذیر یعنی ختم ہونے والا ہے اور ایک اعتبار سے عذابِ آخرت کی مانند ہے جو عذابِ آخرت کی جنس سے ہے۔ اس عذاب کے زیادہ تر مستحق وہ لوگ ہیں جو پیشاب سے پرہیز نہیں کرتے اور نیز وہ لوگ جو لوگوں کی چغلی اور سخن چینی کرتے ہیں۔

(۱۱) قبر میں منکر و نکیر کا سوال حق ہے۔ قبر میں یہ بڑا بھاری فتنہ اور آزمائش ہے۔ حق تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

قیامت کا دن حق ہے اور ضرور آنے والا ہے۔ اُس دن آسمان پارہ پارہ ہو جائیں گے، ستارے گر جائیں گے۔ زمین و پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیست و نابود و معدوم ہو جائیں گے۔ جیسے کہ نصوصِ قرآنی ظاہر کرتی ہیں اور تمام اسلامی گروہوں کا اجماع اس پر منعقد ہے۔ اُس کا منکر کافر ہے۔ اگرچہ مقدمات موہومہ سے اپنے کفر کی تسویل کرے اور نادانوں کو راستہ سے بہکائے۔ اُس دن قبروں سے اُٹھنا اور بوسیدہ ہڈیوں کا زندہ ہونا حق ہے اور اعمال کا حساب ہونا اور میزان کا رکھا جانا اور عمل ناموں کا اُڑ کر آنا اور نیکوں کو دائیں ہاتھ میں اور بُروں کو بائیں ہاتھ میں عمل ناموں کا ملنا سب حق ہے اور پُل صراط جو پشت دوزخ پر رکھی جائے گی اور وہاں سے گزر کر بہشتی بہشت میں جائیں گے اور دوزخی اس سے پھسل کر دوزخ میں گریں گے، حق ہے۔ یہ سب امور ہونے والے ہیں۔ مخبر صادقؑ نے ان کے واقع ہونے کی نسبت خبر دی ہے۔ ان کو بے توقف قبول کر لینا چاہیئے اور وہمی باتوں سے شک و تردید نہ کرنی چاہیئے۔ اور مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۔ (جو کچھ رسول تمہارے ساتھ لایا اُس کو پکڑ لو) نص قطعی ہے۔

قیامت کے دن نیکوں کی شفاعت بُروں کے حق میں اللہ تعالےٰ کے حکم سے حق ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ ۔

"یعنی میری شفاعت میری اُمت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے"

دوزخ کا عذاب اور جنت کا عیش و آرام حق ہے۔ حساب کے بعد کافر ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں رہیں گے اور مومن ہمیشہ کے لئے جنت کے عیش و آرام میں رہیں گے۔

مومن فاسق اگرچہ اپنے گناہوں کی شامت سے کچھ مدت کے لئے دوزخ میں جائے گا اور گناہوں کے موافق عذاب پائے گا لیکن دوزخ میں ہمیشہ تک رہنا اس کے حق میں مفقود ہے۔ جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو گا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا اُس کے کام کا انجام رحمت پر اور اُس کا مقام جنت میں ہو گا۔

ایمان و کفر کا مدار خاتمہ پر ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تمام عمر ان دونوں صفتوں میں سے ایک کے ساتھ متصف رہتا ہے اور آخر بار اس کی ضد سے بدل جاتا ہے۔ اِنَّمَا الْعِبْرَۃُ لِلْخَوَاتِیْمِ۔ (اعتبار خاتمہ پر ہے)۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۔

" یا اللہ تو ہدایت دے کر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے "

(۱۲) ایمان مراد ہے تصدیق قلبی سے ان امور کے ساتھ جو دین سے ضرورت اور تواتر کے طور پر ثابت ہو چکے ہیں اور زبانی اقرار بھی ان امور کے ساتھ ضروری ہے۔ جیسے کہ صانع کے وجود اور اس کے توحید پر ایمان لانا اور آخرت پر ایمان کتابیں اور صحیفے حق ہیں۔ اور انبیاء کرام اور ملائکہ عظام پر ایمان لانا اور آخرت پر ایمان لانا جس میں اجساد کا حشر ہو گا۔ دوزخ و بہشت کا دائمی عذاب و آرام ہو گا۔ آسمان پھٹ جائیں گے۔ ستارے گر جائیں گے۔ زمین و پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ ایسے ہی ایمان لانا کہ پنجوقتی نماز اور ان میں رکعتوں کی تعداد اور مال کی زکوٰۃ اور رمضان کے روزے۔ اور راستہ کی توفیق حاصل ہونے پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے۔ اور ایمان لانا کہ شراب کا پینا، ناحق قتل کرنا، ماں باپ کی نافرمانی، چوری، زنا، یتیم کا مال کھانا، سود کا مال کھانا، وغیرہ حرام ہیں جو دین کی ضروریات میں سے ہیں اور تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

(۱۳) مومن گناہ کبیرہ کے کرنے سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کافر نہیں ہوتا۔ کبیرہ کو حلال جاننا کفر ہے اور اس کا کرنا فسق ہے۔

اپنے آپ کو مومن برحق جاننا چاہیئے یہ یعنی اپنے ایمان کے ثبوت و تحقق کا اقرار کرنا چاہیئے اور کلمہ استثناء یعنی انشاء اللہ اس کے ساتھ نہ ملانا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں شک پایا جاتا ہے اور ایمان کے ثبوت کے ساتھ منافات رکھتا ہے۔ اگرچہ استثناء کو خاتمہ کی طرف راجع کرتے ہیں جو مبہم ہے لیکن ثبوت حالی کے شبہ سے بھی خالی نہیں۔ پس احتیاط شک و شبہ کے ترک میں ہے۔

(۱۴) حضرت خلفاءِ اربعہ رضؓ کی افضلیت اُن کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے کیونکہ تمام اہلِ حق کا اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں سے افضل حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ افضلیت کی وجہ جو کچھ اس فقیر نے سمجھی ہے وہ فضائل و مناقب کی کثرت نہیں ہے بلکہ ایمان میں سب سے سابق ہونا اور دین کی تائید اور مذہب کی ترقی کے لئے سب سے زیادہ مال و جان کو خرچ کرنا ہے۔ کیونکہ سابق گویا دین کے امر میں لاحق کا اُستاد ہے اور لاحق جو کچھ پاتا ہے سابق کی دولت سے پاتا ہے۔ یہ تینوں کامل صفتیں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی میں منحصر ہیں۔ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ ہی ہیں جو سب سے اوّل اسلام لائے اور مال و جان سب کچھ قربان کر دیا اور یہ دولت اس اُمت میں ان کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ موت میں فرمایا :-

لَيْسَ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اَمَنَّ عَلَيَّ فِيْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ مِنْ اَبِيْ بَكْرِ ابْنِ قُحَافَةَ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ وَلٰكِنْ خُلَّةُ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ سُدُّوْا عَنِّيْ كُلَّ خَوْخَةٍ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ اَبِيْ بَكْرٍ -

"لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جس نے مجھ پر ابو بکر بن ابو قحافہ رضؓ سے بڑھ کر مال و جان میں احسان کیا ہو۔ اگر میں کسی کو دوست بنانا چاہتا تو ابو بکر رضؓ کو بناتا لیکن اسلامی دوستی افضل ہے۔ اس مسجد میں ابو بکر رضؓ کے دریچہ کے سوا اور جتنے دریچے ہیں سب کو میری طرف سے بند کر دو"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِيْ اِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ صَدَقْتَ وَوَاسَانِيْ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَهَلْ اَنْتُمْ تَارِكُوْنَ لِيْ صَاحِبِيْ -

"اللہ تعالےٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا، تم نے مجھے جھٹلایا اور ابو بکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے میری ہمدردی اور غمخواری کی۔ کیا تم میرے

لئے میرا دوست نہیں چھوڑتے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

لَوْ کَانَ بَعْدِی نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّاب۔

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ابن خطاب ہوتا۔"

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ اس امت میں سب سے افضل ہیں۔ جو کوئی مجھے ان پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگاتے ہیں۔

حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے درمیان لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیئے اور ہوا و ہوس اور حب جاہ و ریاست اور طلب رفعت و منزلت سے دور سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ نفس امارہ کی رذیلہ اور کمینہ خصلتیں ہیں اور ان کے نفس حضرت خیر البشرؐ کی صحبت میں پاک و صاف ہو چکے تھے۔ البتہ اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ ان لڑائی جھگڑوں میں جو حضرت امیرؓ کی خلافت میں واقع ہوئے تھے حق حضرت امیرؓ کی جانب تھا اور ان کے مخالف خطا پر تھے۔ لیکن یہ خطا خطاءِ اجتہادی کی طرح طعن و ملامت سے دور ہے۔ پھر فسق کی طرف منسوب کرنے کی کیا مجال ہے؟ کیونکہ صحابہؓ سب کے سب عدول ہیں اور سب کی روایات مقبول ہیں۔ حضرت امیرؓ کے موافقوں اور مخالفوں کی روایات صدق و وثوق میں برابر ہیں اور لڑائی جھگڑے کے باعث کسی پر جرح نہیں ہوتی۔ پس سب کو دوست جاننا چاہیئے۔ کیونکہ ان کی دوستی حضرت پیغمبر علیہ السلام کی دوستی کا نتیجہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

مَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ۔

"جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا۔"

اور ان کی بغض و دشمنی سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کا بغض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بغض ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

مَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ۔

"جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا اس نے گویا میرے بغض کے باعث ان

کے ساتھ بغض رکھا۔"

ان بزرگواروں کی تعظیم و توقیر میں حضرت خیر البشرؐ کی تعظیم و توقیر ہے اور ان کی بے قدری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے قدری ہے۔ غرض حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی تعظیم کے جماعت سب کی تعظیم و توقیر بجالانی چاہیئے۔ شیخ شبلیؒ نے فرمایا ہے :۔

مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلٍ مَنْ لَمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَهٗ۔

"جس نے اصحاب کی عزت نہ کی وہ رسولؐ کے ساتھ ایمان نہیں لایا۔"

اعمال

اعتقاد کے درست کرنے کے بعد اعمال کا بجالانا بھی ضروری ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بناء پانچ چیزوں پر ہے۔ اولؔ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ کی شہادت دینا۔ یعنی ان تمام باتوں پر ایمان و اعتقاد حاصل کرنا جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے ثابت ہوئی ہیں جیسے کہ گزر چکا۔

دوسرےؔ پانچوں نمازوں کا ادا کرنا جو دین کا ستون ہیں۔

تیسرےؔ مال کی زکوٰۃ دینا۔

چوتھےؔ ماہِ مبارک رمضان کے روزے رکھنا۔

پانچویںؔ بیت اللہ کا حج کرنا۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد نماز تمام عبادتوں سے بہتر عبادت ہے۔ اور ایمان کی طرح فی حدِ ذاتہٖ حسن و خوب ہے۔ برخلاف دوسری عبادتوں کے کہ ان کا حسن و خوبی ذاتی نہیں۔ طہارت کاملہ کے بعد جیسے کہ کتب شرح میں ظاہر ہو چکا ہے بڑی کوشش اور اہتمام سے نماز کو ادا کرنا چاہیئے اور قرأت و رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ اور تمام ارکان میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ کامل طور پر ادا ہوں اور رکوع و سجود و قومہ و جلسہ میں سکون و طمانیت یعنی آرام کو لازم جاننا چاہیئے اور سستی اور بے پروائی سے ادا نہ کرنی

چاہیئے۔ نماز کو اول وقت میں ادا کریں اور سستی و جہالت سے تاخیر کو پسند نہ کریں۔ بندۂ مقبول وہی ہے جو مولیٰ کے امر ہوتے ہی اس کا امر بجا لائے۔ امر کے بجا لانے میں دیر کرنا بے ادبی اور سرکشی ہے۔ فقہ کی فارسی کتابیں ترغیب الصلوٰۃ و تیسیر الاحکام وغیرہ ہر وقت اپنے پاس رکھیں اور مسائلِ شرعیہ کو اُن میں سے دیکھ کر اُن پر عمل کریں۔ کتاب گلستان وغیرہ فقہ کی فارسی کتابوں کے مقابلہ میں فضول و بیکار ہیں۔ بلکہ ضروری امر کے سامنے لایعنی ہیں۔ دین میں جس امر کی حاجت اور ضرورت ہے اس کو جاننا چاہیئے اور اس کے سوا اور طرف التفات نہ کرنی چاہیئے۔

نماز تہجد بھی اس راہ کی ضروریات میں سے ہے کوشش کریں کہ ترک نہ ہونے پائے۔ اگر ابتداء میں یہ امر مشکل نظر آئے اور اس وقت بیداری میسر نہ ہو سکے تو اپنے خدمت گاروں میں سے کسی کو اس امر کے لئے مقرر کریں کہ اس وقت آپ کو جگا دیا کرے اور آپ کو نیند میں نہ رہنے دے۔ چند روز کے بعد بیداری کی عادت ہو جائے گی اور اُس تکلف و تحمل کی حاجت نہ رہے گی۔ جو شخص پچھلی رات کو بیدار ہونا چاہے اُسے چاہیئے کہ نماز خفتن کے بعد اوّل شب کو سو جائے اور بے ہودہ امور میں مشغول ہو کر جاگتا نہ رہے اور سوتے وقت توبہ و استغفار و التجا و تضرع کیا کریں اور گناہوں اور معاصی کو یاد کریں۔ اپنے عیبوں اور قصوروں کو سوچیں اور آخرت کے عذاب کا خوف کریں اور دائمی رنج والم سے ڈریں اور حق تعالےٰ کی بارگاہ سے عفو و مغفرت طلب کریں۔ سو بار کلمہ استغفار دلی توجہ کے ساتھ زبان پر لائیں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

دیگر یعنی عصر کے ادا کرنے کے بعد بھی کلمہ استغفار سو بار پڑھا کریں اور خواہ وضو ہو یا نہ ہو اس کلمہ استغفار کے وِرد کو ترک نہ کریں۔ حدیث میں آیا ہے۔

طُوْبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِیْ صَحِیْفَتِہٖ اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا۔

"مبارک ہے وہ شخص جس کے عمل نامہ میں بہت استغفار ہو"

نماز چاشت بھی اگر ادا کی جائے تو بڑی اعلیٰ دولت ہے۔ کوشش کریں کہ کم از کم دو رکعت نماز چاشت ہمیشہ کے لئے ادا ہو سکیں۔ نماز چاشت کی اکثر

رکعتیں تہجد کی طرح بارہ رکعتیں ہیں اور وقت وحال کے موافق جتنی ادا ہو سکیں غنیمت ہے۔ کوشش کریں کہ ہر فرض نماز کے ادا کرنے کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے اس کو موت کے سوا بہشت میں داخل ہونے سے کوئی چیز نہیں روکتی۔

نیز پنجگانہ نمازوں میں سے ہر نماز کے بعد تنتیس ۳۳ دفعہ کلمہ تنزیہہ سُبحان اللہ اور تنتیس بار کلمہ تمجید الحمد للہ اور تنتیس بار کلمہ تکبیر اللہ اکبر کہیں اور ایک بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تا تاکہ سو کی تعداد پوری ہو جائے۔ نیز ہر دن اور ہر رات کو سو بار سبحان اللہ وبحمدہٖ کہیں کہ اس کا بہت ثواب ہے۔ نیز صبح کے وقت ایک دفعہ یہ پڑھیں :-

اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ ۔

"یا اللہ آج صبح کو جو نعمت مجھے یا تیری خلقت میں سے کسی کو پہنچی ہے وہ تیری ہی طرف سے ہے تو ایک ہے تیرا کوئی شریک نہیں پس تیرے ہی لئے حمد ہے اور تیرے ہی لئے شکر ہے"

اور شام کے وقت اللھم اصبح کی بجائے اللھم امسیٰ کہیں اور تمام کریں۔ حدیث نبوی ؐ میں آیا ہے کہ جو کوئی اس دُعا کو دن میں پڑھے گا اس دن کا شکر ادا ہو جائے گا اور جو کوئی رات کو پڑھے گا اس رات کا شکر ادا ہو جائے گا۔ اور ورد کے لئے ضروری نہیں کہ طہارت و وضو کے ساتھ پڑھیں بلکہ رات اور دن کو اس ورد کو جس وقت چاہیں بجا لائیں۔

مال کی زکوٰۃ دینا بھی دین کی ضروریات میں سے ہے۔ رغبت و منت سے زکوٰۃ کے مصارف میں پہنچانی چاہیئے۔ جب منعم حقیقی جل شانہ نے فرمایا ہے کہ میرے عطیہ اور انعام کے چالیس حصوں میں سے ایک حصہ فقراء و مساکین کو دیں اور میں تم کو اس کے عوض میں بڑا اجر اور اچھی جزا دوں گا تو پھر وہ شخص بہت ہی بے انصاف اور سرکش ہوگا جو اس تھوڑے سے حصہ کے ادا کرنے میں توقف کرے اور اُس

کے دینے میں بُخل اختیار کرے، اس قسم کے توقف جو شرعی احکام کے بجالانے میں ظاہر ہوتے ہیں ان کا باعث دلی بیماری ہے یا آسمانی منزلہ احکام کے ساتھ یقین نہ کرنا۔ صرف کلمہ شہادت کا کہنا ہی کافی نہیں، منافق بھی اس کلمہ کو کہتے تھے۔ دلی یقین کی علامت رضا و رغبت سے احکام شرعی کا بجالانا ہے۔ ایک جیتل جو زکوٰۃ کے ادا کرنے کی نیّت پر کسی فقیر کو دیں، اُن لاکھ جیتل کے خرچ کرنے سے بہتر ہے جو اس نیت کے بغیر دیں۔ کیونکہ اس کا دینا فرض ہے اور اُس کا دینا نفل۔ فرض کے مقابلہ میں نفل کسی گنتی میں نہیں ہے۔ کاش کہ ان کے درمیان وہی نسبت ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے مگر نہیں، یہ شیطان لعین کے مکروفریب ہیں کہ لوگوں کو فرائض سے ہٹا کر نوافل کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور زکوٰۃ سے روک رکھتا ہے۔

ماہِ مبارک رمضان کے روزے بھی اسلام کے واجبات اور دین کی ضروریات میں سے ہیں، ان کے ادا کرنے میں بھی بڑی کوشش کرنی چاہیئے اور بے ہُودہ عذروں سے روزہ ترک نہ کرنا چاہیئے۔ حضرت پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے کہ روزہ دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے اور اگر بیماری یا اور کسی ضروری مانع کے باعث روزہ قضا ہو جائے تو بلا توقف اس کی قضاء ادا کرنی چاہیئے اور سستی اور غفلت سے نہ چھوڑنا چاہیئے۔

انسان اپنے مولیٰ کا بندہ اور غلام ہے۔ خود مختار نہیں ہے۔ اُس کو اپنے مولیٰ کے اوامر و نواہی کے بموجب زندگانی بسر کرنی چاہیئے تاکہ نجات کی اُمید ہو سکے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو بندہ سرکش ہوگا جس کی سزا طرح طرح کے عذاب ہیں۔

اسلام کا پانچواں رُکن بیت اللہ کا حج ہے۔ اُس کی بہت سی شرطیں ہیں جو کُتب فقہ میں مفصّل طور پر درج ہیں۔ شرطوں کے موجود ہونے پر اُس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ حضرت پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے کہ حج پہلے تمام گناہوں کو گرا دیتا ہے۔

غرض شرعی حل و حرمت میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے اور جس چیز سے صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے منع فرمایا ہے اس سے اپنے آپ کو روکنا چاہیئے

اور شرعی حدود کی محافظت کرنی چاہیئے اگر سلامتی اور نجات مطلوب ہے۔ یہ خواب خرگوش کب تک ہوگی اور غفلت کی رُوئی کب تک کانوں میں پڑی رہے گی۔ آخر ایک دن اس نیند سے جگادیں گے اور غفلت کی رُوئی کانوں سے نکال ڈالیں گے۔ اس وقت ندامت و حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور خجالت و خسارت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ موت نزدیک ہے اور آخرت کے طرح طرح کے عذاب تیار اور آمادہ ہیں۔

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ ۔ "جو مرگیا اسکی قیامت آگئی"۔

پیشتر اس کے کہ آپ کو بیدار کریں (اور اس وقت کا جاگنا کچھ فائدہ نہ دے گا) بیدار ہو جائیں اور شرع کے اوامر و نواہی کے مطابق عمل کریں اور آخرت کے طرح طرح کے عذابوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔

"یعنی اپنی جانوں اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں"۔

عقائد کے درست کرنے اور شریعت حقہ کے مطابق اعمالِ صالحہ کے بجالانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی جلشانہٗ سے آباد رکھنا چاہیئے اور اس کی یاد سے فارغ و غافل نہ ہونا چاہیئے۔ ظاہر کو اگر خلق کے ساتھ مشغول رکھیں تو چاہیئے کہ باطن حق تعالےٰ کے ساتھ مشغول ہو اور اُس کی یاد سے لذت پانی چاہیئے۔

ہمارے حضرات خواجگان قدس سرہم کے طریقہ میں مبتدی کو یہ دولت شیخ کامل مکمل کی صحبت میں پہلے ہی قدم میں اللہ تعالےٰ کی عنایت سے حاصل ہو جاتی ہے۔ امید ہے کہ آپ کو بھی اس بات کا یقین حاصل ہُوا ہوگا۔ بلکہ کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہوگا۔ غرض جو کچھ آپ کو حاصل ہے اُس کو حفاظت سے رکھیں اور اُس کا شکر ادا کریں اور زیادتی کے امیدوار رہیں۔ چونکہ حضرات نقشبندیہ قدس سرہم کے طریقہ میں اندراج نہایت در بدایت (ابتدا میں انتہا درج) ہے۔ اس لئے اس طریق میں تھوڑا بھی بہت ہے۔ کیونکہ ابتدا میں انتہا کی خبر مل جاتی ہے۔ لیکن مبتدی کے لئے ضروری ہے کہ خواہ اس کو بہت کچھ حاصل ہو اُس کی نظر میں تھوڑا ہی دکھائی

دے۔لیکن اس کے شکر سے غافل نہ رہے اس کا بھی شکر ادا کرے اور زیادتی کا بھی طالب رہے۔ ذکر قلبی سے اصلی مقصود یہ ہے کہ ماسوائے حق کی گرفتاری اور تعلق جو دلی بیماری ہے دل سے دُور ہو جائے۔جب تک یہ گرفتاری دُور نہ ہو ایمان کی حقیقت کا پتہ نہیں لگتا اور شریعت کے اوامر و نواہی کے ادا کرنے میں سہولت و آسانی حاصل نہیں ہوتی۔

ذکر گو ذکر تا ترا جان است　　　　پاکئ دل ز ذکر رحمان است

ترجمہ :　ذکر کر ذکر جب تلک جان ہے
دل کی پاکی یہ ذکر رحمان ہے

کھانا کھانے میں چاہیئے کہ نفس کی لذت مطلوب نہ ہو بلکہ عبادت کی قوت و طاقت کی نیت سے کھانا کھائیں۔اگر ابتدا میں یہ نیت حاصل نہ ہو تو تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو اس نیت پر لائیں اور التجا و تضرع کریں کہ یہ نیت حاصل ہو جائے۔اسی طرح کپڑا پہننے میں بھی عبادت و نماز کے ادا کرنے کے لئے زینت و زیبائش کی نیت ہونی چاہیئے۔قرآن مجید میں آیا ہے :

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ۔

"ہر مسجد کے نزدیک اپنی زینت حاصل کرو"۔

قیمتی اور عمدہ کپڑوں کے پہننے سے مقصود خلق کا نمود اور ریا نہ ہونا چاہیئے کہ یہ منع ہے۔اسی طرح کوشش کرنی چاہیئے کہ تمام افعال و حرکات و سکنات میں اپنے مولا جل شانہٗ کی رضامندی منظور ہو اور شریعت کے موافق عمل کیا جائے۔ اس وقت ظاہر و باطن دونوں حق تعالےٰ کی طرف متوجہ اور اُس کی یاد میں ہوں گے۔مثلاً خواب یعنی نیند جو سراسر غفلت ہے جب اس نیت سے کی جائے کہ طاعت و عبادت کے ادا کرنے میں سستی دُور ہو تو اس نیت پر سونا بھی عبادت ہے اور جب تک سوتے رہیں طاعت و عبادت ہی میں شمار ہوتا ہے۔کیونکہ یہ سونا بھی طاعت کے ادا کرنے کی نیت پر ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ :

نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ　"علماء کا سونا بھی عبادت ہے"۔

اگرچہ فقیر جانتا ہے کہ آج آپ کو اس بات کا حاصل ہونا مشکل ہے۔کیونکہ

موانع کا ہجوم ہے اور رسوم و عادات غالب ہیں جو ننگ و ناموس کے لئے ضروری ہیں۔ یہ سب امور شریعت کے مخالف ہیں۔ کیونکہ شریعت رسوم و عادات کے رفع کرنے اور اس ننگ و ناموس کے دفع کرنے کے لئے جو نفس امّارہ کی خواہش سے پیدا ہوتے ہیں وارد ہوئی ہے لیکن اگر اللہ تعالےٰ کی توفیق سے ذکر قلبی پر ہمیشگی کریں گے اور پنجوقتی نماز کو پوری شرائط کے ساتھ ادا کریں گے اور شرعی حل و حرمت میں حتی المقدور احتیاط کریں گے تو امید ہے کہ اس امر کا جمال ظاہر ہو جائے گا اور آپ خود بخود اس طرف راغب ہو جائیں گے۔ دوسری وجہ اس قسم کی نصیحتوں کے لکھنے سے یہ ہے کہ اگر ان نصیحتوں کے مطابق عمل نہ ہو سکے تو اپنے قصور و نقص کا اقرار ہی حاصل ہو گا اور یہ بھی بڑی دولت ہے۔ ؎

ہر کس کہ بیافت دولتے یافت عظیم — وآنکس کہ نیافت درد نا یافت بس است

ترجمہ : جس نے پایا اس کو گویا مل گئی دولت عظیم
اور جس نے کچھ نہ پایا پالیا دردِ الیم

اس شخص سے اللہ کی پناہ جو نہ پائے اور اپنے نہ پانے سے رنجیدہ نہ ہو، اور کچھ نہ کرے اور اپنے نہ کرنے سے پشیمان نہ ہو۔ ایسا شخص جاہل سرکش ہی ہے، جس نے بندگی کی رسّی سے اپنے سر کو اور غلامی کی قید سے اپنے پاؤں کو نکال لیا ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۔

"یا اللہ تُو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر"

اگرچہ وقت و حال اور زمان و مکان اس امر کا تقاضا نہیں کرتا تھا کہ کچھ لکھا جائے لیکن جب آپ کا کمال رغبت و شوق دیکھا اس لئے تکلّف کے ساتھ اپنے آپ کو اس امر پر لا کر چند سطریں لکھ کر کمال الدین حسین کے حوالہ کی ہیں، حق تعالےٰ آپ کو اس کے مطابق عمل عطا فرمائے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔)

٭

مکتوب ۱۸

زمانہ ابتلاء کا ایک اور مکتوب گرامی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، دَائِمًا عَلٰی کُلِّ حَالٍ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ۔
"رنج وخوشی میں ہر حال پر ہمیشہ رب العالمین کی حمد ہے"

آپ کا صحیفہ شریفہ معہ ہدیہ کے جو سلیمان کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچا۔ اللہ تعالٰے آپ کو جزاءِ خیر دے۔ آپ نے لکھا تھا کہ اس سفر سے مقصود بعض اُن مقاصد کا حاصل ہونا تھا جن کا حاصل ہونا مشکل تھا۔ آپ امیدوار ہیں۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ط (کیونکہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے بیشک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ لَنْ یَّغْلِبَ عُسْرٌ یُسْرَیْنِ۔ "دو آسانیوں پر ایک تنگی کبھی غالب نہیں ہوتی"

فقیر اپنے احوال پُر ملال کو کیا لکھے اور کیا دوستوں کو بے مزہ کرے۔ تاہم اللہ تعالٰے کا ہزار ہزار شکر ہے کہ عین بلا میں عافیت حاصل ہے۔

فَسُبْحَانَ اللّٰہِ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ الضِّدَّیْنِ وَقَرَنَ بَیْنَ الْمُتَنَافِیَیْنِ۔
پاک ہے وہ ذات جس نے دو ضدوں کو جمع کر دیا اور دو مخالف چیزوں کو ملا دیا"

ایک دن فقیر قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ یہ آیت آئی:

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔

(سورۂ توبہ آیت ۲۵) ۱۲

"کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، کنبہ اور وہ مال جو تم نے

جمع کئے ہیں، اور تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کی نسبت تم کو عزیز ہیں تو پھر منتظر رہو کہ اللہ تعالےٰ کا امر آ جائے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا "

اس آیت کریمہ کے پڑھنے سے بہت گریہ اور خوف غالب آیا۔ اسی اثناء میں اپنے حال کا مطالعہ کیا۔ دیکھا کہ ان تعلقات میں سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اگر سب کے سب تلف و ناچیز ہو جائیں تو کوئی ایسا امر پسند نہ کرے گا جس کا کرنا شریعت میں بُرا معلوم ہو اور ان امور کو اس امر پر اختیار نہ کرے گا۔

مکتوب ایضاً

اپنے مریدوں کے دینی احوال کا خیال رکھنا

باقی التماس یہ ہے کہ جب یار ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے صحبت رکھتے ہیں تو ہمیں بھی چاہیئے کہ ان کو آزردہ نہ کریں بلکہ ناز کے ساتھ رکھیں اور ان کے ظاہری باطنی احوال کی خبر رکھیں۔ حدیث قدسی مشہور ہے:

یَا دَاؤُدَ اِذَا رَئَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَہٗ خَادِمًا۔

"اے داؤد! جب تُو کوئی میرا طالب دیکھے تو اس کی خدمت کر۔"

اُن کے حال پر پہلے کی نسبت زیادہ توجہ رکھیں اور لاپروائی اور تغافل کو دُور کریں۔

مکتوب ۱۹ ج ۳

صبر اور رضا بر قضا کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَ فِی الْعَافِیَۃِ وَالْبَلَاءِ۔

"رنج و خوشی اور عافیت و بلا میں اللہ رب العالمین کی حمد ہے۔" اس حکیم

جل شانہٗ کا کوئی کام حکمت و بہتری سے خالی نہیں ہوتا۔ جو کچھ اللہ تعالےٰ کرتا ہے اس میں سراسر صلاح و بہتری ہوتی ہے۔

عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔

" قریب ہے کہ تم کسی شئے کو بُرا جانو اور وہ تمہارے لئے اچھی ہو، اور کسی شئے کو تم اچھا جانو اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو، یہ بات اللہ تعالےٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے "

پس آپ اس کی بلا پر صبر کریں۔ اس کی قضاء پر راضی رہیں۔ اس کی طاعت پر ثابت قدم رہیں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔
اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

مَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ۔

" جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے اور بہت کو معاف کرتا ہے "

پس اپنے افعال سے اللہ تعالےٰ کے سامنے توبہ و استغفار کریں اور اس سے عفو و عافیت طلب کریں۔

فَاِنَّہٗ تَعَالٰی عَفُوٌّ یُّحِبُّ الْعَفْوَ " کیونکہ اللہ تعالےٰ معاف کرنے والا ہے اور عفو کو دوست رکھتا ہے "

اور جہاں تک ہو سکے بلا سے بچیں۔ کیونکہ اس مصیبت سے جو طاقت سے بڑھ کر ہو بھاگنا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سُنت ہے۔ اور ہم عین بلا میں عافیت کے ساتھ ہیں۔ اس بات پر اللہ تعالےٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے ۔

مکتوب نمبر ۲

شریعت پر استقامت رکھنا اور اپنے شیخ کو ہر خیر کا وسیلہ سمجھنا ضروری ہے

آپ نے اپنے احوال و مواجید کی نسبت جو کچھ لکھا تھا، سب واضح ہوا۔ آپ سے ان امور کی زیادہ اُمید ہے۔ جو کچھ عطا فرمائیں منت و ادب سے قبول کرنا چاہیئے اور تضرع و زاری و التجا و انکسار سے "ہل مزید" کہتے ہوئے زیادتی اور مقام فوق کا سوال کرنا چاہیئے اور احکامِ شرعیہ کے بجا لانے میں بڑی رعایت و کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ احوال کے صادق ہونے کی علامت شریعت کی استقامت ہے۔ اس واقعہ کی تعبیر جو آپ نے عالم مثال سے لکھا تھا معاملہ کے نزدیک ہے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) چونکہ آپ صحبت میں بہت رہے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کی نظر بلند ہے۔ بچوں کی طرح جوز و مویز پر فریفتہ نہیں ہوتے۔

اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ۔

"اللہ تعالیٰ بلند ہمتوں کو دوست رکھتا ہے"۔

برادرم حافظ مہدی علی کی نسبت حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کا واقعہ جو آپ نے لکھا تھا۔ ہاں حافظ ہمارے طریق کے ساتھ بہت مناسبت رکھتا ہے۔ لیکن اس قدر جاننا ضروری ہے کہ دولت اگرچہ بظاہر کسی جگہ سے پہنچے درحقیقت اس کو اپنے شیخ کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ تاکہ توجہ کا قبلہ پراگندہ نہ ہو اور کارخانہ میں خلل نہ پڑے اور جس جگہ سے کوئی فیض پہنچے اُس کو اپنے پیر ہی سے جاننا چاہیئے۔ کیونکہ وہ ہر صورت میں جامع ہے۔ اور جو تربیت ظاہر ہوتی ہے درحقیقت اسی کی طرف سے ہے۔

اس مقام پر اکثر طالبوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔ اس مقام سے بخوبی واقف ہونا چاہیئے۔ تاکہ دشمن لعین موقع پاکر پراگندہ نہ کرے۔ آپ نے سُنا ہی ہوگا کہ

ہر کہ یک جاست ہمہ جاست، و ہر کہ ہمہ جاست ہیچ جانے

یعنی جو ایک جگہ ہے وہ سب جگہ ہے اور جو سب جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں۔ حافظ کو دُعا پہنچائیں۔ والسلام

مکتوب ۲۲

آیت "اِنَّما المشرکون نجس" کی تفسیر اور مشرکین کے نجس ہونے کا مطلب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (اللہ تعالےٰ کی حمد ہے اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو")

میرے مشفق مخدوم انہیں معلوم تفسیر حسینی کے بھیجنے سے آپ کا مقصود کیا تھا۔ تفسیر والا آیت کریمہ کو ائمہ حنفیہ کے موافق بیان کرتا ہے اور نجاست سے شرک اور خبثِ باطن اور بداعتقادی مراد رکھتا ہے۔ اور یہ جو بعد ازاں اُس نے کہا ہے کہ یہ لوگ نجاسات سے پرہیز نہیں کرتے، یہ بات آج کل اکثر اہلِ اسلام میں بھی موجود ہے اور اس باعث سے عام اہلِ ایمانوں اور کافروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ اگر نجاست سے پرہیز نہ کرنا ہی آدمی کی نجاست کا سبب ہے تو پھر معاملہ تنگ ہے۔ وَلَا حَرَجَ فِی الْاِسْلَامِ (اسلام میں کوئی تنگی نہیں۔)

اور یہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے نقل کی ہے کہ مشرک کتوں کی طرح نجس العین ہیں۔ اس قسم کی شاذ و نادر نقلیں دین کے بزرگواروں سے بہت آئی ہیں۔ لیکن یہ سب تاویل اور توجیہ پر محمول ہیں۔ یہ لوگ کس طرح نجس العین ہو سکتے ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے گھر سے کھانا کھایا ہے

اور مشرک کے برتن سے وضو کیا ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ نے بھی نصرانی عورت کے گھڑے سے وضو کیا ہے۔ اور اگر کہیں کہ ہوسکتا ہے کہ آیت کریمہ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ (مشرک نجس ہیں) ان روایتوں سے متاخر ہو اور اُن کی ناسخ ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ صرف "تواند بود" (ہوسکتا ہے) کافی نہیں اس کے متاخر ہونے کو ثابت کرنا چاہیئے تاکہ نسخ کا دعوےٰ صحیح ہو فَاِنَّ الْخَصْمَ مِنْ وَّرَاءِ الْمَنْعِ (کیونکہ خصم یعنی مناظر بے دلیل نہیں مانتا) اور اگر اس آیت کا متاخر ہونا تسلیم بھی کرلیں تو بھی حرمت کی مثبت نہیں جبکہ مراد نجاست سے خبثِ باطن ہے۔ کیونکہ منقول ہے کہ کوئی پیغمبر کسی ایسے امر کا مرتکب نہیں ہوا جس کا انجام اُس کی شریعت میں یا کسی دوسرے نبی کی شریعت میں حرمت تک پہنچا ہو اور آخیر میں حرام ہوگیا ہو۔ اگرچہ وہ امر ارتکاب کے وقت مباح ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً شراب جو پہلے مباح تھی اور پھر حرام ہوئی اُس کو کسی پیغمبر نے نہیں پیا۔ اگر مشرکوں کا انجام کار ظاہری نجاست پر قرار پاتا اور کتوں کی طرح نجس عین ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں ہرگز اُن کے برتنوں کو ہاتھ نہ لگاتے چہ جائیکہ آب و طعام ان کا پیتے کھاتے۔

نیز نجس العین ہر وقت نجس عین ہے۔ پہلی اور پچھلی اباحت کی اس میں گنجائش نہیں۔ اگر مشرک نجسِ عین ہوتے تو چاہیئے تھا کہ ابتداء ہی سے ایسے ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ اول ہی سے ان کے اندازہ کے مطابق معاملہ فرماتے۔ وَاِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ (جب ایسا نہیں ویسا بھی نہیں) نیز حرج و تنگی دین میں دُور ہو چکی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ان کی نجاست کے حکم کرنے اور اُن کو نجس عین جاننے میں مسلمانوں پر کس قدر تنگی آئے گی اور کس قدر رنج و تکلیف میں پڑیں گے۔

ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا ممنون احسان ہونا چاہیئے۔ جنہوں نے مسلمانوں کے لئے مخلصی پیدا کردی ہے اور حرام کے ارتکاب سے بچا دیا ہے نہ یہ کہ اُن پر طعن لگائیں اور اُن کے ہنر کو عیب خیال کریں۔ مجتہد پر اعتراض کی مجال ہی کیا ہے جبکہ اس کی خطاء پر بھی ایک درجہ ثواب کا حاصل ہے اور اس کی تقلید اگرچہ خطاء پر ہو پھر بھی نجات کا سبب ہے۔ وہ لوگ جو کفار کے کھانے پینے کی

حرمت کے قائل ہیں۔ از روئے عادت کے محال ہے کہ اپنے آپ کو اس کے ارتکاب سے محفوظ رکھ سکیں۔ خاص کر ملک ہندوستان میں جہاں یہ ابتلاء زیادہ تر ہے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا مشکل ہے۔ اس مسئلہ میں کہ جس میں عام لوگ مبتلا ہیں بہتر یہی ہے کہ سب سے آسان اور سہل امر پر فتوےٰ دیں۔ اگر اپنے مذہب کے موافق نہ ہو سکے تو جس مجتہد کے قول کے مطابق زیادہ آسانی اور سہولت ہو اُس پر فتوےٰ دینا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۔

"اللہ تعالےٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا"

دوسری جگہ فرماتا ہے :۔

یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ۔

"اللہ تعالےٰ تم سے تخفیف کرنی چاہتا ہے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے"

خلق پر تنگی کرنا اور اُن کو رنج میں ڈالنا حرام اور اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہے۔ علماء شافعیہ بعض ان مسائل میں جن میں امام شافعیؒ نے تنگی کی ہے مذہب حنفی پر فتوےٰ دیتے ہیں اور لوگوں پر آسانی کرتے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ کے مصارف میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صدقہ کو زکوٰۃ کے تمام اقسام مصارف زکوٰۃ پر تقسیم کرنا چاہیئے۔ جن میں سے ایک مؤلفۃ القلوب ہے جو اس وقت مفقود ہے۔ علماءِ شافعیہؒ نے مذہب حنفی کے مطابق فتوےٰ دیا ہے اور ان اقسام میں سے کسی ایک میں دیدینے پر کفایت کی ہے۔

نیز اگر مشرک نجسِ عین ہوتے تو چاہیئے تھا کہ ایمان لانے سے بھی پاک نہ ہوتے۔ پس معلوم ہُوا کہ ان کی نجاست خُبثِ باطن اور بداعتقادی کے باعث ہے جو دُور ہو سکتی ہے اور صرف باطن پر ہی موقوف ہے جو اعتقاد کا محل ہے اور اندرونی نجاست بیرونی طہارت کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتی۔ چنانچہ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کو معلوم ہے۔ نیز کلام حسن انتظام اِنَّمَا الۡمُشۡرِکُوۡنَ نَجَسٌ میں مشرکوں کے حال کی خبر دی گئی ہے جس کو ناسخ و منسوخ ہونے سے کچھ تعلق

نہیں۔ کیونکہ نسخ حکم شرعی کے انشاء میں ہے نہ کسی شئے کی اخبار میں۔ بس چاہیئے کہ مشرک ہر وقت نجس ہوں اور مراد نجاست سے خبث اعتقاد ہو تاکہ دلیلیں باہم متعارض اور مخالف نہ ہوں اور اُن کا ہاتھ لگانا یا چھونا کسی وقت محذور و ممنوع نہ ہو۔ جس دن اس فقیر نے اس بحث میں آیت کریمہ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ (اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے) پڑھی تھی تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ مراد اس جگہ گیہوں اور چنے اور مسور سے ہے۔ اگر اس توجیہ کو اہلِ عرف مان لیں تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن انصاف درکار ہے۔

اس تصدیع اور طول کلامی سے اصلی مقصود یہ ہے کہ آپ خلق خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث کہ جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں اور وہمی نجاست کے باعث مسلمانوں کے کھانے پینے سے پرہیز نہ کریں اور اس طرح سب سے بیزار نہ ہوں اور اس کو احتیاط خیال نہ کریں بلکہ احتیاط اس احتیاط کے ترک کرنے میں ہے۔ زیادہ کیا تکلیف دی جائے ؎

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ: غمِ دل اس لئے تھوڑا کہا ہے تجھ سے اے جاناں
کہ آزردہ نہ ہو جائے بہت سُن سُن کے دل تیرا

مکتوب ۲۴

صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبّت اور اُن کی باہمی اُلفت کے بارے میں تفصیلی مکتوب گرامی

از صفحہ ۳۹۲ تا ۳۹۹ دفتر سوم پر ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب ۲۵

ابتدائے سلوک میں ذکر کا پُورا اہتمام کرنا ضروری ہے

اس راہ کے مبتدی طالب کے لئے ذکر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کی ترقی ذکر کے تکرار پر وابستہ ہے۔ بشرطیکہ شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو اور اگر اس شرط کے ساتھ نہ ہو تو وہ ابرار کے اوراد کی قسم سے ہے جس کا نتیجہ صرف ثواب ہے۔ اس سے قرب کا وہ درجہ جو مقربین کو حاصل ہوتا ہے حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ جو کہا ہے کہ ابرار کے اوراد کی قسم سے ہے' اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حق تعالےٰ کا فضل شیخ کے وسیلہ کے بغیر کسی طالب کی تربیت کرے اور ذکر کا تکرار اس کو مقربوں میں سے بنا دے بلکہ جائز ہے کہ ذکر کے تکرار کے بغیر اس کو قرب کے مراتب سے مشرف کر دے اور اپنے اولیاء میں سے بنا لے۔ اور یہ شرط اکثر کے اعتبار سے ہے اور حکمت و عادت کے موافق ہے۔

جب اللہ تعالےٰ کے فضل سے وہ معاملہ جو ذکر سے وابستہ ہے پُورا ہو جاتا ہے اور نفسانی خواہشات کے معبودوں کی گرفتاری سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور نفسِ امّارہ مطمئنہ ہو جاتا ہے تو اس وقت ترقی ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس مقام میں ذکر ابرار کے اوراد کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ اس مقام میں قرب کے مراتب قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کو طول قرأت کے ساتھ ادا کرنے پر وابستہ ہیں۔ اوّل اوّل جو کچھ ذکر کرنے سے میسّر ہوتا تھا۔ اس وقت قرآن مجید کی تلاوت اور خاص کر نماز کی قرأت میں حاصل ہو جاتا ہے۔

غرض اس وقت ذکر تلاوت کا حکم پیدا کر لیتا ہے جو اوّل اوّل ابرار کے اوراد کی قسم سے تھا اور تلاوت ذکر کا حکم پیدا کر لیتی ہے جو ابتدا و وسط میں مقربات (یعنی اسباب قرب) میں سے تھی۔ عجب معاملہ ہے۔ اس وقت اگر ذکر کو قرأت قرآن کے طور پر تکرار کیا جاتا ہے جو آیاتِ قرآنی کے پاک کلمات میں سے ہے اور اعوذ سے شروع کیا جاتا ہے تو وہی فائدہ دیتا ہے جو قرآن مجید

کی تلاوت سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر قرأت کے طور پر تکرار نہ کیا جائے تو ابرار کے عمل کی طرح ہے۔ ہر عمل کے لئے مقام و موسم ہے کہ اگر وہ عمل اس موسم میں بجالائیں تو حُسن و ملاحت پیدا کرتا ہے اور اگر اس موسم میں ادا نہ کیا جائے تو اکثر اوقات وہ عمل سراسر خطا ہوتا ہے۔ اگرچہ حسنہ اور نیک ہو جیسے کہ تشہدُ کے وقت فاتحہ کا پڑھنا اگرچہ ام الکتاب ہے، سراسر خطا ہے۔ بس اس راہ میں پیر اور اس کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔ وَيِــُدُّونَــهٗ نَحْوُ اْلنِّقَـادِ (ورنہ بے فائدہ تکلیف ہے۔

ٍ

مکتوب ۲۶

صفاتِ باری تعالےٰ کے بارے میں ایک مکتوب

از صفحہ ۱۰۱ تا صفحہ ۴۰۶ جلد دوم ملاحظہ کریں۔

مکتوب ۲۷

خواہشاتِ نفس کی اقسام جن میں سے کچھ حلال، اور باقی حرام، نیز نفس کے ذاتی اور عارضی امراض کی تشخیص

سوال: کبھی کبھی خواہشیں اور ضروریات کاملوں سے بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ اور مختلف مطالب کے حاصل ہونے کی خواہش ان بزرگواروں سے بھی محسوس ہوتی ہے۔ امام انبیاء و سلطانِ اولیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سرد و شیریں چیز کو دوست رکھتے تھے اور وہ حرص جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُمّت کی ہدایت پر تھی۔ قرآن مجید میں ظاہر ہے۔ ان بزرگواروں میں اس قسم کی خواہشات کے باقی رہنے کا باعث کیا ہے۔

جواب: بعض خواہشیں جن کا منشا طبیعت ہے تاکہ طبعی مزاج قائم رہے۔

ضروری ہیں۔ گرمی کے وقت طبیعت بے اختیار سردی کی طرف مائل ہے اور سردی کے وقت گرمی کی طرف راغب ہے۔ اس قسم کی خواہشیں عبودیت کے منافی اور نفسانی خواہشات کے ساتھ گرفتاری کا سبب نہیں کیونکہ طبعی ضروریات دائرۂ تکلیف سے خارج اور نفس امارہ کی خواہش سے باہر ہیں۔ کیونکہ نفس کی خواہشات یا فضول مباح ہیں یا مشتبہ و حرام۔ اور جو کچھ ضروری ہے نفس کو اس کے ساتھ مس و تعلق نہیں۔

پس گرفتاری اور بدکرداری کا موجب فضول افعال ہیں اگرچہ مباح کی قسم سے ہوں۔ کیونکہ فضول مباح محرم کے قرب و جوار میں ہے کہ اگر دشمن لعین کے بھڑکانے سے وہاں سے قدم اٹھائیں۔ تو بے اختیار حرام میں جا پڑیں پس مباح ضروری پر کفایت کرنا ضروری ہے کہ اگر وہاں سے قدم پھسلے گا تو فضول مباح ہی میں پڑے گا۔ اور اگر فضول مباحات میں قیام کیا جائے تو اس سے پہلے قدم پھسلتے ہی جھٹ محرم میں جا پڑے گا۔ بعض خواہشیں اس قسم کی ہیں جن کا حاصل ہونا خارج اور باہر کی طرف سے ہے۔ باوجودیکہ شخص فی نفسہٖ مرادوں سے خالی ہو اور خارج میں یا حضرت الرحمٰن واعظ ہے جو خیرات کا القار کرتا ہے۔

فَاِنَّ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَاعِظًا فِیْ قَلْبِ کُلِّ مُؤْمِنٍ ۔

"کیونکہ ہر ایک مومن کے دل میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک واعظ ہے"۔

یا شیطان ہے جو شر و عداوت کا القار کرتا ہے۔

یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا

"شیطان ان کو وعدہ اور امیدیں دلاتا ہے۔ مگر شیطان کا وعدہ سراسر دھوکا اور فریب ہے"۔

قلعہ کی سکونت کے ایام میں یہ فقیر ایک دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس طریقہ علیہ کی طرز و طرح پر خاموش بیٹھا ہوا تھا کہ بے ہودہ آرزوؤں کے ہجوم نے بے مزہ کر دیا اور جمعیت کو کھو دیا۔ ایک لمحہ کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے پھر جمعیت حاصل ہوئی تو دیکھا کہ وہ آرزوئیں بادل کے ٹکڑوں کی طرح القاء کرنے والے کے ہمراہ باہر نکل گئی ہیں اور خانۂ دل کو خالی چھوڑ گئی ہیں۔ اس وقت

معلوم ہوا کہ یہ خواہشیں باہر کی طرف سے آئی تھیں اندر سے نہ اُٹھی تھیں جو بندگی کے منافی ہے۔ اور جو فساد کہ باہر کی طرف سے آئے اگرچہ القاء شیطانی ہو وہ عارضی مرض ہے جو بہت آسان علاج سے دُور ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے: اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا۔ (بیشک شیطان کا مکر ضعیف ہے) ہماری بلا ہمارا اپنا ہی نفس ہے اور ہمارا جانی دشمن ہمارا اپنا ہی بُرا ہم نشین ہے۔ اسی کی مدد سے بیرونی دشمن ہم پر غلبہ پاتے ہیں اور ہم کو اسی کی مدد سے مغلوب کرتے ہیں۔

تمام اشیاء میں سے زیادہ جاہل نفسِ امّارہ ہے جو اپنا ہی دشمن اور بدخواہ ہے اور اس کا ارادہ اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے۔ اُس کی خواہش و آرزو ہمہ تن حضرت رحمٰن جلّشانہٗ (جو اُس کا اور اس کی نعمتوں کا مولےٰ ہے) کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت ہے جو اُس کا جانی دشمن ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ذاتی اور عارضی مرض اور داخلی اور خارجی فساد کے درمیان فرق و تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔ مبادا کوئی ناقص اس خیال سے اپنے آپ کو کامل فرض کرے اور اپنی مرض ذاتی کو مرض عارضی خیال کرے اور خسارہ کھائے۔ فقیر اسی ڈر کے مارے اس سِر کے لکھنے میں جرأت نہیں کرتا تھا اور اس مطلب کا ظاہر کرنا مناسب نہیں جانتا تھا۔ میں سترہ سال تک اسی اشتباہ میں رہا اور فساد ذاتی کو فساد عارضی کے ساتھ ملا جُلا پاتا رہا۔ اس وقت اللہ تعالٰی نے حق کو باطل سے جُدا کر دیا اور مرض ذاتی کو مرض عارضی سے الگ کر دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نَعْمَائِہٖ

"اس نعمت پر اور اللہ تعالےٰ کی تمام نعمتوں پر اللہ تعالےٰ کی حمد اور اُس کا احسان ہے"

اس قسم کے اسرار کے ظاہر کرنے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ کوئی کوتاہ نظر کسی کامل کو اس قسم کی بیرونی آرزوؤں کے باوجود ناقص نہ سمجھے اور اُس کی برکات سے محروم نہ رہے۔ کیونکہ اسی قسم کی صفات کے باعث

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی دولت سے محروم رہے اور اس طرح کہتے رہے۔

اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا (کیا ہم جیسا انسان ہم کو ہدایت دیتا ہے، پس کافر ہو گئے) اور یہ جو فرمایا ہے کہ حق تعالےٰ عارف کو اُس کی مُرادوں اور خواہشوں کے دُور ہو جانے کے بعد صاحب ارادہ بنا دیتا ہے اور اُس کے ہاتھ میں اختیار دے دیتا ہے۔ اس مضمون کی تفصیل انشاء اللہ تعالےٰ کسی اور جگہ اللہ تعالےٰ کی عنایت سے کی جائے گی کیونکہ اب وقت یاوری نہیں کرتا۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

"سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا۔"

مکتوب ۲۸

ایصالِ ثواب کے بارے میں حضرت مجدد رح کی اپنی تحقیق

ایک دن خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مُردوں میں سے بعض کی روحانیت کے لئے صدقہ کیا جائے۔ اسی اثناء میں ظاہر ہُوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور خوش و خرم نظر آئی۔ جب اس صدقہ کے دینے کا وقت آیا۔ پہلے حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کے لئے اس صدقہ کی نیت کی جیسی کہ عادت تھی۔ بعد ازاں اس میت کے روحانیت کے واسطے نیت کر کے دے دیا۔ اس وقت اس میت میں ناخوشی اور اندوہ محسوس ہُوا اور کلفت و کدورت ظاہر ہُوئی۔ اس حال سے بہت متعجب ہُوا اور ناخوشی اور کلفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہوئی۔ حالانکہ محسوس

ہُوا کہ اس صدقہ سے بہت برکتیں اس میت کو پہنچی ہیں لیکن خوشی اور سرور اس میں ظاہر نہیں ہُوا۔

اسی طرح ایک دن کچھ نقدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کی اور اس نذر میں تمام انبیاء کرام کو بھی داخل کیا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی بنایا۔ اس امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی و رضامندی معلوم نہ ہوئی۔

اسی طرح بعض اوقات جو میں درود بھیجتا تھا۔ اگر اسی مرتبہ میں تمام انبیاء پر بھی درود بھیجتا تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ظاہر نہ ہوتی حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے تمام مومنوں کو شریک کر لیں تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر سے کہ جس کی نیت پر دیا جاتا ہے کچھ کم نہیں ہوتا۔

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (بیشک تیرا رب بڑی بخشش والا ہے)

اس صورت میں ناخوشی اور ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ مدت تک یہ مشکل بات دل میں کھٹکتی رہی۔ آخر کار اللہ تعالےٰ کے فضل سے ظاہر ہُوا کہ ناخوشی اور کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر صدقہ بغیر شرکت کے مُردہ کے نام پہ دیا جائے تو وہ مُردہ اپنی طرف سے اس صدقہ کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جائے گا اور اس کے وسیلے سے برکات و فیوض حاصل کرے گا۔ اور اگر صدقہ دینے والا خود آنحضرت صلعم کی نیت کرے گا تو میت کو کیا نفع ہو گا؟ شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میت کو صرف اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو اس صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ و ہدیہ کرنے کے فیوض و برکات بھی حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے پائے گا۔ اسی طرح ہر شخص کے لئے کہ جس کو شریک کریں یہی نسبت موجود ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجہ کہ اس کو مُردہ اپنی طرف سے اس کے پیش کرتا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ ہدیہ و تحفہ جو کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں

لے جائے، بغیر کسی کی شراکت کے اگرچہ طفیلی ہو تو اس تحفہ کا خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ۔ کچھ شک نہیں کہ بغیر شرکت کے بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس سے دیدے تو اس بات سے بہتر ہے کہ یہ شخص بے فائدہ دوسروں کو داخل کر لے اور آل و اصحابؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عیال کی طرح ہیں ان کو جو طفیلی بنا کر آنحضرت صلعم کے ہدیہ میں داخل کیا جاتا ہے، پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے۔ ہاں متعارف ہے کہ ہدیات مرسومہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اُس کے ہمسروں کو شریک کریں تو اس کے ادب و رضامندی سے دُور معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے خادموں کو طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اُس کو پسند آتا ہے کیونکہ خادموں کی عزت اُسی کی عزت ہے۔

پس معلوم ہُوا کہ زیادہ تر مُردوں کی رضامندی صدقہ کے افراد میں ہے نہ صدقہ کے اشتراک میں۔ لیکن چاہیئے کہ جب میّت کے لئے صدقہ کی نیت کریں تو اوّل آنحضرت صلعم کی نیت پر ہدیہ جُدا کرلیں بعد ازاں اس میّت کے لئے صدقہ کریں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں۔ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یہ فقیر مُردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے کے لئے اپنے آپ کو عاجز معلوم کرتا ہے تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا کہ اس صدقہ کو آنحضرت صلعم کی نیت پر مقرر کرے اور اس میّت کو اُن کا طفیلی بنائے۔ امید ہے کہ اُن کے وسیلہ کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔

علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درود اگر ریاء و سمعہ سے بھی ادا کیا جائے تو مقبول ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے۔ کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ و آلہ وسلم کے لئے جو مقبول و محبوب ہیں، صرف بہانہ ہی کافی ہے۔

٭٭

مکتوب ۲۹

قرآن مجید کے بعض مقامات کا سمجھ میں نہ آنا خود اُس کے مُعجزہ ہونے کی دلیل ہے

چونکہ فقیر پہلے اپنے قصورِ فہم کے باعث قرآن مجید کے بعض کلمات، قدسی آیات کے سمجھنے میں تردد رکھتا تھا اور اُن کی تطبیق و مطابقت میں عاجز ہو جاتا تھا تو وسوسوں کے دفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سے بہتر علاج کوئی نہ پاتا تھا کہ اپنے آپ کو کہتا تھا کہ تُو اس نظم قرآنی کو حق تعالیٰ کا کلام مانتا ہے اور اُس کے ساتھ ایمان رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر ایمان نہیں رکھتا تو تُو کافر ہے اور مبحث سے خارج ہے اور اگر تُو اس کا ایمان رکھتا ہے تو پھر تیری اپنی سمجھ کا قصور ہے۔ نہ کہ نظمِ قرآنی میں جو زمین و آسمان کے خالق اور عقل و ادراک کے پیدا کرنے والا کا کلام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کلامِ ربانی کے حق ہونے کا ایمان حاصل تھا۔ تو اس تردید سے وہ وسوسہ نیست و نابود اور دُور ہو جاتا۔ اور اس تردد سے نجات مل جاتی۔

اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ نظمِ قرآنی میں جہاں کہیں قصورِ ادراک کے باعث تردّد اور خدشہ کی گنجائش ہے وہی مقام قرآن مجید کے ساتھ ایمان کے زیادہ ہونے کا باعث ہے اور وہی خدشہ فرقان حمید کے اعجاز کے ظاہر ہونے کا واسطہ ہے اور وہ اغلاق یعنی مشکل مقاماتِ اعجاز کی قسموں سے متصوّر ہوتے ہیں اور وہ اشکال کمال بلاغت اور براعت پر محمول نظر آتے ہیں۔ جن کے سمجھنے میں انسان عاجز ہے۔ جس قدر ایمان قرآن مجید کے نہ سمجھنے میں حاصل ہے۔ اتنا سمجھنے میں نہیں ہے کیونکہ نہ سمجھنے میں اعجاز کا وہ راستہ کھلا ہُوا ہے جو سمجھنے میں نہیں۔ سبحان اللہ یہی نہ سمجھنا بعض کو گمراہ کر دیتا ہے اور کلامِ حق کا منکر بنا دیتا ہے۔ اور بعض کے لئے یہی نہ سمجھنا

بعض کو گمراہ کر دیتا ہے اور کلامِ حق کا منکر بنا دیتا ہے۔ اور بعض کے لئے یہی نہ سمجھنا قرآن کے ساتھ کمال ایمان کا باعث ہو جاتا ہے اور ہدایت کی طرف لے آتا ہے۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ (اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۔

مکتوب ۳۱

عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجساد کے بارے میں مفصّل مکتوبِ گرامی

از ص۱۴۹ تا ص۱۷۱ دفتر سوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب ۳۲

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک موحش کلام کی تحقیق

از ص۲۰۱ تا ص۲۲۵ دفتر سوم میں ملاحظہ کریں۔

مکتوب ۳۴

تیرہ ۱۳ ضروری نصائح

وہ نصیحتیں جو ضروری ہیں یہ ہیں :۔

۱۔ اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ یعنی علماء اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق

درست کریں۔

۲۔ عقائد کے درست کرنے کے بعد احکام فقیہہ کے مطابق عمل بجالائیں کیونکہ جس چیز کا امر ہو چکا ہے اس کا بجالانا ضروری ہے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اُس سے ہٹ جانا لازم ہے۔

۳۔ پنج وقتی نماز کو سستی اور کاہلی کے بغیر شرائط اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کریں۔

۴۔ نصاب کے حاصل ہونے پر زکوٰۃ کو ادا کریں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کے زیور میں بھی زکوٰۃ کا ادا کرنا فرمایا ہے۔

۵۔ اپنے اوقات کو کھیل کود میں صرف نہ کریں اور قیمتی عمر کو بے ہودہ امور میں ضائع نہ کریں۔

۶۔ سرود و نغمہ یعنی گانے بجانے کی خواہش نہ کریں اور اُس کی لذت پر فریفتہ نہ ہوں۔ یہ ایک قسم کا زہر ہے جو شہد میں ملا ہوا ہے اور سم قاتل ہے جو شکر سے آلودہ ہے۔

۷۔ لوگوں کی غیبت اور سخن چینی سے اپنے آپ کو بچائیں۔ شریعت میں ان دونوں بُری خصلتوں کے حق میں بڑی وعید آئی ہے۔

۸۔ جہاں تک ہو سکے جھوٹ بولنے اور بہتان لگانے سے پرہیز کریں کیونکہ یہ دونوں بُری عادتیں تمام مذہبوں میں حرام ہیں اور ان کے کرنے والے پر بڑی وعید آئی ہے۔

۹۔ خلقت کے عیبوں اور گناہوں کا ڈھانپنا اور اُن کے قصوروں سے درگزر اور معاف کرنا بڑے عالی حوصلہ والے لوگوں کا کام ہے۔

۱۰۔ غلاموں اور ماتحتوں پر مشفق و مہربان رہنا چاہیئے اور اُن کے قصوروں پر مواخذہ نہ کرنا چاہیئے اور موقع و بے موقع ان نامرادوں کو مارنا، کوٹنا اور گالی دینا اور ایذا پہنچانا نامناسب ہے۔

۱۱۔ اپنی تقصیروں کو نظر کے سامنے رکھنا چاہیئے جو ہر ساعت حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی نسبت وقوع میں آرہی ہیں اور حق تعالےٰ اُن کے مواخذہ

میں جلدی نہیں کرتا اور روزی کو نہیں روکتا۔

۱۲۔ عقائد کے درست کرنے اور احکام فقیہہ کے بجالانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی میں بسر کریں اور جس طرح ذکر کا طریق سیکھا ہُوا ہے اسی طرح عمل میں لائیں اور جو کچھ اُس کے منافی ہو اُس کو اپنا دشمن جان کر اس سے اجتناب کریں۔

هر چه جز ذکر خدائے احسن است　　گر شکر خوردن بود جا نکندن است

ترجمہ: عشق حق کے ماسوا جو کچھ کہ ہے ہر چند احسن ہے
شکر کھانا بھی گر ہو گا عذاب جان کندن ہے

آپ کو سامنے بھی کئی دفعہ یہی کہا گیا ہے کہ امورِ شرعیہ میں جس قدر احتیاط کی جائے اُسی قدر مشغولی اور مراقبہ میں زیادتی ہوتی ہے اور اگر احکامِ شرعیہ میں سستی کی جائے تو مشغولی اور مراقبہ کی لذت و حلاوت برباد ہو جاتی ہے اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ۔

مکتوب نمبر ۳۵

جوانی میں شریعت کی اطاعت بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے

حق تعالےٰ برخوردار سعادت اطوار کو خوش وقت اور جمعیت کے ساتھ رکھے۔ اور اس کے گذشتہ غم واندوہ کی اچھی طرح تلافی فرمائے۔ اے فرزند! جوانی کے زمانہ کا آغاز جس طرح ہوا و ہوس کا وقت ہے۔ اسی طرح علم و عمل کے حاصل کرنے کا بھی یہی وقت ہے۔ وہ عمل جو اس وقت میں نفس کی غضبی اور شہوانی رکاوٹوں کے غالب ہونے کے باوجود شریعت غرّا کے مطابق کیا جائے۔ اس عمل سے جو جوانی کے سوا اور وقت میں ادا کیا جائے۔ کئی گنا زیادہ اور اعتبار اور اعتماد رکھتا ہے۔ کیونکہ مانع کا ہونا جو رنج و محنت کا باعث ہے۔ عمل کی شان کو آسمان تک،

بلند کر دیتا ہے اور مانع کا نہ ہونا جس میں کسی قسم کی کوشش و تکلیف نہیں عمل کے معاملہ کو زمین پر ڈال دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواص انسان خواص فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ انسان کی طاعت باوجود موانع کے ہے اور فرشتہ کی طاعت موانع کے بغیر ہے۔ سپاہیوں کا زیادہ اعتماد اور اعتبار دشمنوں کے غلبہ کے وقت ہے جو دولت کی مانع ہیں۔ ایسے وقت میں سپاہیوں کا تھوڑا سا تردد بھی اور وقتوں کے تردد کی نسبت کئی گنا زیادہ اعتبار اور زیادتی رکھتا ہے۔

اور معلوم ہے کہ ہوا و ہوس اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی النفس و شیطان کے نزدیک پسندیدہ ہے اور شریعت روشن کے موافق علم و عمل کا بجالانا حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ پھر عقل و دانش سے دور ہے کہ اپنے مولیٰ کے دشمنوں کو راضی رکھیں اور نعمتیں بخشنے والے مولا کو ناراض کریں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ ۔ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) ؎

مکتوب ۳۶

عذاب قبر کے حق ہونے پر مکتوب گرامی

از صـ۲۲۸ تا صـ۲۳۱ دفتر سوم میں ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

مکتوب ۳۷

ہر چہ از دوست میرسد نیکو است

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ دَائِمًا وَعَلٰی کُلِّ حَالٍ

"ہر حال میں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو سب کا پالنے والا ہے۔"

پراگندہ چیزوں سے پریشان اور دل تنگ نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جمیل مطلق یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی آئے زیبا اور اچھا ہے۔ اس کی بلا اگرچہ جلال کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے لیکن در حقیقت جمال ہوتا ہے۔

یہ بات صرف کہنے پر ہی محمول نہیں اور صرف مُنہ سے بولنے پر ہی معروف نہیں بلکہ حقیقت رکھتی ہے اور سراسر مغز ہے کہنے اور لکھنے میں نہیں آسکتی۔ اگر دُنیا میں ملاقات میسّر ہو جائے تو بہتر ورنہ آخرت کا معاملہ نزدیک ہے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اُسی کے ساتھ ہے جس کی اُس کو محبت ہے) کی بشارت ہجر کے ماروں کو تسلی بخشنے والی ہے۔

صحیفہ شریفہ جو آپ نے درویش محمد علی کشمیری کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچا اور جو کچھ اس میں لکھا تھا اس پر اطلاع پائی۔ اس کے جواب میں وقت کے موافق جو کچھ ہو سکا لکھا گیا ہے۔ تمام فرزند و دوست جمعیت کے ساتھ رہیں اور اپنے مکان میں ثابت اور حق تعالیٰ کی قضا پر راضی رہیں۔ ؎

مکتوب ۳۸

گمراہ فرقوں کا جہنّم میں جانا اور گمراہ فرقوں کی تکفیر میں احتیاط

جاننا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کُلُّھُمْ فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَۃً سے جو اس حدیث میں آیا ہے۔ جو اس اُمت کے بہتّر فرقے ہو جانے میں وارد ہوئی ہے، مراد یہ ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں گے اور عذاب پائیں گے نہ یہ مراد نہیں ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ تک رہیں گے اور ہمیشہ کے لئے عذاب اٹھائیں گے۔ کیونکہ یہ ایمان کے منافی ہے اور کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔

حاصل کلام یہ کہ چونکہ دوزخ میں اُن کے داخل ہونے کا باعث اُن کے بُرے معتقدات ہیں۔ اس لئے سب کے سب دوزخ میں داخل ہونگے اور اپنے خبث اعتقاد کے اندازہ پر عذاب پائیں گے، برخلاف اس ایک گروہ کے جن کے عقائد عذاب دوزخ سے نجات بخشنے والے ہیں اور اُن کی فلاح و خلاصی کا سبب ہیں۔ اس قدر ہے کہ اگر اس گروہ میں سے بعض نے بُرے اعمال کئے ہوں اور وہ اعمال توبہ اور شفاعت سے معاف نہ ہوتے ہوں تو جائز ہے کہ گناہ کے اندازہ کے مطابق دوزخ کے عذاب میں داخل ہوں

اور دوزخ میں اُن کا داخل ہونا اُن کے حق میں بھی ثابت ہو۔

پس دوسرے گروہوں کے تمام افراد کے حق میں دوزخ کا عذاب ثابت ہے، اگرچہ دائمی نہیں اور اس فرقہ ناجیہ کے بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہے جنہوں نے بُرے اعمال کئے ہیں۔ کلمہ کلھم میں اسی بیان کی رمز ہے جیسے کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ چونکہ یہ بدعتی فرقے سب اہلِ قبلہ ہیں اس لئے ان کی تکفیر میں جرأت نہ کرنی چاہیئے جب تک کہ دینی ضروریات کا انکار اور احکامِ شرعیہ کے متواترات کو رد نہ کریں اور ان احکام کے جو دین سے ضروری طور پر ثابت ہو چکے ہیں منکر نہ ہوں۔

علماء نے فرمایا ہے کہ اگر ننانوے وجہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس ایک وجہ اسلام کی تصحیح کرنی چاہیئے۔ اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیئے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ وَكَلِمَتُهٗ اَحْكَمُ (اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اور اس کی کلام مضبوط ہے۔")

مکتوب ۱۹

عورتوں کے لئے ضروری نصائح پر مبنی مکتوب گرامی اور آیت بیعت النساء کی تفسیر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ط

"اے نبیؐ! جب مومنہ عورتیں تیرے پاس آکر اس شرط پر بیعت کریں

کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کسی پر بہتان لگائیں گی اور نہ کسی شرعی امر میں تیری نافرمانی کریں گی تو اُن کو بیعت میں لے لو اور اُن کے لئے بخشش مانگو۔ اللہ تعالےٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

یہ آیت کریمہ فتح مکّہ کے روز نازل ہوئی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو پھر عورتوں کی بیعت شروع فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے عورتوں کو صرف قول ہی سے بیعت کیا ہے۔ آنحضرتؐ کا ہاتھ ہرگز بیعت کرنے والی عورتوں کے ہاتھ تک نہیں پہنچا۔ چونکہ مردوں کی نسبت عورتوں میں ردّی اور بے ہودہ اخلاق زیادہ پائے جاتے ہیں اس لئے مردوں کی بیعت کی نسبت عورتوں کی بیعت میں زیادہ شرائط کو مدِ نظر رکھا گیا ہے اور اللہ تعالےٰ کے امر کو بجالانے کے لئے عورتوں کو اس وقت ان بُری عادتوں سے منع فرمایا ہے۔

شرط اوّل یہ ہے کہ حق تعالےٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا چاہیئے۔ نہ ہی وجوب وجود میں اور نہ ہی عبادت کے استحقاق میں۔ جس شخص کے اعمال ریاء و سمعہ سے پاک نہ ہوں اور حق تعالےٰ کے سوا کسی اور سے اجر طلب کرنے کے فتنہ سے صاف نہ ہوں اگرچہ وہ طلب قول اور ذکرِ جمیل سے ہو وہ شخص دائرۂ شرک سے باہر نہیں ہے اور نہ ہی وہ موحّد و مخلص ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے :-

اَلشِّرْکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ الَّتِیْ تَدِبُّ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّظْلِمَۃٍ عَلٰی صَخْرَۃٍ سَوْدَاءَ۔

"شرک میری اُمت میں اس چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے اور جو سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہے۔"

لاف بے شرکی مزن کان از نشان پائے مور
در شب تاریک بر سنگ سیاہ پنہاں تر است

ترجمہ :- شرک اک چیونٹی کی بھی ہے چال سے پوشیدہ تر
جو شبِ تاریک میں چلتی ہے کالے سنگ پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرک اصغر سے بچو۔ یاروں نے عرض کیا کہ شرک اصغر کیا ہے۔ فرمایا کہ ریا۔ شرک وکفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے اور دو دینوں یعنی کفر اور شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا اہلِ شرک میں سے ہے اور اسلام وکفر کے مجموعہ احکام پر عمل کرنے والا مشرک ہے۔ کفر سے بیزار ہونا اسلام کی شرط ہے اور شرک سے پاک ہونا توحید کی نشانی ہے۔ دکھ، درد اور بیماریوں کے دور کرنے کے لئے اصنام اور طاغوت یعنی بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنا جو جاہل مسلمانوں میں شائع ہے۔ عین شرک وگمراہی ہے اور تراشیدہ و ناتراشیدہ پتھروں سے حاجتوں کا طلب کرنا واجب الوجود جل شانہٗ کا محض کفر وانکار ہے۔ اللہ تعالےٰ بعض گمراہوں کے حال کی شکایت بیان فرماتا ہے :

يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ط
وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۔

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف اپنا فیصلہ لے جائیں حالانکہ ان کو حکم ہے کہ اس کا انکار کریں۔ لیکن شیطان چاہتا ہے کہ ان کو سخت گمراہ کرے۔"

اکثر عورتیں کمال جہالت کے باعث اس قسم کی ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمیٰ اسموں سے بلیہ ومصیبت کا دفع ہونا طلب کرتی ہیں اور شرک اور اہلِ شرک کی رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں۔ خاص کر مرض جدری کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیتلا اور چیچک کہتے ہیں نیک وبد عورتوں سے یہ بات مشہود ومحسوس ہوتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہو گی جو اس شرک سے خالی ہو اور شرک کی کسی نہ کسی رسم میں مبتلا نہ ہو۔ اِلَّا مَنْ عَصَمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی۔ (مگر جس کو اللہ تعالےٰ چاہے بچائے۔) ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ان دنوں میں ان کی مشہور رسموں کو بجالانا سراسر کفر اور شرک ہے۔

جیسے کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خاص کر اُن کی عورتیں کافروں کی رسموں کو بجالاتی اور اپنی عید مناتی ہیں اور کافروں اور مشرکوں کی طرح ہدیہ اور تحفہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو بھیجتی ہیں۔ اور اس موسم میں کافروں کی طرح اپنے برتنوں کو رنگ کر کے اُن کو سرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار اور شان بناتی ہیں یہ سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۔

"ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے بلکہ شرک کرتے ہیں"۔

اور حیوانات کو جو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور اُن کی قبروں پر جاکر ذبح کرتے ہیں روایات فقہیہ میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس بارے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جن کے ذبیحوں کی قسم سے خیال کیا ہے جو ممنوع شرعی ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے کہ اس میں بھی شرک کی بو پائی جاتی ہے۔ نذر اور منّت کے وجوہ اور بہت ہیں۔ کیا حاجت ہے کہ حیوان کے ذبح کرنے کی منت و نذر مانیں اور اس کو ذبح کر کے جن کے ذبیحوں سے ملائیں۔ اور جن کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں۔

اسی طرح وہ روزے جو عورتیں پیروں اور بیبیوں کی نیت پر رکھتی ہیں اور اکثر اُن کے ناموں کو اپنے پاس سے گھڑ کر اُن کے نام پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں اور ہر روزہ کے افطار کے لئے کھانے کا خاص اہتمام کرتی ہیں اور خاص طور پر افطار کرتی ہیں اور روزوں کے لئے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں اور اپنے مطلبوں اور مقصدوں کو ان روزوں پر موقوف کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان پیروں اور بیبیوں سے حاجتیں طلب کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتی ہیں۔ یہ سب عبادت میں شرک ہے اور غیر کی عبادت کے ذریعے اس غیر سے اپنی حاجتوں کا طلب کرنا ہے۔ اس فعل کی بُرائی کو اچھی طرح معلوم کرنا چاہیئے۔ حالانکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ ۔ "یعنی روزہ خاص میرے ہی لئے ہے اور روزہ کی عبادت میں میرے سوا اور کوئی شریک نہیں"۔

اگرچہ کسی عبادت میں اللہ تعالے کے ساتھ کسی کو شریک بنانا جائز نہیں لیکن روزہ کی تخصیص اس عبادت کے بلند شان ہونے کے باعث ہے جس میں تاکید کے ساتھ شریک کی نفی کی گئی ہے۔ اور یہ جو بعض عورتیں اس فعل کی بُرائی ظاہر کرنے کے وقت کہتی ہیں کہ ہم ان روزوں کو اللہ تعالے کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں یہ اُن کا حیلہ اور بہانہ ہے۔ اگر یہ اس امر میں سچی ہیں تو روزوں کے لئے دنوں کو معیّن کیوں کرتی ہیں؟ اور افطار کے وقت طعام کی تخصیص اور طرح طرح کی بُری وضعوں کا تعیّن کیوں کرتی ہیں؟ اکثر اوقات افطار کے وقت محرمات کی مرتکب ہوتی ہیں اور حرام چیز سے افطار کرتی ہیں اور بے حاجت سوال و گدائی کر کے اُس سے روزہ کھولتی ہیں اور اس فعل محرم کے کرنے پر اپنی حاجتوں کا پُورا ہونا جانتی ہیں۔ یہ سب گمراہی اور شیطان لعین کا مکر و فریب ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْعَاصِمُ "اللہ تعالیٰ ہی بچانے والا ہے"۔

شرط دوم جو عورتوں کی بیعت کے وقت درمیان لائے ہیں یہ ہے کہ ان کو چوری سے منع کیا گیا ہے جو کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ چونکہ یہ بُری خصلت بھی اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس بُری عادت سے خالی ہوگی۔ اس لئے اس بُری خصلت سے منع کرنا اُن کی بیعت میں شرط قرار پایا۔ وہ عورتیں جو اپنے خاوندوں کے مالوں میں اُن کی اجازت کے بغیر تصرف کرتی اور نڈر ہو کر ان کو خرچ اور تلف کرتی ہیں چوروں میں داخل ہیں اور چوری کے گناہِ کبیرہ کی مرتکب ہیں۔ یہ بات عام عورتوں میں ثابت ہے اور یہ خیانت عام طور پر تمام عورتوں پر پائی جاتی ہے۔

اِلَّا مَنْ عَصَمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی (مگر جس کو اللہ تعالے بچائے)

کاش عورتیں اس بات کی بُرائی جانیں اور اس کو گناہ اور بدی تصور کریں۔ بلکہ اکثر اس بُرائی کو حلال جانتی ہیں۔ حالانکہ اس کو حلال اور جائز جاننے میں اُن کے کفر کا خوف ہے۔

حکیم مطلق جلّشانہ نے عورتوں کو شرک سے روکنے کے بعد چوری سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ یہ بُری خصلت عام طور پر اُن کے حلال و جائز سمجھنے کے

باعث ان کو کفر تک لے جاتی ہے اور اُن کے حق میں تمام کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر بُری ہے۔ جب عورتوں میں خاوندوں کے مالوں کو بارہا دفعہ چرانے کے باعث خیانت کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور غیروں کے مال میں تصرف کرنے کی بُرائی اُن کی نظروں سے دُور ہو جاتی ہے تو خاوندوں کے سوا اور لوگوں کے مالوں میں بھی تعدی سے تصرف کرتی ہیں اور بے تحاشا دوسروں کے اموال میں خیانت کرتی اور چُراتی ہیں۔ یہ بات تھوڑے سے تامل سے واضح ہو جاتی ہے۔

پس ثابت ہُوا کہ عورتوں کو چوری سے منع کرنا اسلام کی ضروریات میں سے ہے اور شرک کے بعد چوری کی بُرائی اُن کے حق میں زیادہ ثابت ہے۔

تذییل ایک دن حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحاب سے پُوچھا کہ تم جانتے ہو کہ چوروں میں سے بڑا اور بڑا چور کون ہے؟ عرض کی کہ ہم نہیں جانتے آپ ہی فرمائیں۔ فرمایا کہ چوروں میں سے زیادہ چور وہ شخص ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے اور نماز کے ارکان کو کامل طور پر ادا نہ کرے۔ اس چوری سے بھی بچنا ضروری ہے تاکہ بدتر چوروں میں سے نہ ہوں۔ حضورِ دل سے نماز کی نیت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ نیت کے بغیر کوئی عمل درست نہیں ہوتا۔ قرأت کو درست پڑھنا چاہیئے اور رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ کو اطمینان سے ادا کرنا چاہیئے۔ یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہو کر ایک تسبیح کی مقدار دیر کرنی چاہیئے۔ اور دو سجدوں کے درمیان ایک تسبیح کے مقدار بیٹھنا چاہیئے تاکہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان حاصل ہو۔ جو شخص ایسا نہ کرے وہ چوروں میں داخل ہے اور وعید کا مستحق ہے۔

تیسری شرط جو عورتوں کی بیعت میں منصوص ہے یہ ہے کہ ان کو زنا سے منع کیا گیا ہے۔ عورتوں کی بیعت میں اس شرط کی خصوصیت اس لئے ہے کہ زنا اکثر عورتوں کی رضامندی سے وقوع میں آتا ہے۔ یہ خود اپنے آپ کو مردوں کے سامنے پیش کرتی ہیں اور اس میں پہل عورتوں کی طرف سے ہی ہوتی ہے اور اس عمل کے حصول میں ان کی رضامندی معتبر ہے اسی لئے مردوں کی نسبت عورتوں کو اس فعل سے بڑی تاکید کے ساتھ منع کیا گیا ہے

مرد اس عمل میں عورتوں کے تابع ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں زانیہ عورت کو زانی مرد پر مقدم فرمایا ہے۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۔ (زانیہ عورت اور زانی مرد کو سو سو کوڑا لگاؤ۔)
یہ بد خصلت دنیا اور آخرت کا خسارہ ہے اور تمام دینوں میں قبیح اور منکر ہے۔
حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے آدمیوں کے گروہ! زنا سے پرہیز کرو کہ اس میں چھ بری خصلتیں ہیں جن میں سے تین دنیا میں ہیں اور تین آخرت میں ہیں۔ وہ تین جو دنیا میں ہیں۔ ایک یہ کہ زنا کرنے والے سے خوبی اور نورانیت اور صفا دور ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ اس سے فقر اور محتاجی پیدا ہوتی ہے۔ تیسری یہ کہ عمر کم ہوتی ہے۔ اور وہ تین خصلتیں جو زانیوں کے لئے آخرت میں ہیں۔ ایک حق تعالےٰ کا غصہ اور غضب۔ دوسرے بری طرح سے حساب ہونا۔ تیسرے دوزخ کا عذاب۔

جاننا چاہیئے کہ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ آنکھوں کا زنا محرمات کی طرف نظر کرنا ہے اور ہاتھوں کا زنا محرمات کو پکڑنا اور پاؤں کا زنا محرمات کی طرف جانا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ۔

"یعنی اے محمدؐ! مومنوں کو کہہ دو کہ اپنی آنکھوں کو محرمات سے ڈھانپیں اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ یہ ان کے واسطے بہت ہی اچھا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کے کاموں کو دیکھتا ہے اور مومنات کو کہدو کہ اپنی آنکھوں کو محرمات سے ڈھانپیں اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔"

جاننا چاہیئے کہ دل آنکھ کے تابع ہے۔ جب تک آنکھ کو محرمات سے بند نہ کریں دل کی محافظت مشکل ہے۔ جب آنکھ گرفتار ہو جائے تو دل کی حفاظت مشکل ہے اور جب دل گرفتار ہو جائے تو شرمگاہ کی محافظت دشوار ہے۔

پس محرمات سے آنکھ کا ڈھانپنا ضروری ہے تاکہ شرمگاہ کی محافظت حاصل ہو سکے اور دینی اور دنیاوی خسارہ میں نہ ڈالے۔ قرآن مجید میں اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ عورتیں بیگانہ مَردوں کے ساتھ بدکار عورتوں کی طرح ایسا نرم و ملائم کلام کریں جن سے بدکار مَردوں کو بدکاری کا وہم پیدا ہو اور اُن کے دلوں میں بُرائی کی طمع ظاہر ہو۔ ہاں نیک اور اچھا کلام جو اس وہم و طمع سے خالی ہو، عورتیں مَردوں کے ساتھ کر سکتی ہیں۔ اور اس امر سے بھی منع کیا گیا ہے کہ عورتیں اپنی زینت و خُوبی اور بناؤ سنگار بیگانہ مَردوں کے سامنے ظاہر کریں اور مَردوں کو خواہش میں ڈالیں اور اس امر سے بھی نہی آئی ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر ماریں تاکہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر ہو یعنی پازیب وغیرہ حرکت میں آئے اور اس سے آواز نکلے، جس سے مَردوں کو عورتوں کی طرف بُری خواہش پیدا ہو۔

غرض جو بات فسق اور بدکاری کی طرف لے جانے والی ہے بُری ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ بڑی احتیاط کرنی چاہیئے کہ محرمات کے مبادی اور مقدمات کا ارتکاب نہ کیا جائے تاکہ محرمات سے خلاصی حاصل ہو۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْعَاصِمُ (اللہ تعالےٰ بچانے والا ہے)۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ اِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

"سوائے اللہ تعالےٰ کی توفیق کے میری کوئی توفیق نہیں کہ گُناہوں سے بچوں، مَیں نے اسی پر توکل کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں"۔

پوشیدہ نہ رہے کہ بیگانی عورت کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنے اور ہاتھ لگانے میں عورت بھی بیگانہ مرد کی طرح ہے۔ عورت کے لئے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو اپنے خاوند کے سوا کسی اور کے لئے خواہ عورت ہو یا مرد آراستہ کرے اور ان کو اپنی زیب و زینت دکھائے۔ جس طرح مَردوں کو امردوں یعنی بے ریش یا نابالغ لڑکوں کو شہوت کے ساتھ دیکھنا اور مس کرنا حرام ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی عورتوں کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا اور ہاتھ لگانا منع ہے۔ اس امر کو بخوبی مدِ نظر رکھنا چاہیئے کہ دین و دُنیا کے خسارہ کا موجب ہے۔ مرد کا عورت تک پہنچنا دونوں کی جنس کے مختلف ہونے کے باعث مشکل ہے کیونکہ کئی رکاوٹیں

درمیان ہیں۔ برخلاف ایک عورت کے دوسری عورت تک پہنچنے کے کہ دونوں کے ہم جنس اور متحد ہونے کے باعث نہایت آسان ہے۔ یہاں زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے اور مرد کو عورت کی طرف اور عورت کو مرد کی طرف بہ نظرِ شہوت دیکھنے اور مس کرنے کی نسبت عورت کو عورت کی طرف اور شہوت دیکھنے اور مس کرنے سے اچھی طرح منع کرنا اور ڈرانا چاہیئے۔

چوتھی شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے' ان کو اولاد کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یعنی عورتیں محتاجی اور فقر کے سبب سے اپنی چھوٹی لڑکیوں کو مار دیا کرتی تھیں۔ یہ بُرا فعل کسی کو ناحق قتل کرنے کے علاوہ قطع رحم کو بھی شامل ہے، جو کبیرہ گناہ ہے۔

پانچویں شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے اس میں بہتان اور افترا سے منع کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ بُری صفت عورتوں میں زیادہ تر پائی جاتی ہے اس لئے خاص طور پر اس سے منع فرمایا ہے۔ یہ صفت تمام بُری صفتوں سے بُری ہے اور یہ عادت تمام ردّی عادتوں میں سے ردّی ہے جس میں جھوٹ بھی شامل ہے جو تمام مذہبوں میں حرام ہے۔ نیز اس میں مومن کی ایذا ہے جس کی نسبت بہتان اور افترا کیا جاتا ہے اور مومن کو ایذا دینا حرام ہے۔ نیز بہتان وافترا روئے زمین میں فساد برپا کرنے کا موجب ہے جو نصِ قرآنی کے ساتھ مکروہ اور ممنوع اور محرم و مستنکر ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرمائیں اُس کی نافرمانی اور معصیت سے عورتوں کو منع کیا گیا ہے۔ یہ شرط تمام اوامر شرعی یعنی نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ کے بجالانے اور تمام شرعی منہیات سے ہٹ جانے پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اور اُس کے نازل کئے ہُوئے ضروری احکام پر ایمان لانے کے بعد اسلام کی بنیاد انہی چار رکنوں پر ہے۔ پنجگانہ نماز کو سستی اور قصور کے بغیر بڑی کوشش و اہتمام سے ادا کرنا چاہیئے۔ مال کی زکوٰۃ بڑی رغبت و احسان کے ساتھ زکوٰۃ کے مستحقوں کو دینی چاہیئے۔

رمضان مبارک کے روزے جو سالانہ گناہوں کے دُور کرنے والے ہیں۔

بڑی اچھی طرح رکھنے چاہئیں۔ بیت اللہ کا حج بھی جس کی شان میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اَلْحَجُّ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ۔ (حج گذشتہ تمام گناہوں کو گرا دیتا ہے) ادا کرنا چاہیئے تاکہ اسلام قائم ہو جائے۔ اسی طرح ورع و تقویٰ بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔
مِلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ یعنی تمہارے دین کا اصل اصول اور اس کو قائم رکھنے والا تقویٰ ہے اور وہ شرعی منہیات کے ترک کرنے سے مراد ہے۔ مسکرات یعنی نشہ والی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ان کو شراب کی طرح حرام اور بُرا سمجھنا چاہیئے۔
غناء یعنی سرود اور گانے بجانے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ان کو شراب کی طرح حرام اور کھیل کود میں داخل ہے جو حرام ہے۔ اس کے بارے میں آیا ہے کہ اَلْغِنَاءُ رُقْیَۃُ الزِّنَا۔ یعنی سرود زنا کا افسون اور منتر ہے۔ اور غیبت اور سخن چینی سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے بھی شرع نے منع فرمایا ہے اور مسخرہ پن اور مومن کو ناحق ایذا دینے سے بچنا چاہیئے۔ شگون بد کا اعتبار نہ کریں۔ اور اس کی کچھ تاثیر نہ جانیں اور ایک شخص سے دوسرے شخص کو مرض کے لگ جانے یعنی مریض سے کسی تندرست شخص کو لاحق ہونے کا اعتبار نہ کریں۔ کیونکہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں سے منع فرمایا ہے۔

لَا طِیَرَۃَ وَلَا عَدْوٰی یعنی شگون بد کی کوئی اصل نہیں "۔

اور ایک کے مرض کا دوسرے کو لگ جانا ثابت نہیں۔ کاہن اور نجومی کی باتوں کا اعتبار نہ کریں اور اُن کی غیبی باتوں کو کچھ نہ جانیں اور اُن سے کچھ نہ پوچھیں اور اُن کو امورِ غیبی کا عالم نہ جانیں۔ کیونکہ شریعت نے بڑے مبالغہ کے ساتھ اُن سے منع فرمایا ہے۔ نہ خود جادو کریں نہ جادوگر کے پاس اس نیت سے جائیں۔ کیونکہ حرام قطعی ہے اور کفر میں قدم راسخ رکھتا ہے۔ سحر و ساحری سے بڑھ کر زیادہ کفر کے نزدیک اور کوئی گناہ کبیرہ نہیں۔ بڑی احتیاط کرنی چاہیئے۔ کہ اس کا کوئی چھوٹا سا امر بھی نہ ہونے پائے۔ کیونکہ شرع میں آیا ہے کہ مسلم جب تک اسلام رکھتا ہے اس سے سحر ظاہر نہیں ہوتا۔ جب ایمان اس سے جُدا ہو جاتا ہے اُس وقت سحر بھی اس سے صادر ہوتا ہے۔ گویا سحر اور ایمان کی ایک

دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں۔ اگر جادو ہے تو ایمان نہیں۔ اس بات پر خوب غور کرنا چاہیئے تاکہ ایمان کے کارخانہ میں خلل نہ آئے اور اس عمل کی شامت سے اسلام کی دولت ہاتھ سے نہ چلی جائے۔

غرض جو کچھ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اور علماء نے کتب شرعیہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ جان و دل سے اس کو بجالانا چاہیئے اور اس کے خلاف کو زہر قاتل خیال کرنا چاہیئے جو دائمی موت تک پہنچا دیتا ہے اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب بیعت کرنے والی عورتوں نے ان سب شرطوں کو قبول کر لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قول ہی سے ان کو بیعت فرمایا اور حق تعالےٰ کے امر کے بموجب ان کے لئے بخشش طلب کی۔ وہ استغفار جو آنحضرتؐ حق تعالےٰ کے امر سے کسی جماعت کے لئے طلب کریں۔ کامل امید ہے کہ قبول ہوگا اور وہ جماعت بخشی جائے گی۔

ابوسفیان کی زوجہ ہندہ بھی اس بیعت میں داخل تھی بلکہ تمام عورتوں کی سرگروہ تھی اور اُن کی طرف سے کلام کرتی تھی۔ اس بیعت اور استغفار سے اس کے لئے بڑی بھاری بخشش کی اُمید ہے۔ پس جو عورتیں ان شرطوں کو قبول کریں اور ان کے موافق عمل کریں حکماً اس بیعت میں داخل ہو جاتی ہیں اور اس استغفار کی برکات کی امیدوار بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۔

"اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا"۔

شکر بجالانے سے مراد یہ ہے کہ شرعی احکام کو قبول کریں اور اُن کے مطابق عمل کریں۔ نجات کا طریق اور خلاصی کا راستہ اعتقادی اور عملی طور پر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے۔ پیر و استاد اس لئے پکڑتے ہیں کہ شریعت کی طرف ہدایت و رہنمائی کریں اور اُن کی برکت سے شریعت کے اعتقاد اور عمل میں آسانی و سہولت حاصل ہو نہ یہ کہ مرید جو کچھ چاہیں کریں اور جو کچھ چاہیں کھائیں اور پیر اُن کے لئے ڈھال بن جائیں اور عذاب سے بچالیں کہ

یہ ایک نِکمّی اور بے ہودہ آرزو ہے۔ وہاں اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہ کر سکے گا اور جب تک عمل پسندیدہ نہ ہوں گے۔ کوئی اس کی شفاعت نہ کرے گا اور عمل پسندیدہ تب ہوتے ہیں جبکہ شریعت کے مطابق عمل کریں۔ شریعت کی متابعت کے باوجود اگر بشریت کے بموجب کوئی لغزش اور قصور اس سے سرزد ہو گا تو اس کا تدارک شفاعت سے ہو سکے گا۔ ❁

مکتوب نمبر ۴۳

اپنے بیٹوں کے نام ایک مکتوب

(بادشاہِ وقت سے حضرت مجددؒ کی مُلاقات اور اس کا کچھ حال)

اس طرف کے احوال اور اوضاع حمد کے لائق ہیں۔ عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ تعالےٰ کی عنایت سے ان گفتگوؤں سے امورِ دینیہ اور اصولِ اسلامیہ میں سرِ مُو سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی۔ اللہ تعالےٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہُوا کرتی ہیں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے۔ خاص کر آج ماہ رمضان کی سترھویں رات کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت کے ایمان اور اس کے عذاب و ثواب اور رویت اور دیدار کے اثبات اور حضرت خاتم الرسل کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی اقتدار اور تراویح کے سُنّت اور تناسخ کے باطل ہونے اور جن اور جنسیوں کے احوال اور اُن کے عذاب و ثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہُوا، اور بڑی خوشی سے سُنتے رہے۔ اس اثناء میں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر ہُوا اور اقطاب اور اوتاد اور ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیتوں وغیرہ کا بیان ہُوا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ سب کچھ قبول کرتے رہے اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہُوا۔ ان واقعات اور ملاقات میں شاید کوئی اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ حکمت اور خفیہ راز ہو گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالےٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ

ہدایت نہ دیتا، تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بلاشبہ ہمارے رب کے رسول سچے ہیں"۔
دوسرے یہ کہ قرآن مجید کو سورۂ عنکبوت تک ختم کیا ہے۔ جب رات کو اس مجلس سے اٹھ کر آتا ہوں، تو تراویح میں مشغول ہوتا ہوں۔ حفظ قرآن مجید کی یہ اعلیٰ دولت اس فترت یعنی پراگندہ حالی میں جو عین جمعیت ہے، حاصل ہوئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَّ اٰخِرًا (اوّل اور آخر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے)

مکتوب ۴۵

کسی بھی مسلمان کے دل کو اذیت پہنچانا بڑا گناہ ہے

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ دل اللہ تعالیٰ کا ہمسایہ ہے جس قدر دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے قریب ہے اس قدر کوئی اور شے قریب نہیں۔ دل خواہ مومن ہو یا گناہگار اس کی ایذا سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے۔ کیونکہ ہمسایہ خواہ عاصی اور نافرمان ہو۔ پھر بھی اس کی حمایت اور مدد کی جاتی ہے۔ پس اس کی اذیت سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ کفر کے بعد جو اللہ تعالیٰ کی ایذا کا باعث ہے۔ دل کی ایذا جیسا بڑا گناہ اور کوئی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے والی چیزوں سے زیادہ اقرب دل ہی ہے۔ نیز خلق سب کی سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے غلام ہیں اور کسی شخص کے غلام کو مارنا یا اُس کی اہانت کرنا اس کے مولا و مالک کی ایذا کا موجب ہے تو پھر اس مولے کا کیا حال ہو گا جو مالک اور خود مختار ہے۔ اس کے خلق میں جتنا کہ اس نے حکم دیا ہے اس سے بڑھ کر تصرف نہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ ایذا میں داخل نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ مثلاً بِکر زانی کی حد سو کوڑے ہے۔ اگر کوئی سَو سے زیادہ کوڑے لگائے تو ظلم ہے اور ایذا میں داخل ہے۔

جاننا چاہیئے کہ قلب تمام مخلوقات میں سے افضل و اشرف ہے۔ جس طرح انسان تمام مخلوقات میں سے افضل اور اشرف ہے اور اس کا افضل و اشرف عالم کبیر کی تمام اشیاء کے جامع اور مجمل ہونے کے باعث ہے۔ اسی طرح دل

بھی انسان کی تمام چیزوں کے جامع اور کمال بسیط اور مجمل ہونے کے باعث افضل واشرف ہے اور جس چیز میں اجمال وجمعیت زیادہ ہو وہی چیز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

مکتوب نمبر ۵۴

حاکمِ وقت خان جہاں کے نام مکتوب گرامی

حق تعالیٰ اپنے نبی اور اُن کی آل بزرگ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی طفیل آپ کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرما کر سلامت وعزت واحترام کے ساتھ رکھے ۵

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند

کس بمیدان درنمے آید سواران راچہ شُد

ترجمہ: گیند توفیق وسعادت کا ہے میدان میں پڑا

کوئی میدان میں نہیں آتا سوار اب کیا ہُوا

دنیائے فانی کی لذتیں اور نعمتیں اس وقت گوارا اور حلال وتحلیل ہوتی ہیں جبکہ اُن کے ضمن میں شریعت روشن کے مطابق عمل کیا جائے اور آخرت کے لئے ذخیرہ جمع کیا جائے۔ ورنہ اس زہر قاتل کی طرح ہیں جن کو شکر میں لپیٹا ہُوا ہو جس پر بے وقوف اور نادان ہی فریب و دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ اگر حکیم مطلق جلّ شانہٗ کی تریاق سے اس کا علاج نہ کیا جائے اور شرعی اوامر ونواہی کی تلخی سے اس شیرینی کا تدارک نہ کیا جائے۔ تو سراسر ہلاکت کا موجب ہے۔ شریعت کے موافق عمل کر لے سے جس میں سراسر سہولت وآسانی ہے۔ تھوڑے سے تردّد وکوشش کے ساتھ بڑی آسانی سے دائمی ملک ہاتھ آجاتا ہے اور تھوڑی سی غفلت اور سستی سے یہ جاودانی اور ہمیشہ کی دولت ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ عقل دُوراندیش سے کام لینا چاہیئے اور بچوں کی طرح جوز ومویز پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے۔

یہی خدمت جو آپ اب کر رہے ہیں اگر اس کو شریعت کی بجاآوری کے ساتھ جمع کر لیں تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سا کام کریں گے۔ جس سے

دین منور و معمور ہو جائے گا۔ ہم فقیر اگر سالوں تک اس عمل میں جان سے کوشش کریں تو بھی آپ جیسے بہادروں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیدان در نمے آید سواراں راچہ شد

ترجمہ :
گیند توفیق وسعادت کا ہے میدان میں پڑا
کوئی میدان میں نہیں آتا سوار اب کیا ہُوا

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى ۔

"یا اللہ تُو ہم کو اس کام کی توفیق دے جس کو تُو چاہتا اور پسند کرتا ہے۔"

مکتوب ۵۵

دُنیا کی جانب توجّہ مبذول کرنے پر تنبیہ اور ملامت

برادرم میاں امریز خاں فقر کے تنگ کوچہ سے بھاگ کر دولت مندوں کی طرف التجا لے گئے ہیں اور ان کی لذّتوں اور نعمتوں پر راضی ہو گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اگر آپ دولتمندوں کی صحبت میں دُنیا کی بہت ترقی کریں گے تو ہزاری ہو جائیں گے۔ اور مان سنگھ پنج ہزاری یا ہفت ہزاری تھا اس سے زیادہ ترقی نہ کریں گے اور اگر بالفرض مان سنگھی مرتبہ پر بھی پہنچ جائیں تو سوچنا چاہیئے کہ آپ کو کیا مل گیا؟ اور کون سی بزرگی آپ نے حاصل کی۔ لقمۂ نان فقر میں بھی مل جاتا تھا۔ اب اس سے زیادہ چرب لُقمہ کھاتے ہوں گے۔ اس طرح بھی گزر رہی تھی اس طرح بھی گزر جائے گی لیکن آپ کو خیال کرنا چاہیئے کہ آپ کے ہاتھ سے کیا نکل گیا اور جب تک ہیں نکل رہا ہے اور دن بدن مفلس ہو رہے ہیں۔

اَلرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ الشَّفَقَةَ ۔
یعنی جو شخص اپنے ضرر پر راضی ہو وہ شفقت کا مستحق نہیں ہے۔"

جب آپ اس امر میں مُبتلا ہو گئے ہیں تو اتنی کوشش ضرور کریں کہ استقامت کے طریق اور شریعت کے التزام کو نہ چھوڑیں اور باطنی شغل میں بھی فتور نہ پڑے۔ اگرچہ دُنیا کے ساتھ اس کا جمع کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ دو ضدوں کا جمع ہونا محال ہے۔ مگر اس قدر تو ضرور ہونا چاہیئے کہ اس وضع میں جو آپ نے اختیار کی ہے اور اس خدمت میں جو آپ کر رہے ہیں اگر نیت درست کی جائے تو عزیمت اور غزا و جہاد میں داخل ہے اور نیک عمل ہے۔ مگر نیت کا درست ہونا مشکل ہے کیونکہ آج جو خدمت ہے شاید وہ نیک ہو۔ مگر کل ایسی خدمت فرمائیں، جو عین وبال ہو۔ غرض بڑا مشکل کام ہے اس میں بہت ہوشیار رہیں۔ اطلاع دینا ضروری تھا۔ والسلام ٭

مکتوب ۵۸

بجز خدا، عالم تمام وہم و قیاس ہے

کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْئٌ۔ (اللہ تعالےٰ تھا اور کوئی چیز اُس کے ساتھ نہ تھی) جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرے تو حق تعالےٰ کے اسماء میں سے ہر ایک اسم نے ایک ایک مظہر طلب فرمایا تاکہ اپنے کمالات کو اس مظہر میں جلوہ گر کرے۔ عدم کے سوا اور کوئی شئے وجود اور توابع وجود کے مظہر بننے کے قابل نہیں۔ کیونکہ شئے کا آئینہ اور مظہر اس شئے کے مبائن اور مقابل ہوتا ہے۔ اور وجود کے مبائن اور مقابل عدم ہی ہے۔

پس حق تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عالم عدم میں اپنے اسماء میں سے ہر ایک اسم کا مظہر تعین فرمایا اور اس کو مرتبہ حس و وہم میں جب چاہا اور جس طرح چاہا پیدا کیا۔

خَلَقَ الْاَشْیَاءَ مَتٰی شَاءَ وَکَمَا شَاءَ۔

"اشیاء کو جب چاہا اور جیسے چاہا پیدا کیا"

اور دائمی معاملہ اس پر وابستہ کیا۔ جاننا چاہیئے کہ عدم خارجی کے منافی ثبوت

خارجی ہے۔ نہ وہ ثبوت جو مرتبہ حس و وہم میں پیدا ہُوا۔ کیونکہ اس میں منافات کی بُو بھی نہیں اور عالم کا ثبوت مرتبہ حس و وہم میں ہے نہ مرتبہ خارج میں تاکہ اُس کے منافی ہو۔

پس جائز ہے کہ عدم مرتبہ حس و وہم میں ثبوت پیدا کر لے اور حق تعالےٰ کی صنعت سے وہاں اس کو اتقان و رسوخ حاصل ہو جائے اور اس مرتبہ میں ظلیت و انعکاس کے طور پر حی و عالم و قادر و مرید بینا و گویا و شنوا یعنی زندہ اور جاننے والا اور قدرت والا اور ارادہ کرنے والا اور دیکھنے والا اور بولنے والا اور سُننے والا ہو جائے اور مرتبہ خارج میں اس کا کوئی نام و نشان نہ ہو اور خارج میں حق تعالےٰ کی ذات و صفات کے سوا کوئی چیز ثابت و موجود نہ ہو اور اس لحاظ سے اس کو اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ کہہ سکیں۔ اُس کی مثال نقطہ جوالہ اور دائرہ موہوم کی سی ہے کہ موجود صرف وہی نقطہ ہے اور دائرہ کا خارج میں نام و نشان نہیں۔ ہاں اس دائرہ نے مرتبہ حس و وہم میں ثبوت پیدا کیا ہے اور اس مرتبہ میں ظلیت کے طور پر اس کو نور اور روشنی حاصل ہے۔ اس تحقیق کے ساتھ ان مقدمات مبسوط سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے جو حضرت شیخ محی الدین ؒ اور اُس کے تابعین نے عالم کی تکوین میں فرمائے ہیں اور تنزلات کا بیان کیا ہے اور تعینات کو علمی و خارجی بنائے ہیں اور حقائق و اعیان ثابتہ کو حق تعالیٰ کے مرتبۂ علم میں ثابت کیا ہے اور ان کے عکسوں کو خارج میں کہ ظاہر وجود ہے مقرر رکھا ہے اور ان کے آثار کو خارجی کہا ہے جیسے کہ اُن کے کلام کو دیکھنے والے اور اُن کی اصطلاح پر اطلاع پانے والے منصف پر پوشیدہ نہیں ہے۔

اور اس تحقیق سے معلوم ہُوا کہ حق تعالےٰ کے سوا کوئی چیز کیا اعیان اور کیا اعیان کے آثار موجود نہیں۔ بلکہ ان کا ثبوت مرتبۂ حس و وہم میں ہے اور اس سے کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ ایسا موہوم نہیں ہے جو وہم کے اختراع سے ثابت ہُوا ہے تاکہ وہم کے اُٹھ جانے سے یہ بھی اُٹھ جائے۔ بلکہ اس کا ثبوت مرتبہ وہم میں حق تعالےٰ کی صنعت سے ہے اور اس مرتبہ میں صفات و

قرار اور اتقان و استحکام رکھتا ہے۔

صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْئٍ ؕ

"اس اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے جس نے تمام اشیاء کو مضبوط کر دیا ہے۔"

اس بیان سے واضح ہوا کہ ممکنات کے حقائق عدمات ہیں جنہوں نے حق تعالیٰ کے مرتبہ علم میں تمیز و تعین پیدا کیا ہے اور حق تعالیٰ کی صنعت سے دوبارہ مرتبہ حس و وہم میں ثابت ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض اسماء الٰہی جل شانہٗ کے آئینے اور مظہر ہیں اور اس مرتبہ میں ظلیت اور انعکاس کے طور پر حی و عالم و قادر مرید و بینا و شنوا و گویا ہو گئے ہیں۔

❊

مکتوب نمبر ۶۰

تزکیۂ نفس کے دو طریقے جذبہ و انابت

جاننا چاہیئے کہ تزکیۂ نفس کا طریق دو طرح پر ہے۔ ایک وہ طریق ہے جو ریاضتوں اور مجاہدوں سے تعلق رکھتا ہے اور یہ انابت کا طریق ہے جو مریدوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرا طریق جذب و محبت کا طریق ہے جو اجتبا یعنی برگزیدہ کرنے کا راستہ ہے اور مرادوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ان دونوں طریقوں میں بہت فرق ہے۔ پہلا طریق مطلوب کی طرف خود چل کر جانے کا ہے اور دوسرا طریق مقصود کی طرف لے جانے کا ہے۔

اور رفتن یعنی جانے اور بُردن یعنی لے جانے میں بہت فرق ہے۔ جب سابقہ کرم و عنایت سے کسی صاحب نصیب کو اجتبا کے راستہ پر لے جانا چاہتے ہیں تو اس کو جناب پاک کی طرف جذب و محبت عطا فرماتے ہیں اور اس کے ذریعے کھینچتے کھینچتے لے جاتے ہیں۔ کوئی ایسا بھی سعادتمند ہوتا ہے جس کو حدِّ فنا تک پہنچاتے ہیں اور ماسوی کی تردید و دانش سے چھڑا دیتے ہیں اور آفاق و انفس سے آگے لے جاتے ہیں۔

❊

مکتوب ۶۹

بڑی نصیحت اتباعِ شریعت اور صحبتِ اکابر

آپ نے نصیحتیں طلب فرمائی تھیں ۔ میرے مخدوم سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین اور متابعت کو لازم پکڑیں متابعت کی کئی قسمیں ہیں ان میں ایک احکامِ شرعیہ کا بجالانا ہے ، باقی اقسام کو فقیر نے ایک مکتوب میں جو بعض دوستوں کے نام لکھا ہے مفصل ذکر کیا ہے ۔ فقیر ان کو کہے گا کہ اس کی نقل انشاء اللہ آپ کو بھیج دیں ۔

غرض اس طریق کے افادہ و استفادہ کا مدار صحبت پر ہے ۔ صرف کہنا اور لکھنا ہی کافی نہیں ۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ صحبت ہے ۔ اصحابِ کرام حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت ہی کی بدولت تمام اولیاء اُمت میں سے افضل ہیں اور کوئی ولی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا ۔ اگرچہ اویس قرنیؒ ہو ۔ دوستوں سے التماس ہے کہ سلامتی ایمان کی دعا کیا کریں ۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۔

" یا اللہ تُو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر "

مکتوب ۷۰

مولود خوانی کے بارے میں ایک سوال کا جواب

نیز آپ نے مولود خوانی کے بارے میں لکھا تھا کہ قرآن مجید کو خوش آواز سے پڑھنے اور نعت و منقبت کے قصائد کو خوش آوازی سے پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے ۔ ہاں قرآن مجید کے حروف کی تحریف اور اُن کا تغیر و تبدل اور مقاماتِ نغمہ کی رعایت اور اس طرز پر آواز کا پھیرنا اور سر نکالنا اور تالی بجانا

وغیرہ وغیرہ جو شعر میں ناجائز ہیں سب ممنوع ہیں۔ اگر اس طرح پر پڑھیں کہ کلماتِ قرآنی میں تحریف واقع نہ ہو اور قصیدوں کے پڑھنے میں بھی شرائطِ مذکورہ بالا ثابت نہ ہوں۔ اور وہ بھی کسی غرض صحیح کے لئے تجویز کریں۔ تو کوئی ممانعت نہیں۔ میرے مخدوم فقیر کے دل میں آتا ہے کہ جب تک آپ اس دروازہ کو بالکل بند نہ کریں گے۔ بوالہوس نہیں رکیں گے۔ اگر آپ تھوڑا بھی جائز رکھیں گے تو بہت تک پہنچ جائیگا۔ قَلِیْلُہٗ یُفْضِیْ اِلٰی کَثِیْرِہٖ (تھوڑا بہت کی طرف لے جاتا ہے) مشہور قول ہے۔ والسّلام

مکتوب ۷۷

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت مجدّدؒ کا قول فیصل

عجب معاملہ ہے کہ شیخ باوجود اس گفتگو اور ان خلافِ جوانہ اور مخالف شطحیات کے مقبولوں میں سے نظر آتا ہے اور اولیاء کے زمرہ میں گِنا جاتا ہے۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست!

ترجمہ: کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام!

ہاں کبھی دُعا سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور کبھی گالیوں پر ہنستے ہیں۔ شیخ کا رد کرنے والا بھی خطرہ میں ہے اور اس کو اور اس کی باتوں کو قبول کرنے والا بھی خطرہ میں ہے۔ شیخ کو قبول کرنا چاہیئے اور اس کی مخالف باتوں کو قبول نہ کرنا چاہیئے۔ شیخ کے قبول اور عدم قبول کے بارہ میں اوسط طریق فقیر کے نزدیک یہی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ "حقیقتِ حال کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے"۔

مکتوب ۷۹

حضرت شیخ ابن عربیؒ کے بارے میں حضرت مجدّدؒ کی رائے اور اہلِ حق کی اکثریت جدھر ہو اُسے ہی اختیار کرنے کی نصیحت

کیا کیا جائے اس میدان میں شیخ قدس سرہٗ ہی ہے جس کے ساتھ کبھی لڑائی ہے اور کبھی صلح، کیونکہ اسی نے سخن معرفت و عرفان کی بنیاد رکھی ہے اور

اس کو شرح وبسط دے کر توحید واتحاد کو مفصل طور پر بیان کیا ہے اور تعدد و تکثر کا منشاء ظاہر فرمایا ہے۔ وہی ہے جس نے وجود کو بالکل حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور عالم کو موہوم و متخیل بنایا ہے۔ وہی ہے جس نے وجود کے لئے تنزلات ثابت کئے ہیں اور ہر مرتبہ کے احکام کو جدا کیا ہے۔ وہی ہے جس نے عالم کو عین حق جانا ہے اور ہمہ اوست کہا ہے اور باوجود اس کے حق تعالیٰ کے مرتبہ تنزیہ کو عالم کے ماوراء معلوم کیا ہے اور اس کو دید و دانش سے منزہ و مبرا سمجھا ہے۔

ان مشائخ نے جو شیخ قدس سرہٗ سے پہلے ہیں۔ اگر اس بارہ میں گفتگو کی ہے تو رموز و اشارات کے طور پر کچھ بیان کیا ہے اور اس کی شرح وبسط میں مشغول نہیں ہوئے اور وہ مشائخ جو شیخ کے بعد ہیں۔ ان میں سے اکثر نے شیخ کی تقلید اختیار کی ہے اور اس کی اصطلاح کے موافق گفتگو کی ہے۔ ہم پسماندوں نے بھی اس بزرگ کی برکات سے استفادہ کیا ہے اور اس کے علوم ومعارف سے بہت فائدے حاصل کئے ہیں۔

جَزَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ ۔

"اللہ تعالیٰ اس کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے"

لیکن چونکہ بشریت کے مطابق خطاء وصواب ایک دوسرے کے ساتھ ملا جلا ہے اور انسان احکام میں کبھی خطاء پر ہے اور کبھی صواب پر اس لئے اہل حق کے سواد اعظم کے احکام کی موافقت کو صواب کا مصداق اور ان کی مخالفت کو خطا کی دلیل سمجھنا چاہیئے۔ کہنے والا خواہ کوئی ہو اور خواہ کوئی کلام ہو۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے :۔

عَلَيْكُمْ بِسَوَادِ الْاَعْظَمِ ۔ (تم پر سواد اعظم یعنی بڑے گروہ کی تابعداری لازم ہے)

نیز مقرر ہے کہ صنعت کی تکمیل مختلف فکروں اور بہت سی نظروں کے ملنے پر موقوف ہے۔ سیبویہ اگرچہ علم نحو کے احکام کا بانی ہے لیکن وہ نحو جس نے متاخرین کے فکروں اور نظروں کے ملنے سے کمال و تنقیح پیدا کی ہے وہ اور کچھ ہو گیا ہے اور، اور ہی زیب و زینت پا گیا ہے۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ دوسری

قسم کا بن گیا ہے اور علیحدہ احکام حاصل کر چکا ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۔

"یا اللہ تو اپنے پاس سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر۔"

ﺵ

مکتوب ۸۳ (بیٹوں کے نام ایک مکتوب)

مصائب میں بے چارگی اور بے اختیاری بھی منجانب اللہ ایک نعمت ہے

فرزندانِ گرامی جمعیت کے ساتھ رہیں۔ لوگ ہر وقت ہماری محنتوں کو مدِّنظر رکھتے ہیں اور تنگی سے خلاصی طلب کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ نامرادی اور بے اختیاری اور ناکامی میں کس قسم کا حُسن وجمال ہے اور کونسی نعمت اس کے برابر ہے کہ اس شخص کو اپنے اختیار سے بے اختیار کر دیں اور اپنے اختیار کے موافق اس کو زندگانی بخشیں اور اس کے اپنے امورِ اختیاری کو بھی اس بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کے دائرۂ اختیار سے باہر نکال دیں اور کَالْمَیِّتِ بَیْنَ یَدَیِ الْغَسَّالِ (جیسے کہ مُردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے) بنا دیں۔

قید کے دنوں میں جب اپنی ناکامی اور بے اختیاری کا مطالعہ کرتا تھا تو عجب حظ حاصل ہوتا تھا اور نہایت ہی ذوق پاتا تھا۔ ہاں فراغت و آرام والے لوگ مصیبت والوں کے ذوق کو کیا معلوم کر سکتے ہیں اور ان کی بلا کے جمال کو کس طرح پا سکتے ہیں۔ بچوں کا حظ شیرینی پر ہی منحصر ہے لیکن جس نے تلخی سے حظ حاصل کیا ہے۔ وہ شیرینی کو جَو کے برابر بھی نہیں خریدتا۔ ؏

مُرغِ آتشخوارہ کے لذّت شناسد دانہ را

ترجمہ: مُرغِ آتشخوار کو آئے نہ لذت دانہ کی

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ۔

ﺵ

مکتوب ۸۲

طالبِ راہِ سلوک کو نصیحت

اس راہ کے طالب کو چاہیئے کہ اول اپنے عقائد کو علمائے اہلِ حق کے عقائد کے مطابق درست کرے۔ پھر فقہ کے ضروری احکام کا علم حاصل کرے اور اُن کے مطابق عمل کرے۔ اس کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی میں مصروف رکھے۔ بشرطیکہ ذکر کو شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو۔ کیونکہ ناقص سے کامل نہیں ہو سکتا اور اپنی اوقات کو ذکر کے ساتھ اس طرح آباد رکھے کہ فرضوں اور مؤکدہ سنتوں کے بغیر کسی چیز میں مشغول نہ ہو۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کی تلاوت، اور عبادتِ نافلہ کو بھی موقوف رکھے اور وضو ہو یا نہ ہو ہر حال میں ذکر کرتا رہے اور کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اسی کام میں مشغول رہے اور چلنے پھرنے اور کھانے پینے اور سونے کے وقت ذکر سے خالی نہ رہے۔ ؎

ذکر گو ذکر تا ترا جان است　　　پاکیٔ دل ز ذکر رحمان است

ترجمہ :　ذکر کر ذکر جب تلک جان ہے
دل کی پاکی یہ ذکر رحمان ہے

دوام ذکر میں اس قدر مشغول ہو کہ مذکور کے سوا سب کچھ اس کے سینے سے دُور ہو جائے اور مذکور کے سوا اس کے باطن میں کسی چیز کا نام و نشان نہ رہے حتیٰ کہ ماسوا خطرہ کے طور پر بھی دل میں نہ گزرے اور اگر تکلف سے بھی غیر کو حاضر کرنا چاہے تو نہ ہو سکے۔ اس نسیان کے سبب سے جو مذکور کے غیر سے دل کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ نسیان جو دل کو مطلوب کے تمام ماسوی سے حاصل ہوتا ہے۔ مطلوب کے حاصل ہونے کا مقدمہ ہے اور مطلوب تک پہنچنے کی خوشخبری دینے والا ہے۔ مقصود حقیقی تک پہنچنے کی نسبت کیا لکھا جائے کہ وراء الوراء ہے ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلَىٰ سُعَادَ وَدُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفٌ

ترجمہ: ہائے جاؤں کس طرح میں یار تک
راہ میں ہیں پُر خطر کوہ اور غار

برادرِ عزیز کو واضح ہو کہ حسب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سبق کو انجام تک پہنچالے اور پھر مزید سبق کی طلب کرے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ ۔ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)

والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ ⁘

مکتوب ۸۵

(صاحبزادہ خواجہ محمد معصومؒ کے نام ایک مکتوب)

حفظ اوقات اور اہل و عیال کی محبت میں اعتدال کی تاکید

ان اطراف کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور تمہاری استقامت و سلامت حق تعالیٰ سے مطلوب ہے۔ اگر اجمیر پہنچ کر راستہ کی تکلیفوں اور گرمیوں سے کچھ نجات میسر ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ تم کو لکھوں گا اور بلالوں گا جمعیت کے ساتھ رہو اور اپنی ہمت کو حق تعالیٰ کی رضامندی کے حاصل کرنے میں صرف کرو۔ فراغت و آرام طلبی کو چھوڑ دو اور حظ نفس کے پیچھے نہ پڑو اور اہل و عیال کے ساتھ حد سے زیادہ محبت اختیار نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس ضروری کام میں فتور پڑ جائے۔ پھر ندامت و مایوسی کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس صحبت و دولت کو غنیمت سمجھو اور ضروری امور میں عمر بسر کرو۔ اطلاع دینا ضروری تھا۔ نئے نئے معارف جو لکھے گئے ہیں سب تم کو سبب کا کام دیں گے۔ ان کو سرسری نہ جانو بلکہ بڑی کوشش سے ان کا مطالعہ کرو۔ شاید ان کے پوشیدہ اسرار تم پر کھل جائیں اور سعادت کا سرمایہ ہاتھ آجائے۔

تمہارے حق میں ایک بشارت پہنچی ہے اس کو ایک مکتوب میں لکھ کر خواجہ محمد ہاشم کے حوالے کیا ہے تاکہ تمہارے پاس پہنچا دے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

اپنے کرم سے تم کو ضائع نہ چھوڑے گا اور قبول فرمائے گا۔ لیکن اس سے ڈرتے رہنا چاہیئے اور لہو ولعب میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو صحبت کی دوری تاثیر کر جائے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و تضرع کرتے رہو اور اہلِ حقوق کے ساتھ بقدرِ ضرورت میل جول رکھو اور اُن کی خاطر و تواضع بجالاؤ اور مستورات کے ساتھ وعظ و نصیحت سے زندگی بسر کرو اور اُن کے حق میں امر معروف اور نہی منکر سے دریغ نہ رکھو، اور تمام اہلِ خانہ کو نماز و اصلاح اور احکامِ شرعی کے بجالانے کی ترغیب دیتے رہو۔

فَاِنَّکُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنْ رَعِیَّتِکُمْ۔

"کیونکہ تم اپنی اپنی رعیّت کی نسبت پوچھے جاؤ گے"

حق تعالیٰ نے تم کو علم دیا ہے۔ اس کے مطابق عمل بھی نصیب کرے اور اس پر استقامت بخشے۔ آمین!

مکتوب ۸۶

مباحات کی تقلیل ہی مناسب ہے اور کرامت کا ظاہر ہونا ہرگز شرطِ ولایت نہیں

فضول مباحات کا مرتکب ہونا خوارق کے کمتر ظاہر ہونے کا باعث ہے۔ خاص کر جبکہ فضول میں بکثرت مشغول ہو کر مشتبہ کی حد تک پہنچ جائیں اور وہاں سے محرم و حرام کے گرد آجائیں۔ پھر خوارق کہاں اور کرامات کجا؟ مباحات کے ارتکاب کا دائرہ جس قدر زیادہ تنگ ہو گا اسی قدر ضروری پر کفایت کی جائے گی اور اسی قدر کشف و کرامت کی زیادہ گنجائش ہو گی۔ اور خوارق کے ظہور کا راستہ زیادہ تر کھل جائے گا۔ خوارق کا ظاہر ہونا نبوت کی شرط ہے۔ ولایت کی شرط نہیں۔ کیونکہ نبوت کا اظہار واجب ہے۔ ولایت کا اظہار واجب نہیں بلکہ اس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا بہتر ہے۔ کیونکہ نبوت میں خلق کی دعوت

ہے اور ولایت میں قربِ حق۔ اور ظاہر ہے کہ دعوت کا ظاہر کرنا ضروری ہے اور قرب کا چھپانا لازم ہے کسی ولی سے خوارق کا بکثرت ظاہر ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ولی ان اولیاء سے افضل ہے جن سے اس قدر خوارق ظاہر نہیں ہوئے۔ بلکہ ممکن ہے کہ کسی ولی سے کوئی بھی خرق عادت ظاہر نہ ہو اور وہ ان اولیاؑ سے افضل ہو جن سے خوارق بکثرت ظاہر ہوئے ہوں۔ جیسے کہ شیخ الشیوخ نے اپنی کتاب "عوارف المعارف" میں اس امر کی تحقیق کی ہے۔

جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں خوارق کا کم یا زیادہ ظاہر ہونا جو نبوت کی شرط ہے ایک سے دوسرے کے افضل ہونے کا موجب نہیں ہے تو پھر ولایت میں جہاں یہ شرط نہیں تفاضل کا سبب کیوں ہو گا ؟

میرے خیال میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ریاضتوں اور مجاہدوں اور اپنی جانوں پر دائرۂ مباحات کو زیادہ تر تنگ کرنے سے اصلی مقصود یہ تھا کہ ظہور خوارق حاصل ہو جو اُن پر واجب ہے اور نبوت کے لئے شرط ہے۔ نہ کہ قُربِ الٰہی جلشانہٗ کے درجات تک پہنچنا۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مجتبیٰ اور برگزیدہ ہیں جن کو جذب و محبت کی رسّی سے کھینچ لے جاتے ہیں اور بغیر تکلیف و مشقت کے ان کو قربِ الٰہی کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔

وہ انابت وارادت ہی ہے جہاں قربِ الٰہی کے درجات تک پہنچنے کے لئے ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مریدوں کا راستہ ہے اور اجتبا مرادوں کا راستہ ہے۔ مرید مشقت و محنت کے ساتھ اپنے پاؤں سے چلکر جاتے ہیں اور مرادوں کو ناز و نعمت کے ساتھ اپنی طرف بُلا لے جاتے ہیں اور محنت کے بغیر درجاتِ قرب تک پہنچا دیتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ ریاضتیں اور مجاہدے راہِ انابت وارادت میں شرط ہیں لیکن راہِ اجتباء میں مجاہدہ و ریاضت کی کوئی شرط نہیں ہاں نافع اور سود مند ضرور ہیں۔ مثلاً کوئی شخص جس کو کشاں کشاں لے جائیں اگر وہ اس کشش کے ساتھ اپنی کوشش اور مشقت کو بھی کام میں لائے تو وہ بہت جلدی منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ بہ نسبت اس کے کہ اپنی کوشش و مشقت کو چھوڑ دے۔

اگرچہ جائز ہے کہ کبھی کشش تنہا جو زیادہ قوی ہو کشش مرکب مذکور سے زیادہ تر کام کر جاتی ہے۔ پس راہِ اجتباء میں سعی و تردد و مشقت کمال وصول کی شرط بھی نہ ہوئی جیسے کہ نفس وصول کی شرط نہیں۔ ہاں کچھ نہ کچھ نفع کا احتمال ضرور ہے۔
ریاضتوں اور مجاہدوں سے جو ضروری مباحات پر کفایت کرنے سے مراد ہے ارباب اجتبا کو بھی اس معنی کے بغیر جو مذکور ہو چکے ہیں بہت سے نفع اور فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے کہ دوام جہاد اکبر اور دُنیائے دنیہ کی آلودگی سے طہارت و لطافت یعنی پاک وصاف ہونا وغیرہ وغیرہ۔ جس قدر ضروری حاجتیں ہیں وہ دُنیا میں داخل نہیں ہیں اور جو فضول ہیں وہ دُنیا میں سے ہیں اور ریاضتوں اور قدر ضرورت پر کفایت کرنے میں دوسرا نفع آخرت کے محاسبہ اور مواخذہ کی کمی اور عاقبت کے درجات کی بلندی ہے۔ کیونکہ دُنیا میں جس قدر محنت ہے آخرت میں اس سے کئی گُنا زیادہ مسرت ہے۔
پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے لئے مذکورہ بالا وجہ کے سوا اور وجوہ بھی پیدا ہو گئیں اور واضح ہو گیا کہ ریاضتیں اور ضروری مباحات پر کفایت کرنا راہِ اجتباء میں اگرچہ وصول کی شرط نہیں لیکن فی حد ذاتہٖ محمود و مستحسن ہیں بلکہ فوائد مذکورہ کے لحاظ سے ضروری و لازم ہیں۔

مکتوب ۸۷

اپنی نسبت و ارادت کے اسرار اور تربیتِ ربانی کا اظہار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالےٰ کی حمد ہے اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)
مَیں اللہ تعالےٰ کا مُرید بھی ہوں اور مراد بھی۔ میرا سلسلۂ ارادت بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جا ملتا ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے اور میری ارادت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس[۲۱] اور قادریہ میں پچیس[۲۵] اور چشتیہ میں ستائیس[۲۷]

واسطے درمیان ہیں۔ لیکن میری ارادت جو اللہ تعالے کے ساتھ ہے وہ واسطہ کو قبول نہیں کرتی۔ جیسے کہ گزر چکا۔

پس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُرید بھی ہوں اور ان کا پَس رَو ہم پیر یعنی پیچھے چلنے والا پیر بھائی بھی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس دولت کے دستر خوان پر اگرچہ طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں اور اگرچہ تابع ہوں لیکن اصالت سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ اور اگرچہ اُمتی ہوں، لیکن اس دولت میں اُن کا شریک ہوں۔ ہاں وہ شرکت نہیں جس سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ پیدا ہوتا ہو۔ کیونکہ وہ کفر ہے بلکہ یہ وہ شرکت ہے جو خادم کو اپنے مخدوم کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب تک مجھے نہیں بلایا تب تک اس دولت کے دستر خوان پر حاضر نہیں ہُوا اور جب تک اُنھوں نے نہ چاہا۔ اس دولت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ اگرچہ اُویسی ہوں لیکن مُربی حاضر و ناظر رکھتا ہوں۔ طریقۂ نقشبندیہ میں اگرچہ میرا پیر عبدالباقیؒ ہے لیکن میری تربیت کا متکفل باقی جل جلالہٗ وعم نوالہٗ ہے۔

مَیں نے فضل سے تربیت پائی ہے اور اجتباء کے راستہ پر چلا ہوں میرا سلسلہ سلسلۂ رحمانی ہے۔ مَیں عبدالرحمان ہوں میرا رب رحمان جل شانہٗ ہے اور میرا مربی ارحم الراحمین ہے اور میرا طریقہ طریقۂ سُبحانی ہے۔ کیونکہ تنزیہ کے راستہ سے گیا ہوں اور اسم و صفت سے ذات اقدس تعالےٰ کے سوا کچھ نہیں چاہا۔ یہ سبحانی وہ سبحانی نہیں ہے جو حضرت بایزید بسطامیؒ نے کہا ہے کیونکہ اس کو اس کے ساتھ کسی قسم کی مساوات نہیں ہے۔ وہ سبحانی دائرۂ نفس سے باہر نہیں اور یہ انفس و آفاق کے ماوراء ہے اور وہ تشبیہ ہے جس نے تنزیہ کا لباس پہنا ہے اور یہ تنزیہہ ہے جس کو تشبیہ کی گرد بھی نہیں لگی۔ اُس سبحانی نے چشمۂ سُکر سے جوش مارا اور یہ عین صحو سے نکلا۔ ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو معدات کے سوا نہ رکھا اور علت فاعلی میری تربیت میں اپنے فضل کے سوا اور کچھ نہ بنائی۔ حق تعالےٰ کمال کرم سے اس اہتمام و غیرت کے باعث جو میرے حق میں رکھتا ہے پسند نہیں فرماتا کہ میری تربیت

میں کسی دوسرے کے فعل کا دخل ہو۔ یا ئیں اس امر میں کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہوں بَیں حق تعالے کا تربیت یافتہ اور اُس کے لامتناہی فضل وکرم کا مجتبیٰ اور برگزیدہ ہوں ۔ ع

بر کریماں کار ہا دشوار نیست

ترجمہ: کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ وَ الْمِنَّۃِ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالتَّحِیَّۃُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا ۔ ٭

مکتوب ۹۵

اسرارِ ولایت کے ظاہر کرنے میں خطرات

وہ کاروبار جو اس ولایت پر وابستہ ہے ۔ اگر تھوڑا سا بھی ظاہر کیا جائے یا وہ معاملات جو ان دونوں ولائتوں کے متعلق ہیں ۔ اگر اشارہ کے طور پر بھی ان کا کچھ بیان کیا جائے تو قَطْعُ الْبُلْعُوْمِ وَ ذَبْحُ الْحُلْقُوْمِ (رگ بلعوم قطع کی جائے اور رگِ حلقوم کاٹ دی جائے یعنی قتل کر دیا جائے) ۔

جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ نے بعض ان علوم کے اظہار میں جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کئے تھے ”قطع البلعوم“ کہا تو پھر اَوروں کی نسبت کیا کہنا ہے ؟ یہ حق تعالے کے پوشیدہ اسرار ہیں جو اپنے اخص خواص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے اور نامحرم کو اُن کے گرد نہیں پھٹکنے دیتا ۔ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو رحمت عالمیان ہیں ۔ کمال معرفت و قدرت سے ان اسرار کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ وغیرہ کے سامنے بیان کیا اور ان میں سُننے والوں کی قابلیت و استعداد سمجھ کر ان بیش قیمت اور نایاب موتیوں کو ان پر تصدق اور ایثار فرمایا ۔ لیکن مجھ جیسا بے سرو سامان مفلس ان اسرار کے ذکر و اظہار سے ڈرتا اور خوف کرتا ہے ۔ اور باوجود اس خواری اور آوارگی کے ان بلند مطالب کے ساتھ کسی طرح اپنی مناسبت نہیں پاتا ۔

لیکن جانتا ہے کہ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ : کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

ہاں اللہ تعالٰے کا فضل و کرم ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ یہ کرم ہمارے حق میں آج ہی سے نہیں ہے بلکہ اُس دن سے ہے جبکہ ہماری مُشت خاک کو زمین سے لے کر اپنا خلیفہ بنایا اور اپنا نائب بنا کر تمام اشیاء کا قیوم کیا اور اس کو بلاواسطہ تمام اشیاء کے نام سکھائے اور فرشتوں کو جو اس کے مکرم و بزرگ بندے ہیں اس کا شاگرد بنایا اور باوجود اس بزرگی کے اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اور ابلیس جو معلم ملکوت کے لقب سے ملقب تھا اور طاعت و عبادت میں بڑا اعلےٰ شان رکھتا تھا، جب اس نے سجدہ سے انکار کیا اور اس کی تعظیم و توقیر بجا نہ لایا تو اس کو اپنی درگاہِ مُعلی سے دھتکار دیا اور ملعون و مردود کر دیا۔ اور طعن و ملامت کا مستحق بنا دیا اور اس مشتِ خاک کو اس قدر ہمت و قدرت بخشی کہ اُس نے اس کی امانت کے بوجھ کو اُٹھا لیا جس کے اُٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں نے انکار کیا اور ڈر گئے۔

اور نیز اس کو وہ قوت عطا فرمائی کہ جس کے باعث اُس نے باوجود اپنی چوں اور چگوں ہونے کے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے بیچوں و بیچگوں مولیٰ کے رویت کی قابلیت پیدا کی۔ حالانکہ پہاڑ باوجود اسقدر سخت اور مضبوط ہونے کے حق تعالیٰ کی ایک ہی تجلّی سے پارہ پارہ اور خاکستر ہو گیا۔ وہ خدائے قدیم الاحسان اور ارحم الراحمین اس بات پر قادر و توانا ہے کہ مجھ جیسے پسماندہ کو سابقین کے درجات تک پہنچائے اور ان کے طفیل ان کی دولت کا شریک بنائے۔

؎ اگر پادشاہ بر در پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سُبلت مکن

ترجمہ : اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطان تو اے خواجہ نہ ہر گز ہو پریشان!

تنبیہ :۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیشہ اپنی تنزیہ و تقدیس پر ہے اور حدوث کے صفات اور نقص کے نشانات سے منزہ و مبرا ہے۔ اس درگاہ جل شانہٗ میں تغیر و تبدل کا دخل نہیں اور اس بارگاہ اعلیٰ میں اتصال و انفصال کی گنجائش نہیں۔ وہاں حالیت و محلیت

کا تجویز کرنا کفر ہے اور اتحاد و عینیت کا حکم کرنا عین الحاد و زندقہ ہے۔ حق تعالیٰ کے خاص بندے اس بارگاہ میں خواہ کتنا ہی قرب و وصل پیدا کریں۔ پھر بھی جسمانی قرب اور جوہر و عرض کے اتصال کی قسم سے نہیں ہوگا۔ وہاں قرب بھی بیچون ہے اور وصل بھی بیچون۔ ان بزرگوں کا کاروبار اس حضرت جلّ شانہٗ ہیں عالم بیچونی سے ہے۔ اور عالم چون کو عالم بیچون کے ساتھ وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ممکن ہے اور یہ واجب۔ نیز عالم چون زمان و مکان کی تنگی میں محدود ہے۔ اور عالم بیچون اس تنگی سے آزاد اور زمان و مکان سے وراء الورا ہے۔ ہاں عبارت و تعبیر کا میدانِ عالم چوں میں وسیع ہے اور عالم بیچون میں تنگ و تاریک لِعُلُوِّهٖ مِنَ الْعِبَارَةِ وَبُعْدِهٖ عَنِ الْاِشَارَةِ (کیونکہ وہ عبارت سے برتر اور اشارہ سے بعید ہے۔ یعنی کسی عبارت و اشارت میں نہیں آسکتا۔ اس ارحم الراحمین نے اپنے خاص بندوں کو بیچونی کا حصّہ دے کر عالم بیچون میں داخل کیا ہے اور بیچونی کے معاملات سے مشرف فرمایا ہے۔ اگر بالفرض اس بیچون کو چون کے ساتھ تعبیر کریں۔ تو اس سے بھی بعید تر ہے کہ بالغ لوگ نابالغوں کے آگے جماع کی لذت کو قند و شکر کی لذّت سے تعبیر کریں۔ کیونکہ یہ دو لذتیں ایک ہی عالم چون سے ہیں لیکن وہ تعبیر و معتبر دو مختلف اور متضاد عالموں سے ہیں۔ پس اگر کوئی بیچون کو چون کے ساتھ تعبیر کرے اور بیچون پر چون کا حکم لگائے تو واقعی طعن و تشنیع اور الحاد و زندقہ کے ساتھ متہم ہونے کا مستحق ہے۔

اس سے ثابت ہُوا کہ ان اسرار کا دقیق اور پوشیدہ ہونا عبارت کی تعبیر کی وجہ سے ہے نہ کہ تحقق و حصول کی وجہ سے کیونکہ ان اسرار سے متحقق ہونا کمال ایمان ہے۔ لیکن بیچون کو چون کی عبارات میں تعبیر کرنا عین کفر اور الحاد ہے۔ یہاں مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اُس کی زبان بند ہو گئی) پر عمل کرنا چاہیئے۔

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

"یا اللہ! تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو تمام چیزوں پر قادر ہے۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا۔

"اوّل و آخر اللہ تعالےٰ کی حمد ہے اور ہمیشہ اُس کے رسول پر صلوٰۃ و سلام ہو۔"

⁂

مکتوب ۹۸

حُسنِ ظاہری سے متاثر ہونا اپنے نقص اور قبح کی بنیاد پر ہے

خیر و کمال اور حُسن و جمال جہاں کہیں کہ ہے وجود کا اثر ہے جو محض خیر ہے اور واجب الوجود جلّ شانہٗ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ممکن میں جس طرح وجود اس بارگاہ جلّ شانہٗ سے ظلیت کے طور پر منعکس ہُوا ہے۔ اسی طرح حسن و جمال بھی اسی طرح مقدمہ سے ظلیّت کے طور پر اس میں آیا ہے۔ ممکن کا ذاتی اسکے عدم ذاتی کے باعث محض شر اور سراسر قبح و نقص ہے۔ لیکن یہ حُسن و جمال جو ممکن میں مشہود ہوتا ہے۔ اگرچہ وجود ہی سے آیا ہے۔ لیکن چونکہ عدم کے آئینہ میں ظاہر ہُوا ہے اس لئے آئینہ کا رنگ پکڑ کر قبح و نقص حاصل کر چکا ہے اور ممکن جو ذاتی قبح و نقص رکھتا ہے۔ اس حُسن سے اس قدر حظ و لذت پاتا ہے جو حسن خالص یعنی اس حُسن کے مبدء سے نہیں پاتا۔ کیونکہ اس کے ساتھ اس کی مناسبت زیادہ تر ہے۔ جس طرح خاکروب کو بدبودار چیزوں سے وہ لذت آتی ہے جو پاکیزہ اور خوشبودار چیزوں سے نہیں آتی ہے۔

مشہور قصہ ہے کہ ایک خاکروب عطاروں کے محلہ سے گزرا۔ جونہی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ایک بزرگ بھی اسی راہ سے گزر رہا تھا۔ جب اس معاملہ سے واقف ہوا۔ فرمایا کہ اس کی ناک کے آگے نجاست لا کر رکھ دو تاکہ اس کی بدبُو سے خوش ہو کر ہوش میں آ جائے جب اُنہوں نے ایسا ہی کیا تو اُس کو ہوش آ گیا۔

٭

مکتوب نمبر ۱۰۲

سُستی چھوڑ کر چُستی اختیار کرنا اور لوگوں سے صرف بقدرِ ضرورت ملنا

مُدت گزری ہے کہ آپ نے اپنے احوال خیر مآل سے اطلاع نہیں دی۔ اُمید ہے کہ آپ نے اپنی حالت کو بدل لیا ہو گا اور سُستی کو چھوڑ کر عمل کے درپئے ہو گئے ہوں گے اور فراغت کو ترک کر کے مجاہدہ کی طرف توجہ کی ہو گی۔ اب کاشت کاری کرنے اور بیج بونے کا وقت ہے۔ صرف کھانے اور سو رہنے کا موسم نہیں۔ آدھی رات سونے کے لئے مقرر کریں اور آدھی رات طاعت و عبادت کے لئے۔ اگر اس قدر ہمت نہ ہو سکے تو رات کا تیسرا حصّہ جو نصف سے سدس یعنی چھٹے حصّے تک ہے ہمیشہ جاگتے رہیں اور کوشش کریں کہ اس دولت کے دوام حصول میں فتور نہ پڑے۔ خلق کے ساتھ اسی قدر اختلاط و انبساط رکھیں کہ اُن کے حقوق ادا ہو سکیں۔

اَلضَّرُوْرَةُ تُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا۔ (ضرورت اندازہ کے موافق ہوتی ہے) قدر حاجت سے زیادہ خلق کے ساتھ انبساط رکھنا فضول ہے اور لایعنی میں داخل ہے۔ بسا اوقات بڑے بڑے ضرر اس پر مترتب ہوتے ہیں اور شریعت و طریقت کے ممنوعات امور میں داخل ہوتا ہے۔ وہ شیخ جو مریدوں کے ساتھ حد سے زیادہ انبساط رکھتا ہے۔ وہ مریدوں کو ارادت سے نکالتا اور اُن کی طلب میں فتور ڈالتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ۔

اس امر کی بُرائی کو اچھی طرح معلوم کریں اور طالبوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک کریں جو اُن کی اُلفت و اُنس کا سبب ہو نہ کہ نفرت و بیگانگی کا موجب۔ خلق سے تنہائی اور گوشہ نشینی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ حاجت سے زیادہ اُن کے ساتھ آشنائی رکھنا زہرِ قاتل ہے۔ اللہ تعالےٰ کی توفیق سے آپ کو یہ

بات بڑی آسانی سے میسّر ہے۔ ارباب ابتلاء یعنی بلاء و امتحان میں پھنسے ہوئے لوگ جو ہمیشہ اہلِ تفرقہ کے ساتھ جمع رہتے ہیں اور اس بلاء میں مبتلا ہیں وہ کیا کر سکتے ہیں؟ آپ اس نعمت کی قدر جانیں اور اس کے موافق عمل کریں اور طالبوں کے حال سے بخوبی خبردار رہیں اور ظاہر و باطن میں اُن کی تربیّت کی طرف متوجہ رہیں۔ زیادہ کیا لکھا جائے۔

مکتوب ۱۰۴

اپنے صاحبزادگان کے نام مکتوب' ان کے مقام کا اظہار اور اُنہیں شکر ادا کرنے کی تاکید

مُدّت گزری ہے کہ فرزندانِ گرامی نے اپنے ظاہری باطنی احوال کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ شاید دیر تک جُدا رہنے کے باعث مجھ دور افتادہ کو بھول گئے ہو۔ ہم بھی ارحم الراحمین رکھتے ہیں۔ آیت کریمہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کافی نہیں) نامراد غریبوں کو تسلی بخشنے والی ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ تمہاری اس قدر لاپرواہی کے باوجود ہمیشہ دل تمہارے احوال کی طرف متوجّہ ہے اور تمہارے کمال کا خواہاں ہے۔

کل صبح کی نماز کے بعد مجلس سکوت یعنی مراقبہ و خاموشی کے وقت ظاہر ہوا کہ وہ خلعت جو میں نے پہنی ہوئی تھی مجھ سے دور ہوگئی اور بجائے اس کے اور خلعت مجھے پہنائی گئی۔ دل میں آیا کہ یہ خلعت زائلہ کسی کو دیتے ہیں یا نہیں؟ مجھے یہ آرزو ہوئی کہ اگر یہ خلعت زائلہ میرے فرزند محمد معصوم کو دیدیں تو بہتر ہے۔ ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ میرے فرزند کو مرحمت فرمائی گئی ہے اور وہ خلعت سب کی سب اس کو پہنائی گئی ہے۔ یہ خلعت زائلہ معاملہ قیومیّت سے مراد ہے جو تربیّت و تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس عرصہ مجتمعہ میں ارتباط کا باعث ہے۔ اس خلعت جدیدہ کا معاملہ جب انجام تک پہنچ جائے گا اور خلع کی مستحق ہو جائیگی

تو اُمید ہے کہ کمال کرم سے فرزند عزیز محمد سعید کو عطا فرمائیں گے۔ یہ فقیر ہمیشہ عاجزی سے یہ سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر پاتا ہے اور فرزندِ عزیز کو اس دولت کا مستحق معلوم کرتا ہے۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ: کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

استعداد بھی اسی کی دی ہوئی ہے ؂

نیاوردم از خانہ چیزے نخست   تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

ترجمہ: نہیں لایا میں کچھ بھی اپنے گھر سے
مجھے سب کچھ ملا ہے تیرے دَر سے

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ ۔

"اے آلِ داؤد عمل کرو اور شکر بجالاؤ۔ میرے بندے شکر گزار تھوڑے ہی ہیں"۔

تم جانتے ہی ہو کہ شکر سے یہ مُراد ہے کہ بندہ اپنے ظاہری باطنی اعضاء و جوارح و قویٰ کو جس جس غرض کے لئے اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا ہے اُن میں صرف کرے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتے تو شکر بھی حاصل نہ ہوتا۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ ۔ (اللہ تعالےٰ توفیق دینے والا ہے)

اس قسم کے علوم پوشیدہ اسرار میں سے ہیں اگرچہ صرفہ کے ساتھ کہے جاتے ہیں لیکن پھر بھی ان کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ دوسرے یہ کہ دو مشکل جو درپیش تھیں شاید وہ معاملہ عالم مثال میں تھا۔ ان دنوں میں وہ بھی حل ہو گئی ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں رہی۔ شاید اس امر میں خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی روحانیت کا بھی دخل ہوگا محمد معصوم بھی شاید اس مشکل کو دل میں رکھتا ہوگا۔

والسلام

❊

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله
١٤٠٤

مکتوب ۱۱۲ و ۱۱۳ و ۱۱۴

صفاتِ باری تعالےٰ نہ عینِ ذات ہیں نہ غیرِ ذات

از ص ۶۲۱ تا ص ۶۲۳ جلد دوم ملاحظہ کریں۔

مکتوب ۱۱۷

مخلوق خدا کی خدمت لوجہ اللہ کرنا بھی باعث اجر و ثواب ہے

حق تعالےٰ آپ کو حدِ اعتدال اور مرکزِ عدالت پر استقامت عطا فرمائے۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ عطیات کا بخشنے والا حضرت حق جل شانہٗ اپنے کسی بندہ کو بعض بزرگیوں اور فضیلتوں کے ساتھ مخصوص کر کے اپنے بندوں کی حاجتوں کی کُنجی اُس کے دستِ تصرف کے حوالہ کر دے اور اس کو ان لوگوں کا جائے پناہ بنائے۔ اور یہ کس قدر اعلیٰ نعمت ہے کہ بہت سی مخلوقات کو جس کو اللہ تعالےٰ نے کمال کرم سے اپنا عیال فرمایا ہے اس کے متعلق کرے اور ان کی تربیت اس کے سپرد فرمائے۔ وہ شخص بہت ہی سعادتمند ہے جو اس نعمت کا شکر ادا کرے اور اپنے مالک کے عیال کی خدمت گذاری کو اپنی سعادت جانے اور اپنے مولیٰ کے غلاموں اور لونڈیوں کی تربیت کو اپنا شرف سمجھے۔

اللہ تعالےٰ کی حمد ہے کہ وہاں کے لوگ آپ کے ذکرِ خیر سے تر زبان ہیں اور آپ کے کرم واحسان کا ذکر اُن کی زبان پر ہے۔

والسلام

مکتوب ۱۱۷

نبی علیہ السّلام کی شریعت کے اتباع کے بغیر سارے مجاہدات بیکار بلکہ مضر ہیں

کوئی بے وقوف یہ گمان نہ کرے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت کی کچھ حاجت نہیں اور اُن کی تبعیت و متابعت کی کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ یہ کفر والحاد و زندقہ اور شریعتِ حقہ کا انکار ہے۔ حالانکہ اُوپر گزر چکا ہے کہ جذبۂ سلوک کے واسطہ کے بغیر جو شریعت کے بجالانے سے مراد ہے ابتر و ناتمام اور سراسر نقمت اور عذاب ہے جو نعمت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور جذبِ ناتمام کے صاحب پر حجت کو پورا کیا ہے۔

غرض کشف صحیح اور الہام صریح سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ اس راہ کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ اور اس گروہ کے معارف میں سے کوئی معرفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے واسطہ اور وسیلہ کے بغیر میسّر نہیں ہوتی اور مبتدی اور متوسط کی طرح منتہی کو بھی اس راہ کے فیوض و برکات آنحضرتؐ کی طفیل و تبعیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جُز در پے مصطفےٰؐ

ترجمہ: قدم پکڑیں نہ جب تک مصطفےٰؐ کا
پتہ ملتا نہیں راہِ صفا کا

افلاطون بے وقوف نے اس صفائی کے باعث جو ریاضتوں اور مجاہدوں سے اس کے نفس کو حاصل ہوئی، اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت سے مستغنی جانا اور کہا۔

نَحْنُ قَوْمٌ مُهْتَدُوْنَ لَا حَاجَةَ بِنَا اِلٰى مَنْ يَهْدِيْنَا[1] ۔

"ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں، ہم کو کسی ہادی کی حاجت نہیں"

اس بے وقوف نے یہ نہ جانا کہ یہ صفائی جو انبیاء کی متابعت کے بغیر ریاضتوں اور مجاہدوں سے حاصل ہوتی ہے ایسی ہے جیسے سیاہ تانبے پر سونا چڑھا دیں یا زہر کو شکر سے غلافی کریں۔ وہ انبیاء علیہم السلام کی متابعت ہی ہے جو تانبے کی حقیقت کو بدلا کر خالص سونا بنا دیتی ہے اور نفس کو امارہ پن سے نکال کر اطمینان میں لے آتی ہے۔

حکیم مطلق جل شانہٗ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور شرائع کو امارہ کے عاجز اور خراب کرنے کے لئے مقرر کیا ہے اور اس کی خرابی بلکہ اس کی اصلاح کو ان بزرگواروں کی متابعت کے سوا اور کسی چیز میں نہیں رکھا۔ ان بزرگواروں کی متابعت کے بغیر اگر ہزاروں ریاضتیں اور مجاہدے کئے جائیں، اس کا امارہ پن بال بھر بھی کم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی سرکشی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ع

ہرچہ گیرد علتی علت شود

ترجمہ: جو کچھ مریض کھائے اُس کا مرض بڑھ جائے

اس کے ذاتی مرض کا دُور ہونا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شرائع پر موقوف ہے۔

وَمِنْ دُوْنِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ ۔

"ورنہ بے فائدہ تکلیف ہے"

٭

---

[1] نَحْنُ قَوْمٌ مُهَذَّبُوْنَ لَا حَاجَتَ بِنَا اِلٰى مَنْ يُهَذِّبُنَا ۔

"ہم مہذب لوگ ہیں، ہم کو کسی تہذیب سکھانے والے کی حاجت نہیں"

٭

مکتوب ۱۲۱

مشائخ طریقت کے مُوحِش کلام کی تاویل ضروری ہے

میرے مخدوم: اس قسم کی باتیں جو اسرار کے اظہار پر مبنی ہیں اور ظاہر کی طرف سے مصروف اور پھری ہوئی ہیں۔ ہر وقت مشائخ طریقت قدس سرہم سے سرزد ہوتی رہی ہیں اور ان بزرگواروں کی عادت مستمرہ ہو گئی ہے کوئی نیا امر نہیں جس کو اس فقیر نے شروع کیا ہے یا اس کا اختراع کیا ہے۔

لَيْسَ هٰذَا اَوَّلُ قَارُوْرَةٍ كُسِرَتْ فِى الْاِسْلَامِ۔

"یہ پہلی شیشی نہیں جو اسلام میں توڑی گئی ہو"

پھر یہ سب شور و غوغا کیا ہے۔ اگر کوئی ایسا لفظ صادر ہوا ہے جس کا ظاہر علومِ شرعیہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تو تھوڑی سی توجہ کے ساتھ اس کو ظاہر سے پھیر کر مطابق کرنا چاہیئے اور ایک مسلمان کو متہم نہ کرنا چاہیئے۔ جب شریعت میں فاحشہ کا رسوا کرنا اور فاسق کا خوار کرنا حرام و منکر ہے تو پھر صرف اشتباہ ہی سے ایک مسلمان کا خوار کرنا کیا مناسب ہے اور شہر بشہر اس کی منادی کرنا کونسی دینداری ہے؟

مسلمانی اور مہربانی کا طریق یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جو بظاہر علومِ شرعیہ کے مخالف ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ اس کا کہنے والا کون ہے؟ اگر ملحد و زندیق ہو تو اس کو رد کرنا چاہیئے اور اس کی اصلاح میں کوشش نہ کرنی چاہیئے۔ اور اگر اس کلمہ کا کہنے والا مسلمان ہو اور اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس کی اصلاح میں کوشش کرنی چاہیئے اور اس کے واسطے محمل صحیح پیدا کرنا چاہیئے یا اس کے کہنے والے سے اس کا حل طلب کرنا چاہیئے۔ اور اگر اس کے حل کرنے میں عاجز ہو۔ تو اس کو نصیحت کرنی چاہیئے اور نرمی کے ساتھ امر معروف اور نہی منکر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اجازت و قبولیت کے نزدیک ہے اور اگر مقصود اجابت نہ ہو اور خوار کرنا ہی مطلوب ہو تو یہ جدا بات ہے۔

اللہ تعالے توفیق دے ۔ زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ کے مکتوب شریف سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس عزیز سے اس فقیر کے مکتوب کو سننے کے بعد آپ کے ملازموں میں بھی اشتباہ و انحراف طاری ہو گیا تھا مانا کہ انعکاسی ہو گا۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ اشتباہ کے مقامات کو خود حل کر دیتے اور اس فقیر پر نہ ڈالتے اور فتنہ کو فرو کر دیتے۔ فقیر دوسرے یاروں کا کیا گلہ کرے جن میں سے بعض یار جو اس اشتباہ کے دفع کرنے کی طاقت بھی رکھتے تھے کچھ نہ کر سکے اور خاموش رہے ۔

ما زیاران چشم یاری داشتیم   خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

ترجمہ: ہم کو تھا یاروں سے یاری کا خیال
یہ سراسر و د غلط نکلا خیال

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۔

"اے اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر ۔"

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا ۔

❖